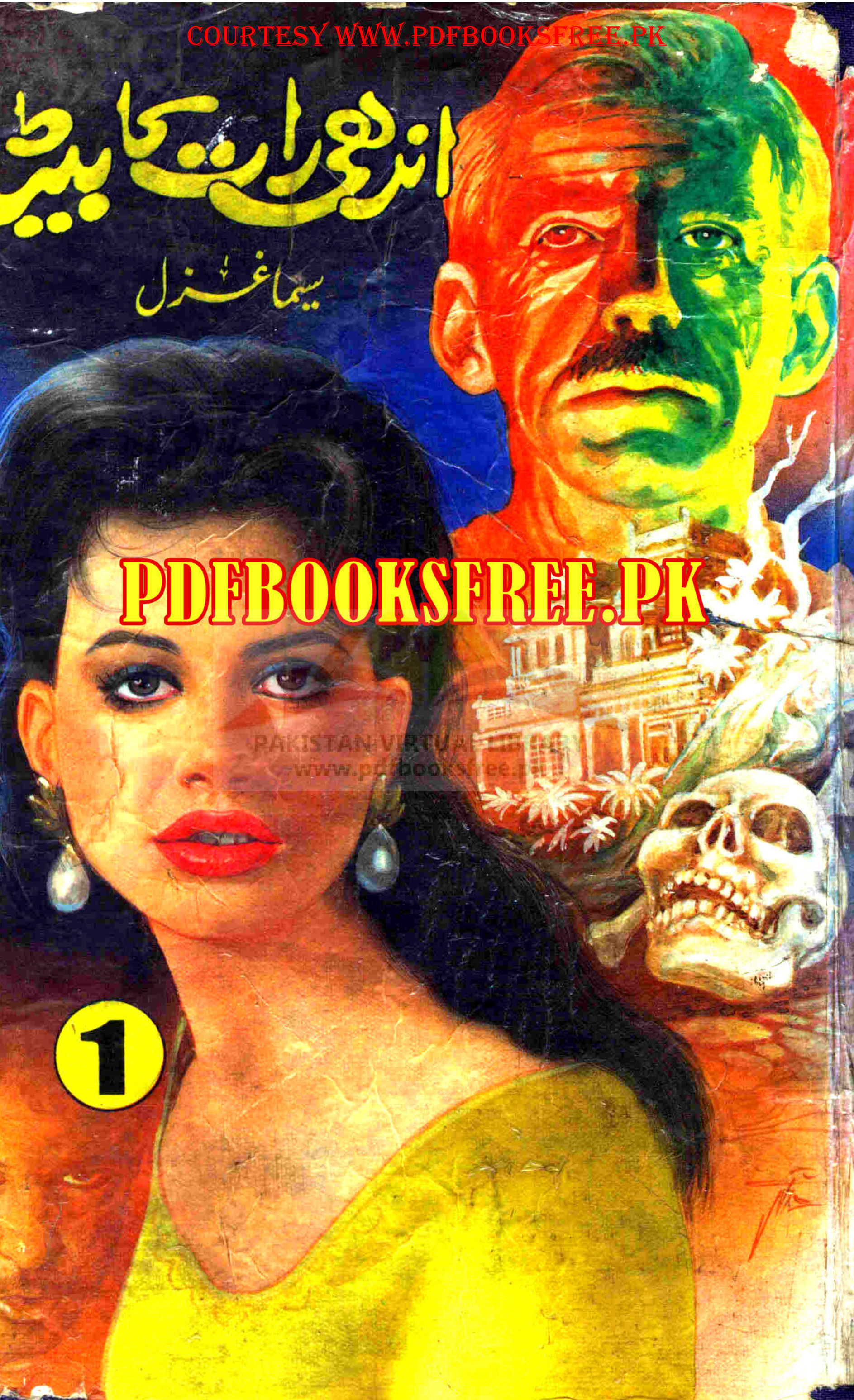
COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK
اندھی رات کا بیڑ
سیما غزل
PDFBOOKSFREE.PK
1

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دیباچہ

محترمہ سیما غزل کا ایک اور طویل ناول پیش خدمت ہے۔ اس سے پہلے "کال بیل"، "کمند" اور "کوری آنکھیں" قارئین میں قبولیت عام کی سند پا چکے ہیں۔ موصوفہ نے اپنی کامیابیوں کے سفر کو جہاں سے چھوڑا تھا وہیں سے آگے بڑھایا ہے اور اپنے معیار کو برقرار رکھتے ہوئے ایک اور شاہکار تخلیق کیا ہے۔ محترمہ سیما غزل ان معدودے چند لکھاریوں میں سے ہیں جن کا نام کسی کتاب کی کامیابی کی ضمانت ہوتا ہے۔

یہ ناول جاگیردارانہ نظام کے پسِ منظر میں لکھا گیا ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت یہی جاگیر دار جو پاکستان کے قیام کے سخت مخالف تھے۔ جب ان کی مخالفت کے باوجود پاکستان بن گیا تو اس ٹولے نے بھی نقاب بدل لیا اور پاکستان کے بہی خواہ بن کر پاکستان کا رخ کر لیا۔ انگریزوں کی چمچہ گیری اور غداری کے صلے میں جاگیریں انعام میں پانے والے یہ مٹھی بھر جاگیردار پاکستانی سیاست پر چھا گئے اور ہر آنے والی حکومت ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئی۔

یہ انہی لوگوں کی کہانی ہے جنھوں نے کمین یا کمی کی اصطلاح ایجاد کی اور محنت کشوں کو کمی کمین کا نام دے دیا۔ یہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں بے تاج بادشاہ بنے بیٹھے ہیں اور نسل در نسل حکومت کر رہے ہیں۔ یہ اپنے علاقوں میں سکول نہیں بننے دیتے کہ اگر کمی کمینوں کے بچے لکھ پڑھ گئے تو ہماری خدمت کون کرے گا اور ہماری بادشاہی کس پر ہوگی۔ ان کے اپنے قانون ہیں اور اپنی جیلیں ہیں۔ حق بات کرنے والے کو باغی قرار دے کر دوسروں کے لئے "عبرت" کا نشان بنا دیا جاتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یہ کہانی ایسے ہی ایک پُرعزم نوجوان کی ہے جو نسل در نسل منتقل ہوئی غلامی کی زنجیریں توڑنے چلا تھا مگر فرعونِ وقت کو بھلا یہ کیسے گوارہ ہوتا۔ اُس نے "آزادی" کی طرف جانے والا ہر راستہ بند کردیا اور صرف ایک راستہ کھلا رکھا جو گھوم پھر کر اس کی غلامی کی طرف آتا تھا۔ یہاں سے ایک ایسی کشمکش شروع ہوگئی جس نے اس شاہکار کہانی کو جنم دیا۔

محترمہ سیما غزل نے جو موضوع چنا ہے وہ کوئی نیا نہیں ہے اس پر بے تحاشا لکھا گیا ہے لیکن انہوں نے اس موضوع پر جس انداز سے قلم اٹھایا ہے اس میں ایک نیا پن پایا جاتا ہے۔ دیہاتی ماحول اور کلچر پر جس خوبصورتی سے لکھا ہے اس سے اُن کے مشاہدے کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ ان کا یہ قلمی جہاد قبول فرمائے ان کے زورِ قلم میں اضافہ فرمائے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ محترمہ کا آنے والا ناول "زرد پتوں کا بھنور" بھی ان کی لگاتار کامیابیوں کا تسلسل ثابت ہو۔

ادارہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

میں نے جس گاؤں میں آنکھ کھولی تھی' وہ میرے حساب سے کسی جنت سے کم نہیں تھا۔ میرا باپ وہاں کے زمیندار کا کمدار تھا۔ میری ماں بھی اس کی حویلی میں کام کرتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں ماں کی انگلی پکڑے جب پہلی بار زمیندار کی حویلی میں گیا تو وہ پہاڑ جیسی حویلی دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی لال پکی اینٹوں کی حویلی کے چاروں طرف بڑے بڑے اور گھنے درخت لگے تھے۔ ان درختوں کے جھنڈ میں سے کہیں کہیں سے بڑی بڑی کھڑکیاں نظر آتی تھیں جن پر اندر کی طرف بڑے بڑے پردے پڑے رہتے تھے۔

حویلی اندر سے بھی اتنی ہی خوبصورت تھی۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی دائیں جانب زمیندار کی کاریں کھڑی کرنے کی جگہ تھی اور بائیں جانب بڑا سا باغ بنا ہوا تھا جسے وہ سب لان کہتے تھے۔ اس لان میں اتنے خوبصورت پھول لگتے تھے کہ میں اماں کا ہاتھ چھڑا کر سیدھا اس طرف بھاگ گیا تھا۔ میں پھول توڑنے ہی والا تھا کہ اماں نے لپک کر مجھے پکڑ لیا۔

"حرامزادے.......... جان سے مروائے گا کیا؟"

اور میں نے حیرت سے ماں کے چہرے کو دیکھا تھا جس پر پیلاہٹ چھائی ہوئی تھی اور آنکھیں حلقوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ بھلا میرے پھول توڑنے سے اماں کیسے جان سے مرجاتی۔

"اماں' کیا تیری جان اس دیو کی طرح ان پھولوں میں ہے؟" میں نے معصومیت سے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پوچھا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور اس نے مجھے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

"نہیں بیٹا۔ اس میں ہماری جانیں بھلا کیسے ہو سکتی ہیں۔ ہماری جانیں تو زمیندار کے ہاتھ میں ہیں اور یہ پھول سارے زمیندار کے ہیں۔ اگر ہم سے کسی پھول کو نقصان پہنچا تو .... وہ ہمیں جان سے مار دے گا۔"

"میں نقصان تو نہیں پہنچا رہا تھا اماں .... میں پھول توڑ کر اپنے پاس رکھ لیتا۔ گھر لے کر جاتا۔"

"نہیں بیٹا... یہ زمین زمیندار کی ہے' یہاں اگنے والی ہر چیز اسی کی ہے' ہم اس سے اجازت لئے بغیر کچھ بھی نہیں لے سکتے۔" اس نے دکھ سے کہا تھا۔

پھر جوان ہونے تک مجھے یہی سکھایا اور بتایا جاتا رہا کہ سب کچھ زمیندار کا ہے ہمارا کچھ بھی نہیں۔ اماں وہاں رات دن کام کرتی' میں اس کی بغل میں بیٹھا حویلی میں کھیلنے والے ان بچوں کو دیکھتا رہتا جن کے کپڑے شاید جنت سے آتے تھے اور جن کے چہروں پر روشنی سی ہوتی تھی۔ ان کے پیر اتنے صاف ہوتے تھے کہ میں انہیں گھنٹوں دیکھتا رہتا اور جوتے تو ایسے تھے کہ میں نے پورے گاؤں میں کسی کے پاس بھی نہیں دیکھے تھے۔

میرے پاس تو بہت دنوں تک چپل بھی نہ رہے' پھر زمیندارنی نے ہی ایک روز اماں کو اسفنج کے دوپٹی والے چپل دیئے کہ سردی بہت ہے تیرا بچہ ننگے پیر آتا ہے۔

بہت دنوں تک تو میں نے وہ سفید چپل اس ڈر سے نہ پہنے کہ خراب ہو جائیں گے۔ حویلی کے گیٹ تک بغل میں دبائے رکھتا اور گیٹ سے اندر آتے ہی پہن لیتا کہ اگر زمیندارنی نے دیکھ لیا تو ناراض ہو گی۔ حویلی سے باہر نکلتے ہی انہیں جھاڑ کر اپنی بغل میں رکھ لیتا اور گھر جاتے ہی سب سے پہلے اپنے چپلوں کو دھو کر کپڑے سے خشک کر کے رکھ دیتا۔

وہ چپل کیا آئے تھے میری دن رات کی مصروفیات ہی بدل گئی تھیں۔ میں نے گاؤں کے ہر بچے کو گھر لا کر کونے میں رکھے چپل دکھائے تھے۔ جنہیں دیکھ کر بچے خوش بھی ہوتے اور جل بھی جاتے۔

اماں بھی خوش تھی اور ابا بھی بہت خوش ہوا تھا۔ اس نے تو زمیندارنی کو بہت سی دعائیں بھی دی تھیں۔ پھر جس روز زمیندارنی کے گھر راجو پیدا ہوا اس روز اس نے اماں

اور ابا کے علاوہ مجھے بھی نئے کپڑے بنا کر دیئے۔ اس روز تو جیسے گاؤں بھر میں عید منائی گئی۔ سارے گاؤں میں چاول بٹے۔ جن میں گوشت کی بڑی بڑی بوٹیاں پڑی تھیں۔

اماں کو تو کافی بڑی دیگچی بھر کے چاول ملے تھے۔ میں نے دو دن تک کھائے۔ یوں تو اماں روز ہی حویلی سے کھانا لاتی تھی مگر زیادہ تر دال اور سبزی ہوتی تھی جو حویلی کے نوکروں کے لئے پکا کرتی تھی۔ حویلی میں نوکر بھی تو بہت تھے۔

زمیندارنی کی خدمت پر ہی تین عورتیں معمور تھیں' باہر مردانے میں چار نوکر تھے ڈرائیور الگ تھے۔ کبھی کبھی جب اماں چھوٹی زمیندارنی کے پاؤں دبایا کرتی تھی تو وہ خوش ہو کر اسے گھر والوں کے لئے پکا ہوا سالن یا میرے لئے کوئی کپڑا لتا بھی دے دیا کرتی تھی۔ بڑی زمیندارنی سے چھوٹی زمیندارنی زیادہ اچھی تھی۔

میں نے شاید آپ کو بتایا نہیں کہ زمیندار نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی سے تین بیٹیاں تھیں پر کوئی بیٹا نہ تھا۔ شاید اسی لئے زمیندار سلطان دین محمد نے' نہر کے پار والے گاؤں کے تحصیلدار کی بیٹی سے دوسرا بیاہ کر لیا تھا۔ زمیندار کی دوسری بیوی ریشماں عمر میں اس سے بہت چھوٹی تھی اور خوب صورت بھی بہت تھی۔ صرف وہی تھی جو زمیندار کے منہ پر اونچی آواز میں بات کر لیا کرتی تھی ورنہ تو کسی کی مجال نہ تھی جو نگاہ اٹھا کر اونچی آواز میں بات بھی کر لے۔

چھوٹی زمیندارنی ریشماں نے جب راجو کو جنم دیا تو زمیندار نے اپنی مونچھیں بڑھا کر اور اونچی کر لیں۔ اس کی پگڑی کا شملہ پھیل کر مور کی دم جیسا ہو گیا۔ شملے پر بنی سنہری پٹی کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے مور ناچ رہا ہو۔

اس کے جھکے ہوئے شانے چوڑے ہو گئے' اور یہ سب تو ہونا ہی تھا۔ پچاس سال کے زمیندار کے گھر جب بیٹا پیدا ہو جائے تو ایسا ہوتا ہی ہے۔ اس کی آواز میں ایک خاص طرح کی گرج پیدا ہو گئی۔ شاید یہ بیٹے کا غرور ہو۔

اُس روز وہ سب سے اس طرح مل رہا تھا جیسے کسی محاذ سے غازی بن کر لوٹا ہو۔

میں نے نئے کپڑے پہن کر دل سے دعا مانگی تھی کہ اللہ میاں زمیندار کے گھر ہر روز بیٹا پیدا ہو۔ میری دعا سن کر چولھے کے پاس بیٹھی اماں اور قریب ہی پیڑھی پر بیٹھا ابا بہت ہنسے تھے۔ میں جھینپ گیا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اُس روز حویلی میں چراغاں کیا گیا تھا۔ اماں اور ابا دونوں کو چھٹی مل گئی تھی اور بہت دنوں کے بعد میں نے اپنے ماں باپ کے ساتھ سارا دن گزرا تھا۔ اُس روز اماں نے ہمیں سویاں پکا کر کھلائی تھیں۔

"ابا! جب میں پیدا ہوا تھا تو تم نے چاول بانٹے تھے اور دیئے جلائے تھے؟" میں نے سویاں کھاتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے ایسے نصیب کہاں؟" ماں نے چولہے سے جلتی لکڑیاں نکال کر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے جواب دیا۔

"اری بدبخت .... کیوں ایسی باتیں کرتی ہے بچے کے ساتھ؟" ابا نے نرم لہجے میں کہا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔ "بیٹا ہم دیا کیوں جلاتے بھلا' ہمارے گھر تو چاند اترا تھا۔ تُو چاند ہی تو ہے .... تیری روشنی سے یہ سارا گھر جگمگ کرنے لگا تھا۔ اس روز اللہ میاں نے بارش برسا دی تھی۔ سال بھر سے بارش نہیں ہوئی تھی۔ زمیندار کی فصلیں سوکھتی جا رہی تھیں۔ تیرے پیدا ہونے کی خوشی میں جو بارش برسی تو زمین سے سونا ابل پڑا تھا۔ سارے گاؤں والوں نے اس روز عید منائی تھی۔ بھنگڑا ڈالا تھا' اتنی گندم اور اتنا چاول نکلا تھا کہ زمیندار کے گودام بھر گئے تھے۔ اس طرح ہم نے بہت خوشی منائی تھی۔" اس نے مجھے پیار کرتے ہوئے بتایا تو میری آنکھوں میں چمک بھر گئی تھی۔ مجھے لگا جیسے میں راجو سے بھی زیادہ اہم ہوں۔ میرے پیدا ہونے پر تو اللہ میاں نے بارش بھی کی تھی۔

"میرا بیٹا کوئی راجو سے کم ہے کیا؟ وہ زمیندار کے گھر کا چراغ ہے تو تُو میرے گھر کا چاند ہے۔" اماں نے میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔ ایسا کرتے وقت اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ مجھے لگا جیسے وہ رو رہی ہے۔ میں نے اسے غور سے دیکھنا چاہا .... وہ شاید سمجھ گئی تھی کہ میں اس کی آنکھوں میں کچھ تلاش کر رہا ہوں۔ فوراً بولی۔

"بالے کے ابا' لکڑیاں بہت گیلی تھیں' دھواں بھر گیا آنکھوں میں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی چادر سے آنکھیں رگڑ لیں' اور میں مطمئن ہو گیا۔ ویسے بھی ماں اور باپ کی آنکھوں میں اتنا پانی دیکھنے کا تو میں عادی ہو گیا تھا۔ بچپن میں تو میں اسے پانی ہی سمجھتا تھا مگر یہ بات تو مجھے بہت دیر بعد سمجھ آئی تھی کہ یہ آنسوؤں کے قطرے ہیں جو ان دونوں کی آنکھوں میں ٹھہر کر رہ گئے ہیں۔ نہ خشک ہوتے ہیں اور نہ زمین پر ٹپکنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

یہ بات بھی مجھے بڑے ہو کر پتا چلی کہ میرے ماں باپ کے کیسے ارمان تھے کہ وہ اپنے بیٹے کو کسی شہر میں لے جا کر پالیں جہاں وہ بابوؤں کی طرح رہے گا' اسکول جایا کرے گا اور پھر کسی سرکاری دفتر میں اونچی سی میز پر بیٹھ کر کام کرے گا۔ مگر ایسا ہو نہیں سکا۔ وجہ یہ تھی کہ میری پیدائش پر میری ماں مرتے مرتے بچی تھی' اور اسے بچانے کے لئے پیسہ زمیندار نے دیا تھا۔ ابھی تو میرا باپ اپنے باپ کا قرضہ بھی نہیں چکا پایا تھا کہ یہ قرضہ بھی اس پر چڑھ گیا۔ زمیندار اپنے کمداروں کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ برے وقت میں کام آتا تھا مگر حساب کتاب کا بہت پکا تھا۔ گاؤں کے کئی آدمی ایسے تھے جو ہوش سنبھالنے کے بعد قرضہ چکانے کے لئے زمیندار کے مزارعے بن گئے تھے تو جھکی ہوئی کمر اور رعشہ زدہ ہاتھ لئے آج تک اپنے پچھلوں کے اور خود اپنے قرضے اتار رہے تھے۔ برا وقت کس پر نہیں آتا؟ اور ہم جیسے لوگوں پر تو زیادہ تر برا وقت ہی رہتا ہے۔ سو زمیندار کا قرضہ اتارتے اتارتے وہ مٹی میں سو جاتے مگر پیچھے اپنی اولاد چھوڑ جاتے جو ان کا قرضہ اتارنے کو حویلی بلا لی جاتی اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہتا۔

میرا باپ بھی قرضے میں جکڑا ہوا تھا' مجھے لے کر کہیں نہ گیا۔ گاؤں میں اس وقت کوئی اسکول نہ تھا' البتہ مولوی صاحب کے پاس بہت سے بچے قرآن پڑھنے جاتے تھے ابا نے مجھے بھی وہاں بٹھا دیا۔ میں اپنا سبق پڑھ کر سپارہ ہاتھ میں لئے حویلی پہنچ جاتا جہاں اماں بے چینی سے میرا انتظار کر رہی ہوتی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر سکون چھا جاتا۔ پھر ہم دونوں سورج کی ڈھلتی کرنوں کو دیکھتے ہوئے گھر واپس آ جاتے۔ ابا ہمیشہ اندھیرا ہونے پر آتا تھا۔ اسے مہمانوں کے بستر بچھانے پڑتے تھے انہیں کھانا دینا پڑتا تھا وہ جلدی آ بھی نہیں سکتا تھا۔

میں سات برس کا تھا جب صغرا پیدا ہوئی۔ صغرا کی پیدائش پر بھی اماں کی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ ابا نے زمیندار سے گڑگڑا کر رحم کی بھیک مانگی تھی۔

"ارے تو کیوں پیدا کرتا ہے بذات .... کسی دن ہاتھ دھو بیٹھے گا بیوی سے۔" زمیندرار نے کڑک کر کہا تھا۔

"نہیں مالک ایسا نہ کہیں' میں تباہ ہو جاؤں گا' اسے بچا لیں۔" ابا زمیندار کے قدموں میں گر گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اسی وقت زمیندار نے ڈرائیور کو بلا کر ہدایات دیں اور میں پہلی بار موٹر میں بیٹھا۔ میں اور ابا دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ مجھے تو گاڑی میں بیٹھ کر بہت اچھا لگا تھا۔ نرم نرم اچھلنے والی سیٹیں تھیں اور کھڑکی سے باہر جب میں نے سب چیزوں کو تیزی سے پیچھے بھاگتے دیکھا تو بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

ڈرائیور نے پلٹ کر مجھے گھورا۔ ابا نے میرا ہاتھ دبا کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور میں دبک کر کونے میں بیٹھ گیا تھا۔ ڈرائیور کی لال لال آنکھوں سے مجھے ویسے بھی ڈر لگتا تھا۔ ہم گھر پہنچے تو اماں کے چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں حیران تھا کہ اماں کو کیا ہو گیا۔ ماسی میراں نے جلدی سے دروازہ کھولا اور ابا کو لئے اندر چلی گئی۔

مجھے ماسی میراں پر بہت غصہ آیا کیوں کہ اس نے مجھے نہ اماں کے کمرے میں جانے دیا اور نہ ابا اور اماں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے دیا۔ میں مچلا تو اس نے مجھے گود میں بھر لیا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ابا اماں کو لے کر چلا گیا۔ میں نے ماسی میراں کے پیٹ میں بہت سی لاتیں ماریں، اس کے بال کھینچ لئے مگر اس نے مجھے نہ چھوڑا۔ میں زور زور سے رو رہا تھا۔

"بالے تجھے پتا ہے اماں کہاں گئی ہے؟"

میں نے جواب دینے کی بجائے اور زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

"اچھا یہ بتا تجھے ننھی سی پیاری سی بہن چاہئے یا بھائی؟" اس کے اس سوال نے مجھے حیران کر دیا۔ میں اچانک خاموش ہو گیا۔

"پتا ہے اماں اور ابا منا سا بچہ لینے گئے ہیں۔ تو بتا تجھے کیا چاہئے، بتا نا.........."

"بہن .... ماسی مجھے ایسی چھوٹی سی بہن چاہئے جیسے .... جیسے دینو کی بہن ہے نا ویسی .... بلکہ اس سے بھی اچھی۔ وہ بہت اتراتا ہے مجھے پیار بھی نہیں کرنے دیتا۔"

"ہاں .... یہ ٹھیک ہے، تیری بہن اس سے بھی زیادہ پیاری ہو گی تو وہ جل جائے گا، ہیں نا؟"

"ہاں.........." میں نے ہتھیلیوں سے آنسوؤں کو پونچھ لیا۔ اب میں بہت خوش تھا۔ مجھے یہ غم نہ رہا کہ میں گاڑی میں ابا اور اماں کے ساتھ کیوں نہ گیا۔

سارا دن گزر گیا، رات آ گئی مگر نہ ابا آیا اور نہ اماں۔ میں ابا اور اماں سے زیادہ اپنی ننھی سی بہن کا انتظار کرتا رہا۔ رات گئے تک ماسی سے پوچھتا رہا اور وہ مجھے بہلاتی رہی، وہ میرے گھر میں تالا لگا کر مجھے لئے ہوئے اپنے گھر آ گئی۔ کھانا کھلا کر مجھے بستر پر لٹا دیا اور پریوں کی کہانی سنانے لگی، وہ پریوں کی کہانی سنا رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ میری بہن بھی تو پری ہو گی، خوب صورت سی، میں اس سے کھیلا کروں گا، اسے پیار کیا کروں گا۔

یہی باتیں سوچتے سوچتے میں سو گیا۔ اگلی صبح میں بہت رویا، پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ میں اماں اور ابا سے الگ ہوا ہوں۔ ماسی میراں اور اس کی بیٹی سوہنی نے مجھے بہت بہلایا، حالانکہ سوہنی مجھ سے تین چار مہینے چھوٹی تھی مگر وہ مجھے ایسے چپ کرا رہی تھی جیسے دادی اماں ہو۔ میرے آنسو اپنی نرم ہتھیلی سے پونچھتے ہوئے کہتی۔ "بالے تم روؤ گے تو تمہاری آنکھوں سے سارے موتی گر جائیں گے۔ میں بھی روتی ہوں تو اماں ناراض ہو جاتی ہے کہتی ہے تم سارے موتی گرا دو گی تو ہم اور غریب ہو جائیں گے۔"

اس کی اس بات نے مجھے ڈرا دیا۔ میں صرف غربت سے ہی ڈرتا تھا، میں نے سبھی کو غربت سے سہمے دیکھا تھا اس لئے میں فوراً خاموش ہو گیا۔

"کیا آنکھوں میں موتی ہوتے ہیں؟" میں نے جلدی سے آنسو صاف کر کے سوہنی سے پوچھا۔

"ہاں اور کیا ....ہم... اماں کہتی ہے .... تم چاہے پوچھ لو؟" اس نے ایسے کہا جیسے اس کے پاس معلومات کا خزانہ ہو۔ اس لمحے میں نے خود کو اس سے کم تر محسوس کیا۔ وہ مجھے کھینچتی ہوئی ماسی کے پاس لے گئی۔ "اماں، بالے کو بتاؤ کہ آنکھوں میں موتی ہوتے ہیں نا جو رونے سے گر جاتے ہیں۔"

ماسی نے ہم دونوں کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور بولی۔ "ہاں بالے، بچوں کی آنکھوں میں موتیوں کے خزانے ہوتے ہیں جو رونے سے مٹی میں مل جاتے ہیں۔ اب نہیں رونا بس شام تک تیری اماں ایک پیاری سی گڑیا لے کر آ جائے گی۔"

"اس گڑیا کی آنکھوں میں بھی موتی ہوں گے؟"

"ہاں کیوں نہیں؟ اب جاؤ تم اور سوہنی کھیلو میں روٹی ڈال دوں۔"

میں اور سوہنی گلی میں لگے پیپل کے گھنے پیڑ کے نیچے آ بیٹھے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"سوہنی میری آنکھوں میں موتی نظر آتے ہیں کیا؟"

"ہاں .... آپ ...." وہ میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ "ہاں نظر تو آتے ہیں پر ...."

اسی وقت میں نے دور سے گاڑی آتے دیکھی اور سوہنی کی بات سنے بغیر بھاگ اٹھا۔ میرا خیال صحیح تھا۔ ابا اور اماں آ گئے تھے۔ ان کے ساتھ وہ پیاری سی پری بھی تھی جسے میں نے رات بھر خواب میں دیکھا تھا۔ ذرا سی دیر میں بہت سے لوگ ہمارے گھر جمع ہو گئے۔ ماسی اور سوہنی بھی آ گئی۔ میں تو اس گڑیا سی بہن کو دیکھ کر پاگل ہو گیا تھا۔ وہ دینو کی بہن سے بہت زیادہ پیاری تھی، نرم نرم سی۔ میں نے سب سے پہلے اس کی آنکھوں میں موتی دیکھنا چاہے مگر اس نے تو آنکھیں ہی نہ کھولیں۔

اماں کی طبیعت بہت خراب تھی۔ ابا کام پر جاتا تھا مگر بہت جلد آ جاتا تھا۔ ماسی میراں گھر کا سارا کام کرتی تھی۔ روٹی اور سبزیاں بھی وہی پکاتی تھی۔ میں اور سوہنی سارا دن اس پیاری سی پری کو دیکھتے رہتے تھے پھر اماں نے بتایا اس پری کا نام صغرا ہے۔ اماں بہت دنوں تک بستر پر پڑی رہی۔ ابا بے حد پریشان رہتا تھا۔ اس بار زمیندار کا قرضہ بہت زیادہ ہو گیا تھا اور اماں کی حالت ٹھیک نہ تھی اس لئے وہ کام پر جانے کے قابل بھی نہ تھی بلکہ اسے ابھی دوا کی ضرورت تھی اور زمیندار نے مزید قرض دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ باتیں مجھے اس وقت پتا چلیں جب ابا اماں کو بتا رہا تھا۔

"ابا......... میں بڑا ہو جاؤں گا تو سب لوٹا دوں گا زمیندار کو۔" میں نے ایک دم کہا تو ابا چونک اٹھا۔ "نہ پتر ڈرانے والی باتیں نہ کر، اللہ نہ کرے کہ میں قرض چھوڑ کر مروں اور تو اس خوفناک رسی میں جکڑا جائے۔ بس کچھ روز تک میرے ساتھ کام کر پھر ہم قرضہ چکا کر شہر چلیں گے، وہاں میں کوئی اچھا سا کام کر لوں گا پھر ہم بھی چین سے زندگی گزاریں گے۔"

مگر چین سے زندگی گزارنے کی خواہش ایک ایسا خواب تھی جس کی تعبیر الٹی ہوتی ہے۔ اماں کا علاج زمیندار ہی نے کروایا اور یوں رسی کے بل سانپ کی سی گرفت اختیار کرتے چلے گئے۔

میں تھوڑا سا بڑا ہوا تو ابا کے ساتھ مردانے میں کام کرنے لگا اور اماں صغرا کی انگلی

پکڑے حویلی کے گیٹ میں گم ہونے لگی۔ اب دو پٹی کے سفید چپل زمیندارنی صغرا کو دیا کرتی تھی اور میں اتنا ہی خوش ہوتا جتنا پہلے ہوتا تھا۔

مردانے میں بہت کام ہوتا تھا۔ ابا تھک جاتا تھا۔ وہاں آنے والے مہمانوں کو ناشتہ کرانے سے لے کر رات کو ان کی ٹانگیں دبانے تک ابا دہرا ہو جاتا تھا۔ میں بھی پھرکی بنا رہتا تھا۔ کبھی حویلی سے پانی کا جگ لاؤ، کبھی روٹی اور بھاجی لاؤ کبھی حقہ گرم کر کے لاؤ اور کبھی قریب کی دکان سے سگریٹ، لیکن اس طرح ابا کو فائدہ ہو گیا تھا۔ میں چھوٹا تھا، اتنا کام کرتا تو آئے گئے لوگ میری مٹھی میں روپیہ دو روپیہ رکھ دیا کرتے تھے۔ اکثر کھانے کی چیزیں بھی دے دیا کرتے تھے۔ میں وہ سارے پیسے ابا کو دے دیتا۔ اماں ابا کی کمائی تو زمیندار کاٹ لیا کرتا تھا قرضے میں، رات کی روٹی اماں حویلی سے لے آتی، میرے ہاتھ میں آنے والے یا ابا کو مہمانوں سے ملنے والے پیسے صاف بچ جاتے تھے جو ہمارے دوسری انتہائی ضروریات کے کام آتے۔ اماں ان پیسوں میں سے بھی کچھ نہ کچھ بچا لیا کرتی تھی۔

دن یونہی گزرتے رہے۔ راجو نے بیٹھنا شروع کر دیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ سرکنے، چلنے اور پھر بھاگنے لگا۔ زمیندار جب راجو کو مردانے میں لاتا تو مہمانوں کو دکھانے اور خود پیار کرنے کے بعد مجھے دے دیا کرتا تھا۔ میں اسے بہلاتا اور اس کو دی جانے والی چیزیں چپکے چپکے کھا جاتا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

رفتہ رفتہ راجو کے سب کام میرے ذمے ہو گئے۔ اس کے کپڑے دھونا، جوتے صاف کرنا، اس کے سر میں تیل کی مالش کرنا، نہانے سے پہلے بدن پر تیل ملنا۔ کام زیادہ ہوئے تو زمیندار نے میری پگار بھی مقرر کر دی۔ اس روز میں بہت خوش ہوا، میری پگار مجھے تو نہیں ملنا تھی، مگر اس طرح قرضہ جلدی اتر جاتا اور میں ابا اور اماں کے خوابوں کی تعبیر تلاش کرنے نکل سکتا تھا۔

پھر راجو کے چھوٹے چھوٹے جوتے حویلی کے کباڑخانے میں ڈھیر ہوتے گئے اور اس کی چارپائی کی لمبائی بڑھ گئی تو مجھ وقت کے گزرنے کا احساس ہونے لگا۔ میرے ہاتھ پاؤں بھی بڑے بڑے ہو گئے تھے۔ میں نے ہمیشہ راجو کے پرانے جوتے اور کپڑے استعمال کئے تھے ہمیشہ انہیں پہن کر خوش ہوا تھا مگر اب جب بھی راجو مجھے اپنے پرانے کپڑے یا جوتے دیتا تو میں افسردہ ہو جاتا تھا۔ جی چاہتا کہ میں دکان سے نیا کپڑا لے کر کونے پر بیٹھے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

درزی سے سلوا کر پہنوں مگر رسّی کے بل ابھی کھلے نہ تھے۔

صغرا چادر اوڑھ کر باہر نکلنے لگی تو اچانک میری سوچ کا انداز بدل گیا۔

"اماں کل سے صغرا تیرے ساتھ حویلی نہیں جائے گی۔" میں نے رات کو کھانا کھاتے ہوئے کہا تو اماں چونک اٹھی۔

"کیوں بھاء جی؟" صغرا نے ابا کے بستر پر رضائی ڈالتے ہوئے پوچھا۔

ابا کی آنکھوں میں چمک کے ساتھ ساتھ خوف بھی تھا اور اماں حیران نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"بس میں نے کہا جو......... تُو اب وہاں نہیں جائے گی۔ گھر میں رہا کر۔" میں نے نگاہیں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"پاگل ہوا ہے کیا؟" اماں نے سر جھٹک کر کہا۔ "زمیندارنی کو کیا جواب دوں گی اور ابھی تو قرضہ........."

"بس بس........." میں نے اماں کی بات کاٹ دی۔ "قرض میں چکا دوں گا"۔ یہ کہہ کر میں نے برتن چولھے کے پاس رکھے اور کُلی کر کے ہاتھ پونچھتا ہوا ابا کی چارپائی پر جا بیٹھا۔ "میں ٹھیک کہتا ہوں نا ابا؟" میں نے ابا سے پوچھا' جو آسمان پر تیرتی بدلی کو حسرت سے دیکھ رہا تھا۔

"ہوں......... پر بیٹا کچھ دن کی تو بات ہے۔ پھر میں صغرا ہی کو نہیں تیری ماں کو بھی منع کر دوں گا' بس ہم دونوں کمائیں گے۔"

"مگر ابا........."

"بیٹا میں ابھی زندہ ہوں۔ تجھ سے زیادہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہوں کہ صغرا بڑی ہو گئی ہے پر اسے یہاں اکیلے گھر میں چھوڑنا بھی تو ٹھیک نہیں ہے نا؟"

ابا ٹھیک کہہ رہا تھا۔ یہ بات تو میں نے سوچی ہی نہیں تھی۔ میں خاموش ہو گیا۔

صبح صغرا نے مجھے چائے کا پیالہ دیتے ہوئے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "بھاء جی......... میں اماں کے ساتھ.........؟"

"صغرا تجھے اچھا لگتا ہے ان موٹی موٹی عورتوں کی خدمت کرنا جو ہم سب کا خون پی رہی ہیں؟"

"اچھا کسے لگتا ہے بھاء جی پر یہاں سارا دن کیا کروں گی۔ سب ہی تو چلے جاتے ہیں۔" اس نے منہ پھلا کر کہا تو مجھے اس پر پیار آ گیا۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے مگر وہاں زیادہ دل نہ لگانا......... مہینے دو مہینے بعد تجھے گھر پر بٹھا دوں گا سمجھیں!" اور صغرا خاموش ہو گئی۔

☆=========☆=========☆

اس روز راجو اپنے اسکول سے واپس آیا تو اس کے ساتھ کچھ مہمان لڑکے بھی تھے۔ راجو دسویں کا امتحان دے رہا تھا۔ حویلی کے پچھلے حصے میں راجو کا ایک کمرا تھا جس میں کتابیں اور میز کرسی رکھے تھے اسے وہ لوگ اسٹڈی روم کہتے تھے۔ وہ اپنے مہمانوں کے ساتھ اس اسٹڈی روم میں چلا گیا۔

چلتے چلتے مجھے گلاس اور برف لانے کو کہہ دیا۔ میں حویلی سے گلاس اور برف لے گیا۔ کمرے میں پہنچا تو اس کے ہاتھ میں شراب کی اتنی بڑی بوتل دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ وہ سب کے سب اونچے قہقہے لگا رہے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سارے گلاس بھرے اور میرے سامنے ہی شراب پینے لگے۔ میں حیرت سے سب کو دیکھ رہا تھا۔ ان لڑکوں کی عمر ایسی نہیں تھی کہ یہ شراب پیتے' وہ لوگ تو امتحان دے رہے تھے انہیں تو پڑھنا چاہئے تھا۔ میں حیران کھڑا یہ سب سوچ رہا تھا کہ اچانک راجو کی نظر مجھ پر پڑی

"اے......... کیا کھڑا ٹُکر ٹُکر دیکھ رہا ہے۔ باہر جا کر بیٹھ' اور دیکھ ہم سب پڑھ رہے ہیں سمجھے ہمارا امتحان ہے نا اس لئے۔" اس نے مجھے آنکھ مار کر کہا اور سب لڑکے مجھے دیکھ کر ہنس پڑے۔ "خبردار اس طرف کوئی نہ آئے۔"

میں چپ چاپ باہر آ گیا۔ خوف نے میری زبان گنگ کر دی تھی۔ میں جانتا تھا کہ زمیندار کو اگر پتا چل گیا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے تو قیامت آ جائے گی۔ راجو سے بے انتہا پیار کرنے کے باوجود وہ یہ برداشت نہیں کرے گا کہ سترہ سالہ راجو شرابی بن جائے۔ اس کو تو اپنے اکلوتے بیٹے سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں۔ میں نے اکثر زمیندار کو مہمانوں سے کہتے سنا تھا کہ کچھ بھی ہو' میں نے اتنا لاڈ نہیں کیا کہ میرا بیٹا بگڑ جائے وہ ایسے ویسے چکروں میں بالکل نہیں ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اب اگر اسے معلوم ہو جاتا تو قیامت تو آنا ہی تھی۔ راجو کے ساتھ ساتھ میری بھی کھال اکھیڑ دی جاتی۔ سچ تو یہی ہے کہ مجھے اپنی زیادہ فکر تھی۔ راجو کا کیا ہے مار پڑتی بھی تو دوسرے لمحے پیار امنڈ آتا اور بڑے سے بڑا ڈاکٹر بلا لیا جاتا' پھلوں کا رس اور مرغی کی یخنی دو دن میں اس کی طاقت بحال کر دیتی' مگر میں .... میں تو اگلے روز کی چھٹی بھی نہ کر پاتا۔

وہ دن تو جیسے تیسے گزر گیا۔ راجو کے مہمان رات گئے اپنی کار میں بیٹھ کر چلے گئے' راجو وہیں زمین پر لڑھک کر سو گیا اور میں ساری رات پہرہ دیتا رہا۔ باہر ایک کرسی پر بیٹھے بیٹھے میرا جسم اکڑ گیا۔ نیند سے سر اور آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں مگر میں سو نہیں سکتا تھا۔ رات کو اگر کوئی اس طرف آ جاتا تو غضب ہو جاتا۔ راجو کے حکم کے مطابق میں نے حویلی میں کہہ دیا تھا کہ راجو آج اسٹڈی روم ہی میں سوئے گا اس لئے کوئی اسے دیکھنے بھی نہ آیا۔

صبح جب راجو کی آنکھ کھلی اور وہ باہر آیا تو اس نے مجھے اسی طرح بیٹھا پایا جیسا اس نے رات کو دیکھا تھا۔ اس نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اندر گویا بھونچال آیا ہوا تھا۔ کتابیں کہیں پڑی تھیں اور گلاس کہیں۔

"بالے' یہاں کی صفائی کر دو' اور یہ لو.........." اس نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر میری مٹھی میں دبا دیا۔ نوٹ دیکھتے ہی یک لخت میری ساری تھکن' نیند اور کسلمندی غائب ہو گئی۔ میں نے راجو کا شکریہ ادا کیا اور جلدی جلدی چیزیں سمیٹنے لگا۔

☆==========☆==========☆

زمیندار کا جتنا اپنے بیٹے پر گھمنڈ بڑھ رہا تھا اتنا ہی راجو تاریک راہوں کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے کئی مرتبہ راجو کو سمجھانے کی کوشش کی مگر مسئلہ یہ تھا کہ میں اس کا رازدار ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا ملازم بھی تھا اور کسی ملازم کی نصیحت سننا ان کے لئے تذلیل کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ میں نے شروع شروع میں کوشش کی پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

اب میری آمدنی زیادہ ہو گئی تھی۔ مجھے راجو اچھی خاصی رقم دے دیا کرتا تھا۔ خدا گواہ ہے میں نے اس رقم کو کبھی خود پر یا اپنے گھر والوں پر خرچ نہ کیا۔ وہ ساری رقم

قرضے میں دے دیتا تھا۔ زمیندار حیران تھا کہ اتنی تیزی سے قرضہ کیسے اتار رہا ہوں۔ ظاہر ہے قرضہ اتر جانے کا مطلب تھا ہم سب کی آزادی اور ہماری آزادی زمیندار کی آزادی اور حاکمیت کے لئے خطرہ تھی۔

جس روز میں نے زمیندار کو قرضے کی آخری قسط دے کر اماں اور صغرا کی آزادی مانگی' اس روز اس کی آنکھوں میں شعلے سے لپک گئے مگر اس نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ رقم لے کر اسے گنا' منشی کو بلا کر حساب مانگا' اور رقم پوری ہونے پر بولا۔ "ٹھیک ہے بالے.......... اب تیری مرضی ہے کہ تو اماں اور صغرا کو بھیجے یا نہیں مگر تو گھر کا خرچ کیسے چلائے گا؟"

"چوہدری جی' اللہ کرے گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب تو ابا بھی بہت بوڑھا ہو گیا ہے میں سوچتا ہوں شہر جا کر کہیں مزدوری کر لوں گا۔ ابا کے پھیپھڑے بھی خراب ہو گئے ہیں' اس کا علاج بھی کرا لوں گا۔"

پھر تو مجھے اپنے چاروں طرف شعلے ہی اٹھتے محسوس ہوئے۔ مجھے لگا کہ میں زیادہ دیر کھڑا رہا تو وہ مجھے جلا کر بھسم کر دے گا۔ میں الٹے قدموں واپس آ گیا۔ زمیندار کی بڑی بڑی گہری آنکھیں مسلسل مجھے اپنی پشت پر سرسراتی محسوس ہوئیں۔ میرا دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔ حویلی سے دور نکل آیا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ پیاس سے میری زبان پر کانٹے اگ آئے تھے۔ میں دائیں طرف ڈھلوان سے اترتا ہوا نہر پر پہنچ گیا۔

نہر پر سوہنی اور صغرا پانی بھر رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر صغرا بھاگتی ہوئی میرے قریب آ گئی۔

"کیا ہوا بھاء جی؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ وہ جانتی تھی کہ آج میں اس کی اور ماں کی آزادی مانگنے گیا ہوں۔ آج میں نے اماں اور صغرا دونوں کو حویلی جانے سے روک دیا تھا۔

"مجھے پیاس لگی ہے۔" میں نے سوہنی کی طرف دیکھتے کہا۔

سوہنی مجھے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جانے کیا بات تھی کہ میرا دل آہستہ سے دھڑک اٹھا' لمحے بھر کو دھڑکن ٹھہری اور پھر چل پڑی۔ لگا جیسے میرے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سینے میں کچھ ہوا ہے۔ کوئی ایسی بات جس سے میں انجان تھا۔

"بالے.........." صغرا نے میری آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

میں اور سوہنی دونوں ہی چونک اٹھے۔

"کیا ہو گیا تمہیں بھاء جی؟ ارے یہ سوہنی ہے کیا پہچانا نہیں؟"

"نہیں.......... میں جانتا ہوں پر ایک دم اتنی بڑی کیسے ہو گئی؟" میں نے بات بنائی ورنہ جی تو یہی چاہا تھا کہ کہہ دوں۔ "آج ہی تو پہچانا ہے اسے۔" مگر میں دل کی بات نہ کہہ سکا۔

"لے بالے پانی تو پی لے۔" اس نے پانی سے بھرا مٹکا آگے بڑھایا' میں نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر پیالہ بنایا اور منہ سے لگا لیا۔ میں جانے کتنی دیر تک پانی پیتا رہا' میری آنکھیں سوہنی کے سنہرے پیروں سے لپٹ کر رہ گئی تھیں اور پیاس بجھنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔

"بھاء جی.......... بس کر مر جائے گا پانی پی پی کر.........." صغرا نے جھٹکے سے مجھے کھینچ لیا۔

"اتنا پیاسا تھا تُو؟" سوہنی نے مجھے حیرت سے دیکھا۔

مجھے یوں لگا جیسے میں جلتی دھوپ میں کسی پتھریلے علاقے میں اُگا کیکر کا درخت ہوں' جو اتنے بہت سے پانی کے بعد بھی سوکھا کا سوکھا رہ گیا ہو۔

"تم نے بتایا نہیں بھاء جی.......... کیا ہوا؟" صغرا نے مجھے چونکا دیا۔

"میں نے قرضہ اتار دیا صغرا' اب تجھے اور اماں کو حویلی جانے کی ضرورت نہیں۔"

"ہائے سچی؟" وہ اچھل پڑی۔

"ہاں اور تُو گھر جا میں تھوڑی دیر میں گھر آتا ہوں۔ ابا آئے تو اسے روک لینا۔"

"ابا تو کب کا آ گیا۔ اسے بہت زور کی کھانسی اٹھی تھی' اور ہاں بھاء جی اسے کھانسی کے ساتھ خون بھی آیا تھا۔ تُو حکیم جی سے دوا لیتا آ۔"

میں ابا کے بارے میں سن کر پریشان ہو گیا تھا۔ میں ویسے بھی بازار جا رہا تھا۔ اب تو حکیم کے پاس جانا بھی ضروری ہو گیا تھا۔

سوہنی اور صغرا گھر کی طرف چلی گئیں تو میں بازار چلا گیا۔ میں نے گھر کے لئے گوشت خریدا' اماں گاجر گوشت بہت اچھا پکاتی تھی۔ اب تک گھر میں پکنے کی نوبت تو نہ آئی تھی مگر حویلی میں پکایا ہوا گاجر گوشت مجھے اور ابا کو بہت پسند تھا۔ میں کھانے کے لئے چیزیں خرید کر حکیم صاحب کے پاس چلا گیا' انہوں نے دوا دی اور ابا کو لانے کے لئے کہا۔

میرے پاس اب بھی تقریباً ساٹھ روپے بچے ہوئے تھے۔ ساٹھ روپے اُس وقت بہت ہوتے تھے' میں نے صغرا کے لئے رولڈ گولڈ کے جھمکے لئے اور سوہنی کے لئے پازیب۔

یہ خریدنے کے بعد میں بہت دیر تک سوچتا رہا کہ میں نے سوہنی کے لئے پازیب کیوں خریدے اور میں اسے کس طرح دوں گا۔ اسی سوچ میں گم میں نے اماں کے لئے چھینٹ کا کپڑا خریدا اور ابا کے لئے دھوتی بھی خرید لی اور گھر کی طرف چل پڑا۔

گھر میں داخل ہوا تو ہر شخص کو میرا انتظار تھا۔ اماں تو دروازے سے لگی کھڑی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' میں نے پہلی بار اس کی پلکوں پر ٹھہر جانے والے قطروں کو یوں برستے دیکھا تھا۔ آج تو وہ آزاد تھی نا.......... آج تو وہ کھل کر آنسو بھی بہا سکتی تھی وہ مجھ سے لپٹ گئی۔

"ارے میرا جوان.......... میرے گھر کا رکھوالا آ گیا۔" ابا نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اری اندر تو آنے دے۔ کیوں بدشگونی کرتی ہے۔" وہ چیخا۔

اسی وقت میری نظر اس کونے میں پڑی جہاں چوکھا رکھا تھا اور جس میں لکڑیاں سلگ رہی تھیں' سوہنی پیڑھی ڈالے بیٹھی تھی۔

اماں مجھے لئے ہوئے اندر آ گئی۔ آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔

"اماں روؤ نہیں' دیکھ تو تیری آنکھوں کے سارے موتی گر گئے۔" میں نے کن انکھیوں سے سوہنی کی طرف دیکھتے ہوئے زور سے کہا۔

سوہنی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ سر جھکا کر پیر کے ناخن کریدنے لگی۔ صغرا پاس کھڑی' بڑے پیار سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے ہاتھ میں پکڑا تھیلا اسے دے دیا' گھر میں داخل ہونے سے پہلے میں نے پازیب نکال کر اپنی واسکٹ میں رکھ لی تھی۔ "اس میں سے سامان نکال لے۔" میں نے صغرا سے کہا۔

"ہائے کیا ہے.......... کیا لایا ہے؟" صغرا نے لپک کر تھیلا لیتے ہوئے پوچھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ادھر دے.........." اماں نے تھیلا صغرا کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور ابا کی چارپائی کے قریب بچھی چٹائی پر بیٹھ گئی۔ میں بھی ابا کی چارپائی پر جا بیٹھا۔ صغرا میرے قریب کھڑی تھی' اس کی بے چین نگاہیں اس تھیلے پر لگی ہوئی تھیں جس کی گرہ اماں کھول رہی تھی۔

"چل جا کے بھائی کے لئے چائے بنا دے' اس میں جو کچھ بھی ہے وہ باہر نکل آئے گا۔ تُو کیوں پریشان ہوتی ہے۔ دیکھ لینا بعد میں۔" ابا نے صغرا سے کہا۔ پھر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "بیٹا کیا تُو قرض پورا کر آیا.......... صغرا بتا رہی تھی کہ ...."

"ہاں ابا۔ میں نے زمیندار سے یہ بھی کہہ دیا کہ اب اماں اور صغرا حویلی نہیں جائیں گی اور میں سب کو لے کر شہر چلا جاؤں گا۔ تیرا علاج بھی کرانا ہے۔"

ابا نے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا۔ "تو .... تُو نے یہ سب کہہ دیا؟" اس کی خوف میں لپٹی ہوئی آواز آئی۔

"ہاں.......... کہہ دیا۔"

"مگر پُتر تُو اسے نہیں جانتا.......... وہ شیطان ہے شیطان' یہ تُو نے اچھا نہیں کیا۔ اچھا پھر.......... وہ کیا بولا؟"

"کچھ نہیں' کیا بولتا؟ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے کوئی جرم تو نہیں کیا' اور اب ہم اس کے غلام تو نہیں رہے۔ ہاں جب تک ہم گاؤں میں ہیں اس کے پاس کام کروں گا' جب شہر جانے کی تیاریاں ہو جائیں گی تو چھوڑ دوں گا۔"

"کچھ بھی نہیں بولا؟" اماں نے حیرت سے پوچھا۔ "اللہ خیر کرے۔"

میں نے اماں کو تسلی دی مگر اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ ابا پر بھی خاموشی چھا گئی تھی میں گھبرا سا گیا' سناٹا ایسا تھا جیسے طوفان آنے والا ہو۔

شام گہری ہو گئی مگر سوہنی اب تک یہیں پر تھی۔ مجھے حیرت ہوئی اور میں نے بات بدلنے کو اس سے ماسی میراں کی خیریت پوچھی۔

"وہ ساتھ والے گاؤں گئی ہے۔ میری ماسی کی طبیعت خراب ہے نا.......... سویرے آ جائے گی۔" سوہنی نے دھیمے لہجے جواب دیا۔

"تُو اکیلی رہے گی کیا؟" مجھے حیرت ہوئی۔

"نہیں بھاء جی' ماسی سوہنی کو ہمارے پاس چھوڑ گئی ہے۔ یہ میرے ساتھ رہے

گی۔" صغرا نے جواب دیا۔ اور مجھے یوں لگا جیسے میری قسمت کے سارے در آج ہی کھل گئے ہوں۔ یہ سوچ کر ہی میں خوش ہو گیا کہ سوہنی سویرے تک مجھ سے قریب رہے گی۔ ایک ہی چھت کے نیچے۔ ایک دیوار کے پیچھے' صغرا اور اماں ساتھ والے کمرے میں سوتی تھیں اور میں ابا اور اس کمرے میں۔

صغرا چائے کا پیالہ لے آئی۔ "بھاء جی' اماں تو تھیلا کھولنا بھول گئی۔ تم کھولو نا؟"

"ارے اماں تھیلا نہیں کھولا تم نے .... لاؤ مجھے دو۔"

اماں نے چونک کر تھیلا کھول دیا۔ جھمکے دیکھ کر صغرا جھوم اٹھی۔ زندگی میں پہلی بار اس کے لئے کوئی نئی چیز خریدی گئی تھی۔ اماں کے چہرے پر اچانک روشنی سی چھا گئی۔ چھینٹ کا کپڑا اور دھوتی دیکھ کر اس نے میری بلائیں لے لیں۔ جہاں ذرا دیر پہلے سناٹا تھا وہاں اچانک مسکراہٹیں بول اٹھیں۔ ابا بھی کِھل اٹھا تھا۔

میں نے سوہنی کی طرف دیکھا جو حسرت سے صغرا کو جھمکے پہنتے دیکھ رہی تھی۔ میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ اسے تو گمان بھی نہ ہو گا کہ میں اس کے لئے پائل لایا ہوں۔ میں نے سوچا اور نگاہیں اس کے گدرائے ہوئے پیروں پر جما دیں۔ ان پیروں میں پائل کتنی پیاری لگے گی۔

"چائے پی پُتر' ٹھنڈی ہو جائے گی۔" ابا کی بات سن کر میں چونک اٹھا۔

اماں فوراً ہی چولھے کے پاس جا بیٹھی۔ وہ بڑے چاؤ سے گاجر کا گوشت پکا رہی تھی۔ میں ابا کے پاس ہی دیوار سے کمر ٹکا کر بیٹھ گیا۔

ہم شہر جانے کا پروگرام بنانے لگے۔ ابا مُصر تھا کہ پہلے تُو چلا جا۔ میں کچھ اور دنوں تک زمیندار کے پاس کماتا رہوں گا پھر جب تُو کام پر لگ جائے اور رہنے کا ٹھکانا بنا لے تو پھر ہم بھی آ جائیں گے' مگر میں تو اس کا علاج کرانا چاہتا تھا۔ ایسی حالت میں اگر وہ زمیندار کی خدمت کرتا رہے گا تو کیا ہو گا۔ میں نے اسے کہا بھی مگر بات اس کی بھی ٹھیک تھی۔ صغرا اور اماں کو اکیلا چھوڑنا' پھر بغیر ٹھکانے کے شہر نکل جانا بھی بے وقوفی تھی۔ میں نے ابا کو بتایا کہ میرے پاس ساٹھ روپے ہیں جو میرے لئے کافی ہیں' ابا مطمئن ہو گیا۔ ہم بہت دیر تک روشن مستقبل کی باتیں کرتے رہے۔

گھنٹے بھر بعد ہی اماں نے کھانا تیار کر لیا۔ ہم سب نے مل کر کھانا کھایا۔ آج ایسا لگ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رہا تھا جیسے میں بادل ہوں' ہلکا پھلکا' کھلے آسمان میں تیرتا ہوا۔ کھانا کھا کر اماں برتن دھونے چلی گئی' صغرا بستر لگانے لگی۔ میں آنگن میں کھڑا چاند دیکھ رہا تھا کہ سوہنی آ گئی۔ وہ شاید گھر جا رہی تھی۔ دروازے پر پہنچی تو میں نے آواز دے لی۔

"کہاں جا رہی ہے؟"

"یہ تالا ڈال دوں در میں۔" اس نے مٹھی میں پکڑے تالے کو دیکھا۔

"بالے' اس کے ساتھ چلا جا۔ ایک رضائی بھی لے آنا' سویرے سویرے ٹھنڈ ہو جاتی ہے اور یہ کہتی ہے چادر اوڑھ کر سو جاؤں گی۔ جھلی کہیں کی۔" اماں نے وہیں سے آواز دے کر کہا۔

میں نے موقع غنیمت جانا اور اس کے ہاتھ سے تالا لے کر باہر نکل آیا۔

"پھر تُو چلا جا۔" سوہنی نے جھجک کر کہا۔

"ہوں تاکہ لوگ مجھے چور سمجھیں .... اور مجھے کیا پتا کہ رضائی کہاں رکھی ہے۔ میں اندر نہیں جاؤں گا۔ ہاں .... ساتھ چل۔" وہ مجھے دیکھتی ہوئی باہر آ گئی۔

اس کا گھر چند قدم ہی دور تھا۔ وہ خاموشی سے تیز قدموں سے چلتی ہوئی دروازے تک پہنچ گئی اور کنڈی کھول کر چھپاک سے اندر گھس گئی۔ میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کس طرح بات کروں۔ میں نے جیب میں پڑی پائل کو چھوا اور خود کو ہمت دلائی۔

اتنی دیر میں سوہنی رضائی لے آئی۔ میں کھلے دروازے میں کھڑا تھا۔

"ہٹ نا .... رستہ دے۔"

"سوہنی .... میں .... تیرے لئے یہ لایا ہوں۔" میں نے پائل نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

اس نے حیرت سے میرے ہاتھ میں بجتی ہوئی پائل کو دیکھا جو چاند کی روشنی میں اس کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھی۔

"میرے لئے .... کیوں؟"

"پتا نہیں .... بس تُو جلدی سے اسے چھپا دے۔ گھر میں رکھ دے۔"

"مگر اماں .... وہ پوچھے گی تو؟"

اور میں نے گھبرا کر پائل واپس جیب میں رکھ لی۔ "اچھا .... پھر چل ...."

میں اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ "بالے .... یہ پائل تُو صغرا کو دے دے نا!"

"نہیں .... میں تیرے لئے لایا ہوں۔ اسے کیوں دے دوں۔"

"نہیں .... تُو صغرا کو دے دے پھر وہ مجھے دے دے گی۔" اس نے جھجک کر کہا۔

میں یہ ترکیب سن کر اچھل پڑا۔ "ہاں یہ ٹھیک ہے۔" پھر میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "تُو اسے پہنے گی نا؟"

اس نے شرما کر سر جھکا لیا۔ میری ہمت بڑھی۔

"اور .... اور جب پہنے گی تو مجھے یاد بھی کرے گی؟"

اس نے لمحہ بھر کو مجھے دیکھا اور رفتار تیز کر دی۔

"آہستہ چل سوہنی۔ دیکھ میں شہر جا رہا ہوں نا پھر تو تجھ سے بات بھی نہیں کر سکتا۔ بس اتنا بتا دے کہ .... تُو ...."

"بالے .... تجھے کیا ہو گیا ہے۔ آج دن میں بھی تُو .... جب پانی پی رہا تھا تو ...."

"پتا نہیں کیا ہو گیا ہے' بس کچھ ہو گیا ہے۔ تُو بتا مجھے یاد کرے گی؟"

وہ خاموش رہی' گھر قریب آ گیا۔ دروازے کی چوکھٹ پر رک کر اس نے میری آنکھوں کی طرف دیکھا۔

"میں تو .... اب بھی یاد کرتی ہوں۔ تب تو بہت یاد کروں گی۔" اس نے سرگوشی میں کہا اور پھر چھپاک سے اندر گھس گئی۔

میرا جی چاہا کہ میں خوشی سے ناچنے لگوں۔ آج کا دن میرے لئے خوشیوں کا طوفان ساتھ لایا تھا۔ اتنی خوشیاں کہ مجھ سے سنبھالی بھی نہیں جا رہی تھیں۔ اگر اماں نے آواز نہ دے لی ہوتی تو شاید میں وہیں کھڑا آسمان پر اڑتی بدلیوں کو دیکھتا رہتا۔

اس رات میں دیر تک جاگتا رہا۔ دیوار کے اس پار سے مجھے سوہنی اور صغرا کے ہنسنے کی آواز سونے ہی نہیں دے رہی تھی۔ اماں اور ابا سو چکے تھے۔ میں دبے پاؤں آنگن میں نکل آیا۔ میں نے صغرا کے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر صغرا کو اشارہ کیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"چھی............ شیت............"

"کیا ہے؟" صغرا نے آنکھیں مٹکا کر آہستہ سے کہا۔

میں نے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ نخرا کرتی ہوئی باہر آ گئی۔

"تم لوگ سوتی کیوں نہیں؟" میں نے مصنوعی غصے سے پوچھا۔

"تم کیوں نہیں سوتے؟" اس نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

میں گڑ بڑا گیا۔ "اچھا سن............ دیکھ ایک وعدہ کر............"

"کیسا وعدہ؟"

"یہ کہ میری بات کسی کو نہیں بتائے گی۔"

"کون سی بات............ کیا تمہاری بھی کوئی بات ہے؟"

"تمہاری بھی کیا مطلب؟"

"ابھی ابھی سوہنی بھی یہی کہہ رہی تھی۔ اس نے بات پوری نہیں کی تھی کہ تم آ گئے۔ آخر چکر کیا ہے؟" اس نے میری آنکھوں کے آگے ہاتھ نچاتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں اچانک شرارت ناچنے لگی۔

"اچھا اچھا اب زیادہ جاسوسی نہ کر............ دیکھ صغرا' میں نے آج سوہنی کو تیرے ساتھ دیکھا تھا نا' پھر میں بازار چلا گیا تھا۔ تیرے لئے جھمکے خریدے تو............ مجھے اس بے چاری پر بھی ترس آ گیا۔ میں نے اس کے لئے بھی یہ پائل خرید لی۔ اب اسے سب کے سامنے دیتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔ تو اسے دے دے۔" میں نے جیب سے پائل نکال کر صغرا کی طرف بڑھا دی۔

"ہائے میں مر گئی۔ اس کے لئے اتنی پیاری پائل اور میرے لئے سڑے ہوئے جھمکے اور تم کو اس پر ترس آ گیا تھا یا............؟"

میں اسے مارنے لپکا مگر وہ بھاگ کر کمرے میں چلی گئی۔

پائل صغرا کو دے کر وہ اضطراب کم ہو گیا جو میں کچھ لمحوں پہلے محسوس کر رہا تھا۔

میں دبے پاؤں واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔

اچانک تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ کھڑکی کے پٹ بولے تو ابا اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ "کون

ہے............ کون............؟"

"کوئی نہیں ابا............ ہوا ہے۔" میں نے اٹھ کر کھڑکی بند کرتے ہوئے جواب دیا۔

میری نگاہ باہر آسمان پر پڑی تو میں حیران رہ گیا۔ جہاں کچھ دیر پہلے چاند چمک رہا تھا وہاں اب گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور بجلی کوند رہی تھی۔ "شاید برسات ہو گی۔" میں بڑبڑایا۔

"برسات............ یہ موسم تو نہیں برسات کا............ اگر برسات ہو گئی تو غضب ہو جائے گا کھڑی فصلیں تباہ ہو جائیں گی۔" ابا نے رضائی کو اپنے گرد لپیٹتے ہوئے کہا۔ ہواؤں میں خنکی بڑھ گئی تھی۔

"ابا تیری کون سی فصل کھڑی ہے جو تو پریشان ہوتا ہے۔" میں پھر بستر پر آ بیٹھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے برسات شروع ہو گئی۔ ذرا سی دیر میں سب جل تھل ہو گیا۔ اماں اور صغرا وغیرہ بھی اٹھ گئے۔ اتنے شور میں نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ہم سب ابا کے کمرے میں بیٹھ گئے۔ تیز ہوائیں' ٹین کی چھتوں پر بوندوں کا شور اور دروازے کھڑکیوں کے بولتے ہوئے پٹ' عجیب سا شور تھا' خوفناک اور سہا دینے والا۔ اسی وقت گاڑی رکنے کی آواز نے ہم سب کو چونکا دیا۔ میں اور ابا ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اچانک کسی نے پوری طاقت سے دروازہ دھڑ دھڑایا۔ ہم سب ہی اچھل پڑے۔ صغرا اور سوہنی تو اچھل کر اماں سے لپٹ گئیں۔

میں دروازے کی طرف لپکا۔

"ایسے نہ پتر............ کوئی لاٹھی لے لے' کیا پتا کون ہو؟" ابا چلایا۔

میں نے کونے میں پڑی چارپائی کی پٹی اٹھائی اور بھیگتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

اماں ابا صغرا اور سوہنی کمرے کے دروازے پر کھڑی خوف سے دروازے کو تک رہی تھیں۔ "کون ہے؟"

"دروازہ کھولو۔" ایک کرخت آواز سنائی دی۔

"کون ہے نام بتاؤ۔" میں نے تیز آواز میں جواب دیا۔

"پولیس!" دوسری طرف سے گرج دار آواز کے ساتھ ہی کسی نے دروازے پر ٹھوکر ماری۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے پولیس کی جیپ کھڑی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی انسپکٹر نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ ”گرفتار کر لو اسے!“

میں بھونچکا کھڑا تھا۔ ابا اور اماں چیختے ہوئے بارش میں نکل آئے۔ صغرا آ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

”کیا کیا ہے اس نے.......... کیوں لے جا رہے ہو اسے؟“ اماں چیخ اٹھی۔

”چوہدری صاحب کے گھر چوری ہو گئی ہے۔“ انسپکٹر نے بڑی بڑی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے صغرا کی طرف دیکھا جو میرے سینے سے لپٹی کھڑی تھی۔

”چوری.......... پر یہ چور نہیں ہے۔“ ابا نے لرزتے ہوئے دروازے کے پٹ کو پکڑ لیا۔

”نہیں ہے تو بھی پتا چل جائے گا۔ اس وقت تو ہم گرفتار کر رہے ہیں‘ تفتیش ہو گی تو سب سامنے آ جائے گا۔ چل بے..........!“ انسپکٹر نے مجھے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

صغرا چیخ چیخ کر رونے لگی۔ اماں بھی تڑپ اٹھی تھی۔

انسپکٹر نے آگے بڑھ کر مجھے باہر کی طرف کھینچا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ چوہدری سے ہماری آزادی برداشت نہیں ہو سکی۔ اس نے میرے خلاف چال چلی ہے مگر میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے صغرا سے خود کو الگ کیا۔ اماں کو تسلی دی‘ ابا کی طرف دیکھا‘ اس کی آنکھوں میں تشویش تھی۔

میں نے پلٹ کر سوہنی کی طرف دیکھا وہ منہ پر ہاتھ رکھے بلک بلک کر رو رہی تھی۔

میں دھیرے سے اس کی طرف بڑھا۔ ایسا کرنے کے لئے مجھے انسپکٹر سے اپنا بازو چھڑانا پڑا جو اس نے کافی پس و پیش کے بعد چھوڑا۔

”نہ رو سوہنی.......... ورنہ سب موتی گر جائیں گے۔ یہ سب موتی میرے ہیں۔“ میں نے دھیرے سے کہا۔ وہ اور زور سے رونے لگی۔

اسی وقت مجھے انسپکٹر نے پکڑ کر کھینچ لیا۔ سب لوگ بارش میں بھیگ رہے تھے مگر کسی کو پروا نہ تھی۔ میں باہر آیا تو جیپ میں چوہدری صاحب خود بیٹھے تھے۔ اسے دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا جی چاہا کہ اس کی لمبی لمبی مونچھیں پکڑ کر اتنا کھینچوں کہ وہ اکھڑ کر میرے ہاتھ میں آ جائیں مگر میں اس وقت بے بس تھا۔

میں نے روتے ہوئے ہوئے گھر والوں پر آخری نگاہ ڈالی اور جیپ میں بیٹھ گیا۔

میں گھر والوں کو جس حالت میں چھوڑ کر آیا تھا وہ مجھے بے چین کئے ہوئے تھی۔

میں سوچ رہا تھا کہ خوشیاں کتنی ناپائیدار ہوتی ہیں۔ کچھ دیر پہلے ہم سب کس قدر خوش تھے مگر اب میں تیز بارش میں سنسان اور کچے رستے پر پولیس کی حراست میں تھانے جا رہا تھا۔ وہاں میرے ساتھ جو کچھ ہونا تھا میں اس سے خوب واقف تھا۔ میرا خون کھول رہا تھا مگر میں جانتا تھا کہ میرے کھولتے ہوئے خون سے مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اس لئے خود کو سنبھالنا بہت ضروری تھا۔ زمیندار اس علاقے کا بے تاج بادشاہ تھا اس کے سامنے میری کوئی حیثیت نہ تھی مجھے خود پر قابو رکھنا تھا۔

تھانے پہنچ کر جونہی زمیندار جیپ سے باہر آیا میں اس کے قدموں میں گر گیا۔

”چوہدری جی.......... میں نے تو آپ کی حویلی کے قریب سے کوئی سوکھا پتا بھی نہیں اٹھایا۔“

”چل بے.......... زیادہ ڈرامانہ کر‘ ابھی کھال میں بھس بھری جائے گی تو سب اُگل دے گا۔“ انسپکٹر نے میری کمر پر لات ماری‘ اس کے بوٹ کی نوک میری پسلی میں لگی اور میری آنکھوں میں رنگین تارے سے ناچ گئے۔

زمیندار بالکل خاموش تھا۔ انسپکٹر نے مجھے کونے میں کھڑا کر دیا اور خود سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”اب بول.......... چوری کا مال کہاں ہے؟“

”تھانے دار جی میں سچ کہتا ہوں میں نے چوری نہیں کی۔ آپ میری اور میرے گھر کی تلاشی لے لیں۔ میں چور نہیں ہوں۔“

پیچھے کھڑے سپاہی نے میری کمر پر ڈنڈا دے مارا۔ ”اوئے اتنا بول جتنا پوچھا جائے۔“

میں دہرا ہو گیا۔ ڈنڈا اسی جگہ پڑا تھا جہاں کچھ دیر پہلے انسپکٹر کے بوٹ کی نوک لگی تھی۔

”میں چلتا ہوں انسپکٹر.......... آپ اپنی کارروائی پوری کر لیں۔“ زمیندار نے اپنی مونچھوں کو بل دیتے ہوئے کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ٹھیک ہے جی آپ مطمئن رہیں۔ بہت جلد آپ کا سامان مل جائے گا۔ ہمارے لائق کوئی اور خدمت ہو تو بتائیں۔"

"بس شکریہ.......... میری یہ رقم مل جائے یہی کافی ہے۔" اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا اور میری طرف سرد نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں برف سی جمی محسوس ہوئی۔ وہ سارے شعلے سرد پڑ چکے تھے جو میں نے آخری مرتبہ اس کی آنکھوں میں لپکتے دیکھے تھے۔

میں پھر اس کے قدموں سے لپٹ گیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ چلا گیا تو میری شامت آ جائے گی۔ "چوہدری جی میرا اعتبار کریں جی.......... مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کی چوری نہیں کی مگر میں پھر بھی آپ کی پائی پائی چکانے کو تیار ہوں۔ مجھے یہاں چھوڑ کر نہ جائیں۔ مجھ پر رحم کریں چوہدری جی، میرے بوڑھے ماں باپ آپ کو دعائیں دیں گے، چوہدری جی.........."

"تم جانتے ہوں میں حساب کتاب کا بہت پکا ہوں۔ پائی پائی تو میں وصول کر ہی لوں گا مگر.......... میں اپنے گاؤں میں کسی چور کو برداشت نہیں کر سکتا تم یہاں ٹھیک ہو.......... تمہارے لئے یہی جگہ صحیح ہے۔" اس نے خوفناک مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور جھٹکے سے پیر میرے ہاتھ کی گرفت سے چھڑا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس کے جاتے ہی مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ گھونسوں اور لاتوں کی بارش ہو گئی مجھ پر۔ "سالے جس تھالی میں کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے۔ بدکردار، بے غیرت شرم نہیں آئی اس حویلی سے چوری کرتے سالے جہاں کے نمک سے تیرے اور تیرے گھر والوں کی ہڈیاں بنی ہیں۔ حرامزادے۔"

"مجھے گالی نہ دو انسپکٹر.........." اس نے پھر مجھ پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ میری ناک سے خون بہنے لگا، ہونٹ پھٹ گیا، چکر سے آ گئے مگر میں مضبوطی سے قدم جمائے کھڑا رہا۔ میرا سارا بدن نفرت سے سلگ اٹھا۔ یہ نفرت شاید میری آنکھوں سے ابل رہی تھی کیوں کہ انسپکٹر میری آنکھوں کو دیکھ کر پاگل ہو گیا، اندھا ہو گیا اور مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے میرے بدن کو چکی میں ڈال کر پیسا جا رہا ہو پھر آہستہ آہستہ مجھ پر غشی طاری ہو گئی اور مجھے ہوش نہ رہا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں لاک اپ میں ٹھنڈی زمین پر پڑا تھا۔ میری ناک اور ہونٹوں سے نکلنے والا خون زمین پر جم چکا تھا۔ میرے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے اور سارا بدن درد کر رہا تھا۔ میری ایک آنکھ بھی سوج گئی تھی۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی مگر کراہ کر رہ گیا، میرے بدن نے ہلنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے سر اٹھا کر دیکھا، سلاخوں کے اس طرف پڑے اسٹول پر ایک سپاہی اونگھ رہا تھا۔ میں نے آواز دینا چاہی مگر پپڑائے ہوئے ہونٹوں نے بھی کھلنے سے انکار کر دیا، شدید درد اٹھا تھا میں سسکاری لے کر رہ گیا۔

جانے کتنی دیر میں بے سدھ پڑا رہا، پیاس نے بے چین کیا ہوا تھا۔ میں نے ہمت کر کے زمین تھپتھپائی۔ آواز سن کر وہ سپاہی چوکنا ہو گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور بندوق کو میری جانب تان کر آگے آ گیا۔

میں نے اشارے سے اس سے پانی مانگا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا پھر دبے قدموں ایک طرف چلا گیا۔ کچھ دیر بعد آیا تو اس کے ہاتھ میں جگ تھا۔ اس نے مجھے سلاخوں کے قریب آنے کا اشارہ کیا، میں دکھتے ہوئے بدن کو گھسیٹتا ہوا سلاخوں کے قریب آ گیا۔ سپاہی خوفزدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ دوسرے سپاہیوں سے خوفزدہ ہے، ممکن ہے اسے منع کیا گیا ہو مگر وہ رحمدل آدمی تھا۔ میرے قریب آتے ہی اس نے جگ کو سلاخوں سے لگا دیا۔ میں نے منہ کھولا اور پانی کی دھار میرے منہ پر گرنے لگی۔ پانی پی کر میں کافی حد تک سنبھل گیا۔ سپاہی نے جلدی سے جگ واپس رکھ دیا اب وہ لاک اپ میں گرے ہوئے پانی کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"اسے صاف کر دے ورنہ تیرے ساتھ میرا بھی حشر ہو جائے گا۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

میں نے چاروں طرف دیکھا، کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے میں گرا ہوا پانی صاف کرتا۔ پھر اچانک میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی میں سرکتا ہوا اس پانی پر بیٹھ گیا اور بیٹھے بیٹھے زمین کو اپنے کپڑوں سے رگڑنے لگا۔ سپاہی کی آنکھوں میں اطمینان پھیل گیا۔ میرے سارے کپڑے گیلے ہو گئے تھے مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

اب میں کافی حد تک ہوش میں آ گیا تھا۔ میں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ لاک

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اپ کے سامنے لمبی راہداری تھی جس کے دونوں جانب کمرے بنے ہوئے تھے۔ دور کہیں سے ہنسنے اور باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ہلکی روشنی کا بلب جل رہا تھا جو اندھیرے کو ختم کرنے میں ناکام تھا۔ میں نے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ سوا تین بج رہے تھے تیز ہواؤں کے چلنے کی آواز کے ساتھ ساتھ بارش کی آواز آ رہی تھی۔ کسی کسی وقت بجلی چمکتی تو دور تک کا حصہ لمحہ بھر کو نظر آتا پھر گہرے اندھیروں میں ڈوب جاتا تھا۔

میں نے چہرے کو قمیض کے دامن سے پونچھا تو میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اسی وقت ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک سپاہی نے جھانک کر دیکھا۔

"کیا ہے بے.......... کیوں ڈکار رہا ہے.......... سالے ابھی کس بل نکال دوں گا حرامی کہیں کا.........." اندر سے ہنسنے کی آواز آئی اور اس نے دروازہ بند کر لیا۔

میں غصے میں بل کھا کر رہ گیا۔ مجھ پر پھر غشی طاری ہو رہی تھی۔ جانے میں کب سو گیا' سچ کہتے ہیں نیند کانٹوں پر بھی آ جاتی ہے۔ صبح میری آنکھ شور سے کھلی۔ ابھی ہلکا ہلکا سویرا ہوا تھا۔ میں نے کان آوازوں پر لگا دیئے۔ کوئی رو رہا تھا۔ کسی عورت کی آواز تھی۔ میرے اندر بے چینی سے پھیل گئی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں' پھر جیسے آوازیں رک گئیں' مجھ سے کافی دور' مجھے کوئی نظر نہ آیا مگر اب میں آواز پہچان گیا تھا۔ وہ اماں کی آواز تھی' جو بری طرح رو رہی تھی۔

"مجھے میرے بیٹے سے ملنے دو تھانے دار جی.......... میں قسم کھاتی ہوں' وہ چور نہیں ہے.......... جھوٹ بولتا ہے زمیندار۔ اسے چھوڑ دو' تھانے دار جی۔"

"او بڈھی خاموش بیٹھی رہ' زیادہ بک بک کرے گی تو نکال دوں گا تھانے سے۔" کسی سپاہی نے گرج کر کہا۔ یہ دھمکی سن کر اماں ایسے چپ ہو گئی جیسے کبھی بولی ہی نہ ہو' جیسے ہمیشہ سے گونگی ہو۔

"تھانے دار جی! بالے کی ماں سچ کہتی ہے.......... میرا بالا چور نہیں ہے۔ کسی اور نے چوری کی ہو گی۔ زمیندار کو غلطی لگی ہے۔" ابا نے لجاجت سے کہا۔

"غلطی لگی ہے.......... زمیندار کو؟ ابے اس نے خود اپنی آنکھوں سے بٹوا چراتے

دیکھا ہے۔ وہ تو للکارا بھی تھا مگر تیرا بیٹا بھاگ گیا۔ پورے اٹھارہ ہزار روپے تھے اس بٹوے میں۔ اٹھارہ ہزار.........."

"چوہدری مجھے باہر آنے دے.......... پھر دیکھ میں کیا کرتا ہوں۔" میں زیر لب بڑبڑایا۔ میں جانتا تھا کہ چوہدری کا اس ڈرامے سے کیا مطلب ہے وہ ہم میں سے کسی کو آزاد کرنا نہیں چاہتا تھا

اماں کی سسکیاں ہوا کے دوش پر مجھ تک پہنچیں تو بے ساختہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "خداوند.......... یہ کیسا انصاف ہے.......... یہ کیسا اندھیر ہے میرے مالک' ہم نے کیا جرم کیا ہے جس کی سزا ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔" میرا دل سینے میں چیخ رہا تھا مگر لب خاموش تھے۔

اسی وقت قدموں کی آواز آئی۔ میں سر گھٹنوں میں دے کر بیٹھ گیا۔ میں جانتا تھا کہ ابا میری حالت دیکھ کر دیوانے ہو جائیں گے میرا سارا چہرہ سوجا ہوا تھا۔

قدموں کی آواز تیز ہو گئی' سسکیاں بھی تیز ہو گئی تھیں۔ "بالے.......... میرے بچے.........." اماں مجھے دیکھ کر دور ہی سے پکار اٹھی۔ میں بے اختیار ہو کر سلاخوں کے قریب آ گیا۔

"اماں.........." میرے ہونٹوں سے سسکاری نکلی۔

اماں میرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی چیخ اٹھی۔ "ہائے میرا لال.......... ہائے میرا بچہ' میں واری ہو جاؤں چندا' ہائے کیسا ظلم کیا ہے اس بے گناہ پر.......... ارے ظالمو! خدا کا خوف بھی نہ کیا.......... ہائے میں کیا کروں.......... مجھے موت کیوں نہ آ گئی اسے دیکھنے سے پہلے.........." وہ سینے پر ہاتھ مار مار کر بین کر رہی تھی' اور ابا آنسو بھری آنکھوں سے مجھے تک رہا تھا۔ اس کی کمر ایک رات میں دہری ہو گئی تھی۔ آنکھیں حلقوں میں دب کر رہ گئی تھیں۔ اس نے سلاخوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"او بڈھی واویلا نہ کر.......... جلدی مل اور جا ادھر سے۔" ایک سپاہی نے اماں کو جھاڑا۔

"چپ کر بالے کی ماں.......... ورنہ وہ ملنے بھی نہ دیں گے۔"

ابا نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور اماں سہم کر خاموش ہو گئی۔ آنسو اب بھی اس

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے چہرے پر بہہ رہے تھے۔ اس نے دوپٹہ منہ میں ٹھونس کر زبردستی اپنی آواز دبالی تھی۔

"ابا.......... تُو اماں کو یہاں کیوں لایا ہے؟؟"

"یہ مانتی ہی نہ تھی.......... ساری رات دروازے سے لگی بَین کرتی رہی۔ کیا کروں پتر.......... صغرا کو چپ کراؤں، سوہنی کے آنسو پونچھوں، اس جھلی کو تسلی دوں یا.......... اپنے بوڑھے وجود کو.......... سنبھالوں.........." وہ ایک دم بلک اٹھا۔

"ابا.......... تُو ذرا بھی فکر نہ کر.......... میں چور نہیں ہوں۔ خدا جانتا ہے۔ وہ میری مدد کرے گا ابا.......... تُو بس اماں اور صغرا.......... اور سوہنی کو چپ کرا اور خود بھی تسلی رکھ، میں آجاؤں گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے کھوکھلی آواز میں کہا۔ میں جانتا تھا کہ چوہدری کے جال سے زندہ نکل جانا کسی معجزے سے کم نہیں۔

ابا تو مجھ سے زیادہ جانتا تھا۔ اس نے تو اپنی عمر کے سارے برس اسی حویلی میں گزارے تھے جہاں زمیندار سلطان دین محمد سے پہلے اس کا باپ راج کیا کرتا تھا۔

"تُو بہت معصوم ہے پتر.......... تُو کچھ بھی نہیں جانتا، میں نے ان لوگوں کے سامنے بڑے بڑے پہاڑ جیسے آدمیوں کو پانی ہوتے دیکھا ہے۔ اپنی آنکھوں کے سامنے ان مظلوموں کے گھر جلتے دیکھے ہیں، حویلی کے تہہ خانوں میں ان معصوم بچیوں کی چیخیں سنی ہیں پتر، میری آنکھوں نے کئی بار قیامت دیکھی ہے، میرے کانوں نے صور کی بھیانک آواز کئی بار سنی ہے، وہ صور جو زمیندار پھونکا کرتے ہیں اور جنہیں سن کر پہاڑ سے دل روئی کے گالوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں پتر.......... تُو نے یہ سب کیوں کیا، تُو نے زمیندار سے شہر جانے کی بات ہی کیوں کی، ہم چپکے سے نکل جاتے.......... اب.......... اب کیا ہو گا بالے.......... میں صغرا کو کہاں چھپاؤں گا۔ میرے گھر کی تو دیواریں بھی نیچی ہیں اور در بھی کمزور ہیں۔ بتا میں کیا کروں.......... بتا..........؟" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا مگر اس کے رونے کی آواز اس کے سینے میں چکرا رہی تھی یا صرف میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ اسے تو بہت برس کی پریکٹس تھی آواز دبانے کی مگر اماں کی سسکیاں نکلتیں تو دیواریں لرز جاتی تھیں۔

ابا کی خوفناک باتوں نے مجھے دہلا دیا۔ صغرا کا معصوم چہرہ میری نگاہوں میں جم کر رہ گیا۔ "اگر صغرا کو کچھ ہوا ابا.......... یا اس نے میرے گھر کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو

.... میں اس کی حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔ میں اسے تباہ کردوں گا ابا.......... اس کی نسلیں تک پیدا نہیں ہوں گی، دیکھ لینا۔" میں نے بپھر کر کہا۔ غصے سے میرا سارا بدن پھنکنے لگا۔

"نہ پتر.......... خدا کے واسطے ایسی باتیں منہ سے نہ نکال۔ ہم تباہ ہو جائیں گے.........." اماں نے سہم کر کہا اور ابا نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"میرے بڑھاپے پر رحم کر بالے.........." وہ سر جھکا کر رو پڑا۔ بوڑھے باپ کو ہاتھ جوڑے دیکھ کر مجھ میں طوفان سے اٹھنے لگے۔ میں نے سلاخوں سے ہاتھ نکال کر ابا کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

"میں کیا کروں ابا..........؟" میں بے بسی سے رو دیا۔

"تُو خود کو قابو میں رکھ.......... بس خاموش رہ.......... اپنی آنکھوں میں جلتے شعلوں کو سرد کر لے۔ میں زمیندار کے پاس جاؤں گا۔ اس کے پاؤں پکڑ لوں گا۔ اس سے رحم کی بھیک مانگوں گا پتر.......... مجھے یقین ہے وہ تجھے معاف کر دے گا۔ ہماری قسمت میں غلامی ہی لکھی ہے بیٹا۔ تُو اپنی قسمت کیسے بدل سکتا ہے؟" وہ مجھے سمجھاتا رہا اور میں سر جھکائے اپنی قسمت پر ماتم کرتا رہا۔

کچھ دیر بعد ہی سپاہی آ گیا۔ وہی سپاہی جس نے رات مجھے پانی پلایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں افسوس تھا۔ اس نے نرمی سے ابا کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "چلو بابا.......... ٹائم ختم ہو گیا ہے۔ انسپکٹر آ گیا تو.........."

میں نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی نے مجھے بڑا سہارا دیا۔ یہاں کوئی تو تھا جو ہمارے دکھ کو محسوس کر رہا تھا۔

"جا ابا.......... صغرا اکیلی ہو گی۔ اسے کبھی اکیلا نہ چھوڑنا۔"

میری بات سن کر ابا چونک اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف ناچنے لگا۔ "چل بالے کی ماں.......... بالا ٹھیک کہتا ہے۔ ہم سے غلطی ہوئی.......... جلدی چل۔" اور اماں روتی ہوئی، تڑپتی ہوئی واپس چلی گئی۔

ان کے جانے کے بعد ہر طرف سناٹا چھا گیا مگر میرے اندر بلا کا شور تھا۔ کل رات کے شور سے زیادہ، ایک خوفناک طوفان تھا جو میرے اندر جوش مار رہا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھانے میں سناٹا تھا' میرے خیال میں انسپکٹر ابھی آیا نہیں تھا اور عملے کے دوسرے افراد سو رہے تھے۔ صرف دو سپاہی جاگ رہے تھے جن میں سے ایک میرا پہرہ دے رہا تھا اور دوسرا جو شاید باہر کا پہرہ دے رہا تھا اور کبھی اس کا سایہ راہداری میں بھی نظر آ جاتا تھا۔

میں خاموش بیٹھا خلا میں گھور رہا تھا۔ صغرا کی معصوم باتیں اور اس کی معصوم ہنسی مجھے رہ رہ کر خوفزدہ کر رہی تھی۔ جانے کب میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تم تو بہت اونچے اور کڑیل جوان ہو............ تم کیوں روتے ہو؟" میرے قریب سے آواز آئی۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا' ہمدرد سپاہی سلاخوں کے پاس کھڑا تھا۔

"اسی پر تو آنسو بہا رہا ہوں۔" میں نے آستین سے آنکھیں رگڑتے ہوئے جواب دیا۔

"شیت............ آہستہ............" اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ "میری مانو تو تقدیر سے لڑنے کی کوشش نہ کرو۔ زمیندار سے معافی مانگ لو ورنہ............ تمہارا باپ ٹھیک کہتا ہے کہ وہ سب کچھ تباہ کر دے گا۔ تم پہلے آدمی نہیں ہو' تم سے پہلے بھی وہ لوگ یہاں لائے گئے ہیں جنہیں نے اس کی غلامی کا طوق گردن سے نکال پھینکا تھا اور اپنی تقدیر خود بنانے چلے تھے۔"

میں نے خاموش نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "تم سب لوگوں سے اس قدر مختلف کیوں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"تم بھی تو مختلف ہو!"

میں خاموش ہو گیا

"آج سے بائیس برس پہلے میرے بھائی نے بھی زمیندار کے خلاف آواز اٹھائی تھی"۔ اس نے دھیمے سے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

میں چونک اٹھا۔ اس کی ہمدردی کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "اس کو بھی ہم سب نے سمجھایا تھا۔ میرے باپ نے زمیندار سے معافی مانگی مگر میرا بھائی............ اسے اپنی جوانی اور جوش کا غرور لے ڈوبا۔ ایک روز ایسی ہی طوفانی رات میں وہ مارا گیا۔ گاؤں بھر میں شور مچ گیا کہ حویلی میں ڈاکو آئے تھے' زمیندار کی آنکھ کھل گئی تو بھاگ گئے اور............ بھاگتے بھاگتے انہوں نے میرے بھائی کو گولی مار دی جو رات گئے ساتھ والے گاؤں سے واپس آ رہا تھا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ ڈاکو باہر سے نہیں آئے تھے بلکہ حویلی کے نیچے بنے ان کالے اور تاریک کمروں سے نکلے تھے جو ان کی پناہ گاہ ہیں۔ دن کی روشنی میں نظر آنے والے معزز مہمان رات کی تاریکی میں چہروں پر نقاب ڈالے' زمیندار کی حاکمیت کو مضبوط بنانے نکلتے ہیں اور اگلے روز لوگوں کی گردنوں میں پڑے غلامی کے طوق اور مضبوط ہو جاتے ہیں۔" وہ خاموش ہوا تو مجھے صرف دلوں کے دھڑکنے کی آواز سنائی دی۔

گہرا سناٹا تھا' اتنا گہرا کہ میں سانس لیتے ہوئے بھی ڈرنے لگا کہ شور ہو گا۔

"تم خاموش رہے............؟" میں نے سرگوشی کی۔

"ہاں............ میرے گھر دو جوان بہنیں تھیں' ایک بیوہ اور دو معصوم بچے تھے اور............ بھائی کی بیوہ کو............" وہ بولتے بولتے سہم کر چپ ہو گیا۔

"ہاں' کیا ہوا اسے؟"

"اسے............ کسی نے برباد کر کے............ قتل کر دیا۔ اس کی لاش جھاڑیوں میں پڑی ملی۔ پھر............ میں خاموش ہو گیا۔ سب خاموش ہو گئے۔"

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چیونٹیاں سی رینگنے لگیں بدن پر۔ میں نے آسمان کو دیکھنا چاہا جو مجھ سے بہت دور تھا' میری نگاہ راہداری سے ہوتی ہوئی اس دروازے کی طرف بڑھی جس کے اوپر درختوں میں چھپا کہیں کہیں آسمان نظر آ رہا تھا۔ اس پر پھیلنے والا سویرا ابھی مجھ سے دور تھا۔ میں نے آنکھیں موند لیں۔

"تمہاری بھی بہن ہے؟"

"نام نہ لو اس کا۔" میں پوری قوت سے چیخ پڑا۔

وہ سہم کر چپ ہو گیا۔ میں نے پلٹ کر دیوار پر گھونسے برسانے شروع کر دیئے۔ میرا ہاتھ لہولہان ہو گیا' منہ سے کف جاری ہو گیا' اور آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ میں نے گرتے گرتے شور سنا اور اپنے بازوؤں پر کسی کی گرفت محسوس کی پھر مجھے ہوش نہ رہا۔

مجھے ہوش آیا تو میرے چاروں طرف سپاہی جمع تھے۔ میرے چہرے پر شاید پانی کے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چھینٹے مارے گئے تھے' چہرہ گیلا ہو رہا تھا۔ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر وہ سب مجھ سے دور ہو گئے۔

"سریہ ہوش میں آ گیا ہے۔" کسی کی آواز آئی۔

"ہوں.......... پانی ڈالو اس پر۔" گرج کر کہا گیا۔

کسی نے پھر پانی پھینکا۔ میں نے چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

"اٹھو.........." وہی گرج دار آواز سنائی دی اور ساتھ ہی کسی نے میری پسلی پر ٹھوکر ماری اور میں بلبلا کر اٹھ بیٹھا۔ وہ انسپکٹر تھا۔

"ہوش میں آ جاؤ بیٹا ورنہ چمڑی ادھیڑ دوں گا سمجھے۔" پھر وہ سپاہی سے مخاطب ہوا۔

"اسے میرے کمرے میں لاؤ۔" یہ کہہ کر وہ ایڑیوں پر گھوم گیا۔

سپاہیوں نے مجھے دروازے کی طرف دھکیلا۔ ہم راہداری عبور کر کے انسپکٹر کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ "ہاں.......... اب بولو پیسے کہاں ہیں؟" انسپکٹر نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

"میرے پاس صرف پچاس ساٹھ روپے ہیں بس.......... میں نے چوری نہیں کی۔"

"چوری تو تم نے کی ہے۔ صرف یہ بتاؤ کہ رقم کہاں گئی؟" انسپکٹر نے پاس پڑی کرسی پر ایک ٹانگ رکھ لی اور جھک کر کہنی اس کے گھٹنے پر ٹکا لی۔

میں نے خاموش نگاہوں سے اسے دیکھا اور جبڑے بھینچ لئے۔ یہاں اپنی صفائی پیش کرنا بیکار تھا۔

میری خاموش نگاہوں نے اسے بھڑکا دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے چہرے پر گھونسا مارا۔ پھٹا ہوا ہونٹ جس پر اب خون جم چکا تھا ایک بار پھر پھٹ گیا اور خون ٹپک کر میری قمیض پر گر گیا۔ میں پھر بھی خاموش رہا۔

"بولتا کیوں نہیں' سالے میں نے تو مردوں کی بھی زبان کھلوائی ہے۔ تُو کیا چیز ہے؟" اتنا کہہ کر وہ پھر مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ وہ مجھے مار مار کر تھک گیا مگر بند ہونٹوں کو نہ کھلوا سکا۔

کچھ دیر بعد ایک سپاہی اند آیا۔ "سر زمیندار کا بیٹا راجو آیا ہے۔"

"بلاؤ۔" انسپکٹر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

راجو کی آمد کا سن کر مجھے کچھ اطمینان ہوا۔ میں اس کا رازدار تھا شاید اسے مجھ سے ہمدردی ہو۔ میں نے سوچا۔

راجو اندر داخل ہوا' اس نے ایک سرسری نگاہ مجھ پر ڈالی اور انسپکٹر کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "رقم کا کچھ پتا چلا؟" راجو نے پوچھا۔

"پتا کیا چلنا ہے جی' میرا خیال ہے کہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی شریک تھا' رقم اسی کے پاس ہو گی۔ ویسے آپ فکر نہ کریں آپ کی رقم آپ کو واپس مل جائے گی۔"

"چھوٹے صاحب میں چور نہیں ہوں آپ تو جانتے ہیں۔" میں نے بڑی امید سے راجو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چپ چاپ کھڑا رہ ورنہ زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔" انسپکٹر نے گرج کر کہا۔

"انسپکٹر صاحب میں بالے سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں' اکیلے میں.......... اگر آپ اجازت دیں تو۔"

"ارے اجازت کیسی چھوٹے صاحب' آپ حکم کریں۔" انسپکٹر نے اپنی کیپ سر پر جماتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

"بالے' تم بابا کو جانتے ہو وہ نرم دل کے آدمی ہیں مگر حساب کتاب میں بڑے پکے ہیں۔ اگر تم ان کی رقم واپس کر دو تو وہ تمہیں معاف کر دیں گے۔"

"صاحب جی.......... آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے چوری نہیں کی' خدا کی قسم میں نے چوری نہیں کی۔"

"تم اپنی ضد پر اڑے رہے تو.........."

"یہ ضد نہیں صاحب جی' سچ ہے.......... رقم میرے پاس نہیں ہے۔"

"تو پھر.......... تمہاری مرضی۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں بابا سے بڑی مشکل سے اجازت لے کر آیا تھا ورنہ وہ تو معاف کرنے کے قائل ہی نہیں ہیں۔"

"میں جانتا ہوں کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔" میں نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔"

وہ چونک اٹھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب بتانے کا میں قائل نہیں چھوٹے صاحب۔ مطلب ذرا دیر سے سمجھ میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آئے گا۔" میں نے غراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہوں.......... ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا دماغ ابھی ٹھیک نہیں ہوا' تمہارے باپ کا دماغ تو درست ہو گیا ہے۔ تمہاری ماں اور بہن اس وقت حویلی میں ہیں اور تمہارا باپ.......... میرے باپ کی ٹانگیں دبا رہا ہے۔ خون تھوکنے کے باوجود اس کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔"

راجو کی بات نے میرے اندر آگ بھر دی اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ ہوش تو اُس وقت آیا جب میرے جسم پر شدید ضربیں پڑیں اور مجھے پوری طرح گرفت میں لے لیا گیا۔ میری آنکھوں میں بھرا ہوا اندھیرا چھٹا تو سامنے راجو زخمی حالت میں کرسی پر بیٹھا تھا اس کی ایک آنکھ کے کچھ اوپر کا حصہ پھٹ گیا تھا' اس کی باچھوں سے خون بہہ رہا تھا اور میں سپاہیوں کے بازوؤں میں جکڑا ہوا تھا۔

"حرامزادے تُو نے اپنی موت کو دعوت دی ہے' اب دیکھ میں کیا کرتا ہوں۔ تیری نسلوں تک کو تباہ کردوں گا حرامی۔"

راجو نے ہونٹوں پر سے خون صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔ ایک سپاہی فوری طبی امداد کے تحت اس کی آنکھ کا زخم صاف کر کے اس پر ٹنکچر لگا رہا تھا۔

اس نے مجھے گالی دی تو میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ "مجھے آزاد کر' پھر دیکھ کس کی نسلیں تباہ ہوتی ہیں۔"

میرے تھوکنے نے جلتی پر تیل کا کام کیا وہ بے قابو ہو کر مجھ پر جھپٹا' میرے دونوں ہاتھ سپاہیوں نے پکڑے ہوئے تھے' اس نے میرے پیٹ پر گھونسے مارنے شروع کر دیئے۔ میرے بال پکڑ کر میرا سر دیوار سے ٹکرا دیا اور میں بے ہوش ہو گیا۔

ہوش آیا تو میں لاک اَپ کے ٹھنڈے فرش پر پڑا تھا۔ رات ہو چکی تھی۔ سناٹا طاری تھا' دور سے کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آواز سناٹے کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھی۔ کچھ دور اسٹول پر جو سپاہی بیٹھا تھا وہ کل والا سپاہی نہیں تھا۔ مجھے سخت پیاس لگی ہوئی تھی میں نے ہمت کر کے اسے آواز دی۔

میری آواز سن کر وہ قریب آ گیا۔ "کیا ہے؟" اس نے کرخت آواز میں پوچھا۔

"پانی.......... مجھے پیاس لگی ہے۔"

"بکواس نہ کراوئے.......... میں تیرے باپ کا نوکر ہوں' چپ چاپ پڑا رہ' کھانا پینا تو اب تیرے خاندان والوں پر بھی حرام ہو چکا ہے سالے تُو کیا چیز ہے؟"

سپاہی کی بات نے میرے بدن میں سنسنی پھیلا دی۔ میں بے چین ہو کر اٹھ بیٹھا میں نے چاروں طرف دیکھا' دور دور تک کوئی نہ تھا میں وہیں کونے میں دبک کر بیٹھ گیا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سپاہی کی بات سن کر میں نہ صرف پیاس کو بھول گیا بلکہ اپنے بدن میں اٹھتی ہوئی ٹیسوں کا بھی مجھے خیال نہ آیا۔ بس ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

میں گھر والوں کی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا مگر کوئی ایسا نہ تھا جو مجھے ان کی خبر لا کر دیتا۔ ایسی بے بسی کا عالم تھا کہ میں بے اختیار گھٹنوں میں سر دیے کر رو دیا۔

اس لمحے دور سے بوٹوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی۔ میں نے سر اٹھایا' خوشی کی ایک لہر سی مجھ میں دوڑ گئی۔ کل والا سپاہی آ رہا تھا۔ شاید پہلے والے سپاہی کی ڈیوٹی کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ میں ویسے ہی کونے میں بیٹھا رہا۔ وہ دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر پہلے والا سپاہی اپنی بندوق کاندھے پر ٹانگ کر باہر کی طرف چلا گیا اور کل والا سپاہی میرے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

"پانی.........." میں نے سلاخوں کے قریب آ کر کہا۔

وہ دھیرے سے مسکرایا۔ "اس نے تمہیں پانی نہیں دیا ہو گا!؟"

میں نے سر ہلایا۔ وہ ایک جانب بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد ہی وہ پانی سے بھرا جگ لے آیا۔ میں نے سیر ہو کر پانی پیا اور آستین سے منہ پونچھتے ہوئے اس کی طرف تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"رسول بخش۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"رسول بخش تم بہت اچھے آدمی ہو۔ میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ میرا ایک کام اور کردو گے؟"

"کیسا کام؟"

"میرے گھر والوں کی کچھ خبر لا دو۔ مجھے ان کی طرف سے فکر ہو رہی ہے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آج.......... آج میں نے راجو کو زخمی کر دیا۔ زمیندار کے بیٹے کو۔"

وہ اچھل پڑا۔ "تم نے.......... تم نے اسے زخمی کر دیا؟"

"ہاں۔" میں نے اسے ساری رُوداد سنا دی۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

"تم بہت بہادر ہو مگر.......... بہت بے وقوف بھی ہو۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ تمہارا بوڑھا باپ تمہاری بہن کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اس کے کمزور بازوؤں میں اتنا دم نہیں ہے کہ وہ راجو اور زمیندار کے پالے ہوئے غنڈوں سے زور آزمائی کر سکے۔ تمہیں ابھی کچھ صبر کرنا چاہئے تھا۔"

"اب تو جو ہونا تھا ہو گیا۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ مجھے بہت فکر ہے گھر کی۔"

"اس وقت تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ کل صبح میں معلوم کر لوں گا۔ میرا جانا تو خطرناک ہے۔ میں اپنے بھانجے کو بھیج کر معلوم کراؤں گا۔ تم اس وقت فکر چھوڑ دو۔ تمہاری فکر ان کی تقدیر تو نہیں بدل سکتی۔"

میں خاموش ہو گیا۔

"تم نے کچھ کھایا؟"

"نہیں.......... کل سے اب تک بھوکا ہوں۔ گھر سے کوئی آتا تو لاتا.......... معلوم نہیں ان کے ساتھ کیا بیتی!"

"کچھ دیر اور صبر کرو۔ میں تمہارے لئے گھر سے کھانا لاتا ہوں۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے کھانے کا ذکر کیا تو میرے پیٹ میں اینٹھن شروع ہو گئی' وہ ٹھیک کہتا تھا کہ صبر کرو' ابھی اتنی رات نہیں ہوئی تھی' کوئی بھی کسی وقت آ سکتا تھا۔

میں خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ کہیں دور کسی کمرے سے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ اچانک کسی گاڑی کی آواز آئی پھر تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ رسول بخش نے اچانک کھڑے ہو کر سیلوٹ مارا۔ میں سمجھ گیا کہ انسپکٹر آ رہا ہے۔ وہ بہت خونخوار انسپکٹر تھا۔ اس کی آمد کا سن کر ہی میرا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے جس طرح میری پٹائی کی تھی' میرا بدن اب بھی اس کی دہائی دے رہا تھا۔ میں نے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

انسپکٹر کے آنے سے پورے تھانے میں بھونچال سا آ گیا۔ بہت سے سپاہی اچانک اپنے کمروں سے نکل آئے۔ تین چار سپاہی انسپکٹر کے ساتھ ہی آئے تھے۔ جن کی بھاگ دوڑ مجھے بھی نظر آ رہی تھی۔ انسپکٹر کا کمرا میری آنکھوں سے اوجھل تھا مگر رات کے سناٹے میں اس کی گرجتی ہوئی آواز دور دور تک سنائی دیتی تھی۔ اس وقت بھی وہ سب پر بری طرح چنگھاڑ رہا تھا۔ ذرا دیر بعد ہی سپاہی اپنی بندوقیں لے کر تیار ہو گئے اور پھر یکے بعد دیگرے دو تین گاڑیوں کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ انسپکٹر نے چلتے چلتے تھانے میں موجود سپاہیوں کو الرٹ رہنے کی ہدایت کی اور گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔

گاڑی کے انجن کی آواز کافی دیر تک سنائی دیتی رہی۔ تھانے میں رہ جانے والے سپاہی زور زور سے باتیں کرنے لگے تو مجھے معلوم ہوا کہ گاؤں کے قریب ڈاکوؤں کی موجودگی کی اطلاع ملی ہے۔ ہمارے گاؤں کی بائیں طرف گنے کے کھیت تھے جو دور تک چلے گئے تھے۔ جہاں گنے کے کھیت ختم ہوتے تھے وہاں سے گھنا جنگل شروع ہو جاتا تھا جو تقریباً گیارہ بارہ میل تک پھیلا ہوا تھا اور پہاڑیوں کے دامن میں جا کر ختم ہوتا تھا۔ آگے پہاڑی سلسلہ تھا۔

اسی جنگل میں ڈاکوؤں نے پناہ لی تھی اور انسپکٹر ان ڈاکوؤں کی سرکوبی کو گیا تھا۔ اس کے مخبر نے اطلاع دی تھی کہ ڈاکو آج رات اس گاؤں کے گرد گھیرا ڈال کر حملہ کریں گے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کافی دیر تک وہ سپاہی راہداری میں کھڑے باتیں کرتے رہے۔ رسول بخش بھی ان کے پاس کھڑا تھا۔ مجھے سخت بھوک لگنے لگی تھی۔ میں دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ یہ سب اپنے کمروں میں چلے جائیں۔

اسی وقت میں نے قدموں کی آواز سنی۔ سپاہیوں کی نگاہیں دائیں جانب اٹھ گئیں جہاں بیرونی دروازہ تھا۔ "کیا ہے.......... کون ہو تم؟" ایک سپاہی نے اپنی بندوق تانتے ہوئے گرج کر پوچھا۔

جواب میں جو آواز میں نے سنی' اس نے میرے دل کی دھڑکن تیز کر دی۔ وہ نسوانی آواز تھی مگر الفاظ میری سمجھ میں نہ آئے۔

"یہ وقت ہے آنے کا؟" اسی سپاہی نے کڑک کر کہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"یہ روٹی لائے ہیں اس کے لئے' وہ کل سے بھوکا ہے۔" آواز قریب آ چکی تھی۔ میں پہچان گیا۔ وہ ماسی میراں تھی۔

"تلاشی لو ان کی۔" اسی سپاہی نے دوسرے سے کہا۔

کچھ دیر بعد رسول بخش انہیں لئے ہوئے لاک اَپ کے قریب آ رہا تھا۔ ماسی میراں کے ساتھ سوہنی بھی تھی۔ وہ دونوں چادر میں لپٹی میرے قریب آ گئیں۔

"ماسی........ اتنی رات کو تم لوگ کیوں آئے ہو۔ کس کے ساتھ آئے ہو؟"

"فیکا بیل گاڑی لے کر اسی طرف آ رہا تھا۔ اسے گندم کی بوریاں گودام سے اٹھانا تھیں۔ مجھے پتا چلا تو میں بھی آ گئی۔" ماسی میراں نے رسول بخش کو دیکھتے ہوئے جواب دیا اور رومال میں بندھی روٹی میری طرف بڑھا دی۔

"اسی کے ہاتھ بھیج دیتی۔ تجھے سوہنی کو لے کر یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔"

رسول بخش واپس جا کر ان سپاہیوں کے قریب کھڑا ہو گیا تو میں نے سوہنی کی طرف دیکھا۔ اس کا رنگ پیلا ہو رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

"سوہنی کو کیوں لائی ہے؟"

"اسے اکیلا کیسے چھوڑتی؟"

"اماں' ابا اور صغرا........"

"وہ لوگ نہیں ہیں۔" اس نے سرگوشی کی۔ "یہی خبر دینے تو آئی ہوں۔ کل رات زمیندار کے آدمی آ کر تیرے بابا کو حویلی لے گئے تھے۔ وہ رات بھر واپس نہ آیا۔ صغرا اور تیری ماں بہت پریشان تھے۔ آج صبح تک بھی وہ نہ آیا تو تیری ماں پریشان ہو گئی۔ وہ حویلی جانے والی تھی کہ راجو جیپ میں کچھ آدمیوں کو لے کر آیا اور صغرا اور تیری ماں کو ساتھ لے گیا۔ کہتا تو وہ یہ تھا کہ بابا کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ زمیندار نے کہا ہے اکیلا وہاں رہنا ٹھیک نہیں' پر اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ بالے مجھے تو بہت خوف آ رہا تھا۔ میں نے صغرا کو روکنا چاہا تو وہ بولا۔ "چوری کے کیس کی تفتیش بھی کرنا ہے۔ تھانے میں جانے سے اچھا ہے کہ تم لوگ حویلی چلو۔ وہیں تھانے دار آئے گا تو سب پوچھ لے گا۔"

ماسی میراں بول رہی تھی اور میری کنپٹیاں سلگتی جا رہی تھیں۔

"پھر........" ماسی کے خاموش ہونے پر میں نے پوچھا۔ میرے لہجے میں سخت

اضطراب تھا۔

"وہ کہتا تھا پولیس گھر کی تلاشی بھی لے گی۔ وہ لوگ سہم کر چلی گئیں۔ نہ جاتیں تو زبردستی لے جاتا۔ چلتے چلتے اس نے مجھ سے کہا تھا کہ شام کو واپس آ جائیں گی مگر........ وہ لوگ اب تک واپس نہیں آئے۔"

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"صبر بالے۔ یہاں کوئی ہنگامہ نہ کرنا۔" اس نے فوراً کہا اور میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا۔ وہ ٹھیک کہتی تھی۔ خاص طور پر ان دونوں کی موجودگی میں کوئی ہنگامہ کرنا انہیں بھی مصیبت میں ڈال سکتا تھا۔ خدا جانتا ہے کہ اس وقت میں نے کس قدر مشکل سے خود کو قابو میں رکھا تھا۔

"اب تو جائے گی کیسے؟"

"باہر فیکا کھڑا ہے۔ ڈرپوک کہیں کا اندر بھی نہیں آیا۔" ماسی نے کہا۔

"ٹھیک ہے تو اب جا........ اللہ بیلی........" یہ کہہ کر میں نے سوہنی کی طرف دیکھا جو ابھی تک منہ پر ہاتھ رکھے رو رہی تھی........ "مجھے معاف کر دینا۔ میں تجھے ایک لمحہ بھی خوشی نہ دے پایا۔ مگر........ میں........ آؤں گا سوہنی۔ انتظار کرنا۔"

میری بات سن کر ماسی میراں نے حیرت سے پہلے مجھے اور سوہنی کی آنسو بھری آنکھوں کو دیکھا۔ پھر جیسے وہ سب کچھ سمجھ گئی اس نے دھیرے سے سوہنی کو گلے سے لگا لیا اور بازوؤں میں لئے ہوئے واپس چلی گئی۔

انہیں واپس جاتا دیکھ کر رسول بخش میرے قریب آ گیا۔

"روٹی آ گئی گھر سے........ خیریت ہے سب؟"

"نہیں........ رسول بخش' تم ٹھیک کہتے تھے۔" پھر میں نے اسے ساری بات بتا دی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ ساتھ میرے لئے گہرا تاسف تھا۔

"رسول بخش کیا تم بھائی کا بدلہ نہیں لینا چاہتے؟" اچانک میں نے سوال کیا۔

وہ چونک اٹھا۔ پھر اس کے چہرے پر یکایک مایوسی چھا گئی۔ "میں اکیلا ہوں بالے........ اور........ ساری دنیا زمیندار کے ساتھ ہے' قانون کے محافظ بھی۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"میں تمہارے ساتھ ہوں رسول بخش۔" میں نے جوش سے کہا۔ میرے ذہن میں جو بات آئی تھی وہ رسول بخش کی مدد کے بغیر بیکار تھی۔

"میں سمجھا نہیں.......... تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"تم میرا ساتھ دو رسول بخش' میں اور تم دونوں زمیندار سے چوٹ کھائے ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میرا بوڑھا باپ مر جائے اور میری معصوم بہن ان درندوں کے ہاتھوں تباہ ہو جائے مجھے یہاں سے نکال دو۔"

رسول بخش خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے سلاخوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ خون میری کنپٹیوں میں ٹھوکریں سی مار رہا تھا۔

"بولو رسول بخش.......... کیا تم چاہتے ہو کہ میری بہن تباہ ہو جائے تمہارے بھائی کی بیوہ کی طرح.......... میرا بوڑھا باپ بھی تمہارے بھائی کی طرح مارا جائے اور یہ درندے آزاد رہیں.......... دوسروں کی عزتوں اور زندگیوں کو لوٹتے رہیں۔ کل تمہاری بچی جوان ہو گی تو تم سُولی پر لٹکا دیئے جاؤ گے۔ تم یہاں سلاخوں کے پیچھے کسی بے گناہ اور بے بس انسان کی رکھوالی کرتے رہو گے اور لٹیرے تمہارا گھر لوٹ لیں گے۔ کیا تم یہی سب چاہتے ہو رسول بخش.......... بولو.......... میرا ساتھ دو' میری مدد کرو رسول بخش.........."

میں سرگوشی میں بولتا رہا اور رسول بخش کا رنگ خوف سے پیلا پڑتا گیا۔ آنکھیں پھیل کر جیسے سارے جہاں پر چھا گئیں مگر اس کے لب نہ کھلے۔

"رسول بخش.......... آج سے بہتر موقع تمہیں نہیں ملے گا۔ آج یہاں کوئی بھی نہیں سوائے ان دو سپاہیوں کے۔ مجھے آزاد کر دو رسول بخش ورنہ میرے گھر پر قیامت گزر جائے گی۔ خدا کے واسطے.......... میرے بھائی.......... میرے دوست.........." میں اس کی خاموشی سے گھبرا کر رو دیا۔ میں جانتا تھا کہ یہ وقت گزر گیا تو میں کچھ بھی نہ کر سکوں گا۔ میری بھوک پیاس ختم ہو گئی تھی۔ مجھے صرف ایک بات یاد تھی کہ صغرا' اماں اور بابا حویلی میں قید ہیں۔ میں ان سلاخوں کو توڑ کر نکل جانا چاہتا تھا۔

اچانک رسول بخش کے چہرے پر خوف کی جگہ عزم پھیل گیا' اس کی آنکھیں سرد ہو گئیں اور جبڑوں کی ہڈیاں ابھر آئیں' وہ دھیرے سے میرے قریب آ گیا۔ میں امید و بیم

کی حالت میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"بالے۔ یہ پستول میں تجھے دے دوں گا' تو اسے میرے سر پر مار کر زخمی کر دینا اور میری جیب سے چابی نکال کر لاک اَپ کھول لینا مگر دیکھ پستول اتنی زور سے مارنا کہ میں بے ہوش ہو جاؤں ورنہ سوچ لے میری خیر نہیں ہے۔" رسول بخش کی بات سن کر میں نہال ہو گیا۔

"پہلے روٹی کھا لے۔ تُو کل سے بھوکا ہے۔ کمزوری ہو گئی تو کیسے مقابلہ کرے گا اور یہ رکھ لے۔" اس نے اپنی جیب سے سو روپے نکال کر میری مٹھی میں دبا دیئے۔

مجھے بھوک تو نہیں تھی مگر رسول بخش ٹھیک کہتا تھا۔ مار کھا کر مجھے ویسے ہی کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے جلدی سے ماسی میراں کا لایا ہوا رومال کھولا اور بیٹھ کر روٹی کھانے لگا۔

میں چند منٹوں میں فارغ ہو گیا۔ دوسرے سپاہی شاید سو چکے تھے۔ دور تک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میں کھانا کھا کر تیار ہو گیا۔ رسول بخش نے آہستہ سے لاک اَپ کھول دیا اور چابی وہیں نیچے آہستہ سے رکھ دی اور پستول کو میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں لمحہ بھر کو جھجکا۔

"مار بالے.......... جلدی کر.......... کوئی آ جائے گا۔" اس نے سرگوشی کی اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میں الجھ کر رہ گیا۔ میرا ہاتھ نہیں اٹھ رہا تھا مگر یہ ضروری تھا ورنہ رسول بخش مارا جاتا۔ میں نے ہمت کی۔

"شکریہ رسول بخش' میں تجھے کبھی نہیں بھولوں گا۔ مجھے معاف کر دینا۔" یہ کہہ کر میں نے پوری طاقت سے پستول کا پچھلا حصہ اس کے سر پر دے مارا۔ وہ لہرا کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اسے اسی حالت میں چھوڑا اور دبے قدموں تھانے کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ جوں جوں میں آگے بڑھ رہا تھا' میرے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ کنپٹی میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ اگلا کمرا ان دو سپاہیوں کا تھا' میرا سارا دھیان اسی کمرے کے دروازے پر لگا ہوا تھا۔ میں سرکتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو ابھی سے کچھ پتا چل جائے ابھی تو مجھے بہت سے کام کرنا تھے' اگر ابھی میرے فرار کا راز کھل جاتا تو وہ لوگ مجھے انتقام لینے سے پہلے ہی گھیر لیتے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں بے آواز قدموں سے وہ راہداری عبور کر آیا۔ بیرونی حصے میں آتے ہی میں دیوار کے ساتھ دبک گیا۔ میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ میں نے لمحہ بھر کو رک کر اپنا سانس قابو میں کیا اور چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ چند قدم دور اللہ دینو کا تنور تھا جو اس وقت سرد پڑا تھا۔ میں رینگتا ہوا تنور تک پہنچ گیا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ میں دبے پاؤں تنور کی دوسری جانب پہنچ گیا۔ یہاں سے جانے والی کچی پگڈنڈی سیدھی حویلی کو جاتی تھی۔ میں پگڈنڈی پر چلنے کی بجائے جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان سے ہوتا ہوا حویلی کی طرف بڑھا۔

"پہلے گھر دیکھ لے بالے.......... شاید وہ لوگ واپس آ گئے ہوں۔" میرے اندر ایک سرگوشی ابھری۔ میں نے اپنا رخ تبدیل کر لیا اب میں گھر کی طرف جا رہا تھا۔ تیز قدموں سے چلتا ہوا میں گھر کے قریب پہنچا۔ دور ہی سے مجھے احساس ہو گیا کہ وہاں صرف ویرانی ہے اور کچھ نہیں، پھر بھی میں نے دروازے کی جھری سے جھانک کر دیکھا، آنگن خالی تھا۔ سامنے والی کوٹھری کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ ابا کا گلاس اور لالٹین آنگن میں اوندھے پڑے تھے اور لالٹین کا تیل کچی زمین پر بڑا سا دھبہ چھوڑ کر جذب ہو چکا تھا۔ میں ابھی پلٹنے والا ہی تھا کہ میرا ہاتھ دروازے پر پڑا اور وہ کھلتا چلا گیا۔

اس کا مطلب ہے ابا وغیرہ کو زبردستی لے جایا گیا ہے اگر وہ اپنی مرضی سے جاتے تو دربند کر کے جاتے۔ میں نے سوچا اور کھلے دروازے میں داخل ہو گیا۔ چاند کی ہلکی ہلکی روشنی میں آنگن اجڑا اجڑا نظر آ رہا تھا۔ میں نے لالٹین اٹھا کر دیکھا۔ تیل بالکل ختم ہو چکا تھا۔ میں چولھے کے قریب جا بیٹھا۔ میں نے ٹٹول کر ماچس تلاش کی اور کوٹھری میں چلا آیا۔ اماں کے بکسے کھلے پڑے تھے۔ ابا کی دوا کی شیشی ٹوٹی ہوئی پڑی تھی۔ صغرا کی چادر پلنگ سے نیچے لٹک رہی تھی۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ ہر چیز اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی یوں لگتا تھا جیسے تلاشی لی گئی ہو۔

دوسرے کمرے میں کچے پیالے ٹوٹے پڑے تھے ان کے قریب ہی صغرا کی کانچ کی چوڑیاں ٹوٹی پڑی تھیں جو ابا نے اسے پچھلی عید پر لا کر دی تھیں اور جنہیں صغرا بہت سنبھال کر اوپر بنے ریک پر کانچ کی برنی میں رکھتی تھی۔ میں نے ماچس کی تیلی جلا کر ان بکھری ہوئی چوڑیوں کو دیکھا اور چونک اٹھا۔ ان ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے قریب ہی میرا لایا ہو

جھمکا پڑا تھا۔ میں نے جھک کر جھمکا اٹھا لیا۔

میرا خون کھول رہا تھا۔ جی چاہتا تھا اُڑ کر حویلی پہنچ جاؤں اور سب کچھ تہس نہس کر دوں۔ انہوں نے میرا گھر لوٹ لیا تھا' میں ان کا سب کچھ لوٹ لینا چاہتا تھا۔ انہیں نیست و نابود کر دینا چاہتا تھا۔

میں زیادہ دیر وہاں کھڑا نہ رہ سکا۔ میں نے جھمکا جیب میں ڈال لیا اور ماچس بھی' پھر میں دبے قدموں دروازہ بھیڑ کر باہر آ گیا۔ میری نگاہ سامنے سوہنی کے دروازے پر پڑی جس کی جھریوں سے روشنی کی لکیریں سی باہر آ رہی تھیں۔ میں دبے پاؤں اس طرف بڑھ گیا۔

دروازے پر پہنچ کر میں نے آہستہ سے در کھٹکایا۔

"اماں.......... اماں.......... کوئی ہے.........." سوہنی کی خوف زدہ آواز سنائی دی تھی۔

ماسی میراں تیزی سے دروازے کے قریب آ گئی۔ "کون ہے؟" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"بالا.........."

میری آواز سن کر اس نے جھٹ سے دروازہ کھول دیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ میرے اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کیا اور مجھے کھینچتی ہوئی اندر کوٹھری میں لے گئی۔

"بالے.......... تُو کیسے آیا؟"

"میں وہاں سے بھاگ کر آیا ہوں ماسی مجھے بتا کیا ہوا.......... سب لوگ کہاں گئے۔"

"میں نے تجھے بتایا تھا نا کہ راجو اور اس کے حواری آ کر سب کو حویلی لے گئے۔ بالے انہیں بچا لے.......... خدا کے واسطے انہیں بچا لے۔" ماسی میراں ایک دم رو پڑی۔ "تجھے دیر ہو گئی تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔"

سوہنی بھی اس کے پیچھے کھڑی رو رہی تھی۔

میں بے قرار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ "میں جا رہا ہوں ماسی.......... یا تو انہیں بچا کر لے آؤں گا یا.......... خود بھی مرجاؤں گا۔ تُو دعا کر ماسی' دعا کر.........." یہ کہہ کر میں نے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ایک نظر سوہنی کو دیکھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

آسمان پر کہیں کہیں بادل تیر رہے تھے۔ بادل کا کوئی آوارہ ٹکڑا کبھی چاند کو چھپا لیتا تو اندھیرا چھا جاتا۔ میں اندھیروں میں رہنے کا عادی تھا' میرے لئے تو یہاں کے سارے رستے جانے پہچانے تھے۔ میں تیز قدموں سے اس کچے رستے پر چل پڑا جو حویلی کو جاتا تھا۔

پندرہ بیس منٹ کا یہ راستہ صدیوں پر پھیلا ہوا لگ رہا تھا۔ میری پنڈلیوں میں اینٹھن سی ہو رہی تھی مگر میں لحہ بھر کو بھی نہ رکا۔

"تجھے دیر ہو گئی تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔" ماسی میراں کا یہ جملہ میرے پورے وجود میں گونج رہا تھا۔ نہ معلوم کیوں مجھے لگ رہا تھا کہ مجھے دیر ہو گئی ہے۔

دور ہی سے حویلی کی بتیاں نظر آنے لگیں۔ میں نے رفتار آہستہ کر لی۔ میں نے ایک مکان کی دیوار کی آڑ میں کھڑے ہو کر حویلی کا جائزہ لیا۔ بیرونی گیٹ بند تھا۔ مردانے کا دروازہ البتہ کھلا ہوا تھا۔ میں جانتا تھا کہ شہر سے آنے والے مہمان دیر سے سونے کے عادی ہیں۔

میں دبے پاؤں آگے بڑھا اور مردانے حصے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا کھڑکی سے قریب ہو گیا۔ کھڑکی کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا اندر سے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے خود کو ذرا سا اوپر اٹھایا اور اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ اندر چارپائی پر کوئی آدمی لیٹا تھا۔

رفیق اس کی ٹانگیں دبا رہا تھا اور نور نبی حقے کی آگ کرید کر اسے تازہ کر رہا تھا۔

"رات حویلی کے پچھلے حصے میں سے کسی عورت کے چیخنے کی آواز آ رہی تھی۔ کیا ہو گیا تھا؟" مہمان نے نور نبی سے پوچھا۔ نور نبی اور رفیق بھی زمیندار کے ملازم تھے۔

"کچھ نہیں جی.......... ہم نے تو ایسی کوئی آواز نہیں سنی۔" نور نبی نے حقے کی چلم پر پھونک مارتے ہوئے کہا۔

"نہیں.......... نور نبی.......... کچھ تھا تو.......... میں نے خود سنا تھا۔ بس اندھیرا اتنا تھا کہ اس طرف جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔" مہمان نے جواب دیا۔

"چھوڑیں جی.......... ایسی آوازیں تو آتی ہی رہتی ہیں۔ ہمارے تو کان عادی ہو گئے

ہیں۔" رفیق نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"بک بک نہ کراوئے۔ تجھے کہاں سے آتی ہیں آوازیں۔ اپنی زبان بند رکھ ورنہ کانوں کے ساتھ ساتھ زبان بھی بند کر دی جائے گی۔" نور نبی نے ڈانٹ کر کہا۔

"صاحب جی' آپ یہ زمیندار سے پوچھئے گا۔ ہمارے پاس ان باتوں کا جواب نہیں۔" نور نبی اتنا کہہ کر اٹھ گیا۔ مہمان چپ رہا

میں الٹے قدموں پیچھے سرک گیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ حویلی کے پچھلے حصے میں راجو کا اسٹڈی روم ہے وہیں سے آوازیں آئی ہوں گی۔ وہ لوگ وہاں شرابیں ہی نہیں پیتے تھے' رنڈیاں بھی لے کر آتے تھے۔

میں آہستہ آہستہ درختوں کے جھنڈ میں سے ہوتا ہوا اسٹڈی روم کی طرف بڑھا۔ وہاں ہر طرف اندھیرا تھا۔ کوئی آواز یا کوئی آہٹ نہ تھی۔ میں سخت مضطرب تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ابا' اماں اور صغرا کو کہاں تلاش کروں' حویلی تو اتنی بڑی تھی کہ میں نے بھی اندر سے پوری نہیں دیکھی تھی۔ انہیں تلاش کرنا آسان نہ تھا اور میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔ پولیس کسی وقت بھی میرے پیچھے آ سکتی تھی۔

میں دبے قدموں اسٹڈی روم کی اس کھڑکی تک پہنچا جس کے قریب باہر کی جانب بیٹھ کر میں پہرہ دیا کرتا تھا۔ وہ اس وقت اندر سے بند تھی۔ میں نے پہلے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر میں کھڑکی کی جانب آیا۔ اسی وقت مجھے اندر آہٹ محسوس ہوئی۔ یوں جیسے کوئی چیز زمین پر گھسیٹی گئی ہو۔ میں ساکت رہ گیا۔ میں نے اندر کی آواز سننے کی کوشش کی مگر دوبارہ آواز نہ آئی۔ میں نے کھڑکی کی پٹ اندر کی طرف دبائے۔ دونوں پٹوں کے درمیان اتنی جگہ بن گئی کہ میں اپنی انگلیاں ڈال کر چٹخنی گرا سکتا تھا۔

میں نے دونوں انگلیوں کی مدد سے چٹخنی گرا دی۔ چٹخنی گرنے کی آواز کسی بم سے کم نہ لگی اور میں تیزی سے نیچے بیٹھ گیا۔ پستول اب بھی میرے ہاتھ میں تھا۔ میں کسی بھی صورت حال سے نمٹنے کے لئے چوکنا تھا۔

کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی کوئی آواز نہ سنائی دی تو میں آہستہ سے کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسی آہستگی کے ساتھ کھڑکی کا پٹ کھول دیا اور کھڑکی کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھ کر اندر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کود گیا۔

ایک ہلکی سی چیخ سنائی دی جیسے کسی نے منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخ ماری ہو۔ اندر اندھیرا تھا۔ میں میز کی آڑ میں ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

کمرے میں میرے علاوہ کوئی اور بھی تھا' اس کا احساس مجھے بڑی شدت سے ہو رہا تھا مگر جو کوئی بھی تھا وہ مجھ سے بھی زیادہ خوف زدہ تھا۔ میں نے جیب سے ماچس نکالی مگر اسے جلانے کی ہمت نہ کر سکا' اگر میں ماچس جلاتا تو لمحہ بھر میں میری جگہ میری لاش پڑی ہوتی۔ یہ خیال آتے ہی میں نے ماچس پھر جیب میں رکھ لی اور اسی اندھیرے میں آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ دیر اندھیرے میں رہنے سے میری آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں۔ اب کمرے میں رکھی میز کرسی اور کونے میں پڑے بیڈ کا دھندلا خاکہ واضح نظر آ رہا تھا۔

میرے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ میں جانتا تھا کہ اسٹڈی روم میں ایک دروازہ حویلی کے اندر کھلتا ہے۔ اس دروازے کو میں نے ہمیشہ بند دیکھا تھا۔ اس اندھیرے میں مجھے وہ دروازہ صاف دکھائی دے رہا تھا کیوں کہ اندر روشنی ہو رہی تھی اور دروازے کی جھریوں سے روشنی کی کرنیں رینگتی ہوئی اسٹڈی روم میں داخل ہو رہی تھیں۔ روشنی بے حد دھندلی تھی لگتا تھا جیسے اندر کوئی مٹی کا دیا جل رہا ہو۔

میں سرکتا ہوا آگے بڑھا۔ ابھی میں بیڈ سے کافی فاصلے پر تھا کہ اچانک میں کسی انسانی جسم سے ٹکرایا۔ میں دہشت زدہ ہو گیا اور خود کو بڑی تیزی سے ایک طرف لڑھکا دیا تاکہ میں اس شخص کے حملے سے خود کو محفوظ رکھ سکوں۔ میری قلابازی کی آواز کے علاوہ کوئی آواز یا حرکت نہ ہوئی' میں حیران تھا۔ یہ میرا وہم نہیں تھا بلکہ میں نے اس انسانی جسم کے لمس کو محسوس کیا تھا۔

مجھے حیرت ہوئی کہ اس شخص نے حرکت کیوں نہیں کی' اچانک مجھے خیال آیا کہ ممکن ہے راجو کا کوئی شرابی ساتھی ہو جو زیادہ پی جانے کی وجہ سے بے ہوش پڑا ہو۔

میں ہمت کر کے پھر اسی جگہ آ گیا۔ اب میں نے آہستہ سے ہاتھ بڑھایا' وہ انسانی جسم ہی تھا مگر اتنا سرد جیسے برف کی سِل ہو۔ میں نے گھبرا کر ہاتھ کھینچ لیا۔

اسی لمحے بیڈ پر حرکت محسوس ہوئی' اور عجیب سی آواز ہوئی جیسے دبی دبی سی سسکی نکلی ہو' میں بیڈ سے قریب تھا اس لئے آواز سن کر اچھل پڑا۔ آواز کسی عورت کی تھی۔ میں اب بے قابو ہو چکا تھا۔ میں نے پستول کو بیڈ پر پڑے شخص کی طرف تان لیا اور دوسرے ہاتھ سے ماچس نکالی۔

ماچس جلائی تو یوں لگا جیسے کسی نے مجھ پر قیامت توڑ دی ہو۔ بیڈ پر اماں رسیوں سے جکڑی پڑی تھی۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ اس نے جونہی مجھے دیکھا مچل پڑی۔ تیلی سے میرا ہاتھ جل گیا۔ میں نے جلدی سے تیلی پھینکی اور اس کی طرف لپکا۔

"اماں............ اماں............"

"ہوں............ اونہہ............" وہ ایک بار پھر مچلی۔ میں نے جلدی سے اس کے منہ سے کپڑا نکالا۔ "بالے............ بالے تُو اب آیا ہے بالے' دیکھ تو تیرا باپ تیرا رستہ دیکھتے دیکھتے مر گیا............" اس نے فرش کی طرف اشارہ کیا' وہ بری طرح رو رہی تھی۔

میرے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ میں نے پلٹ کر فرش پر دیکھا۔ اندھیرا ہونے کے باوجود مجھے وہاں ایک ڈھیر سا پڑا دکھائی دیا۔ میں اس طرف لپکا۔ ماچس کی تیلی جلائی۔ وہ انسانی جسم جو کچھ دیر پہلے مجھ سے ٹکرایا تھا۔ میرے باپ کا تھا۔ میں بلک کر اس کے سرد جسم سے لپٹ گیا۔

"بالے............ اسے بچالے۔" اماں نے پیچھے سے مجھے کھینچ لیا۔

میں جھٹکے سے اٹھ گیا۔ "کون اماں............ صغرا............؟"

"ہاں............ وہ درندے اسے جنگل میں لے گئے ہیں۔ میری بچی کو بچالے بالے............ یا............ اسے جان سے مار دے۔ گولی مار دے اسے جا............ چلا جا............" وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔

میں بھی پاگل سا ہو گیا۔ اس وقت مجھے یہ احساس نہ رہا کہ ہماری آوازیں دوسروں تک پہنچ جائیں گی۔ میں اماں کو وہیں چھوڑ کر چھلانگیں لگاتا ہوا جنگل کی طرف بھاگا۔ حویلی سے جنگل کا راستہ بہت دور نہ تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس راستے پر پہنچ گیا۔ میں ہاتھ میں پستول لئے سرپٹ بھاگا جا رہا تھا۔ مجھے کچھ ہوش نہ تھا صرف صغرا کی معصوم صورت میرے سامنے تھی اور اماں کے یہ الفاظ کہ اسے بچالے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اچانک چاروں طرف روشنی چھا گئی۔ چاند بدلیوں میں سے نکل آیا تھا۔ رستہ روشن ہوا تو میں نے رفتار اور تیز کر دی۔ جنگل شروع ہوتے ہی مجھے راجو کی جیپ نظر آ گئی۔ میں وہیں دبک گیا اور کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا مگر دور دور تک سناٹا تھا۔ میں جھاڑیوں میں دبکا آگے بڑھتا رہا۔

کافی اندر جا کر مجھے چونک جانا پڑا۔ وہ چھوٹا سا کچا مکان تھا جس میں روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے ساری عمر اسی گاؤں میں گزاری تھی مگر کبھی اس طرف نہ آیا تھا اور نہ ہی مجھے گمان تھا کہ یہاں کوئی مکان بھی ہو گا۔ کچھ اور آگے بڑھا تو مجھے آوازیں سنائی دینے لگیں، قہقہے میری سماعت سے ٹکرائے تو مجھ میں بجلی سی بھر گئی۔ میں بڑی سرعت سے مکان کے قریب پہنچ گیا۔

میں نے بجائے دروازے کی طرف جانے کے مکان کی پچھلی طرف کا رخ کیا۔ کھڑکی بند تھی مگر جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ میں نے اندر جھانکا اور پھر خون میری آنکھوں میں اتر آیا۔

نیچے بچھی چٹائی پر صغرا پڑی تھی۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ رنگ پیلا پڑ چکا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

اس کے قریب ہی راجو اور اس کے پانچ دوست بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ میں تیزی سے دروازے کی طرف آیا۔ میں ابھی دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ مجھے صغرا کی چیخ سنائی دی جو مجھے پکار رہی تھی۔

میرے ہوش اُڑ گئے۔ میں نے ایک زور دار ٹھوکر ماری، خستہ حال دروازہ میری ایک ہی ٹھوکر سے گر گیا۔ میں نے راجو وغیرہ کو کچھ سوچنے کی مہلت نہ دی اور فوراً ہی ان کے سروں پر پہنچ گیا۔

وہ سب اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ صغرا مجھے دیکھ کر چیخنے لگی۔ "بھاء جی.......... مجھے بچا لو.......... بھاء جی۔"

میں نے گولی چلانے کی بجائے راجو کے پیٹ میں گھما کر لات ماری۔

"حرامزادے.......... تُو سمجھتا ہے کہ تُو جو چاہے کر لے گا، تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔" یہ کہہ کر میں نے ان سب کی طرف پستول تان لی۔ "اگر کسی نے ہلنے کی کوشش

کی تو.......... بھون کر رکھ دوں گا۔" میں نے غرا کر کہا اور صغرا کی طرف بڑھا۔ میں نے جلدی سے اس کے ہاتھ کھولے۔ وہ مجھ سے لپٹ گئی اور اسی وقت راجو وغیرہ کو موقع مل گیا، کسی نے ریوالور نکال لیا تھا۔ فائر کی آواز ہوئی اور میں اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ صغرا بھی چیختی ہوئی کھڑکی کی طرف بھاگی۔

اب میں پوزیشن لے چکا تھا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فائر کر دیا۔ جس لڑکے کے ہاتھوں میں ریوالور تھا وہ لوٹ کر گرا۔ "خبردار، میں بے دریغ گولی مار دوں گا اگر کسی نے حرکت کی۔"

یہ کہہ کر میں کھڑکی کی جانب سرکا۔ "صغرا کھڑکی کھول.........." میں نے نگاہیں ان لوگوں پر جمائے ہوئے کہا۔

صغرا نے کھڑکی کھول لی۔

"باہر کود جا صغرا۔"

اس نے میری بات پر عمل کیا۔

"راجو.......... میں چاہوں تو تجھے اسی وقت جان سے مار سکتا ہوں مگر میں تجھے اتنی آسانی سے نہیں ماروں گا حرامزادے.......... تجھ سے تو مجھے اپنے لمحے لمحے کا حساب لینا ہے۔ اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینا ہے۔ اپنے گھر کی تباہی کا بدلہ، اپنی خوشیوں کی بربادی کا بدلہ، اپنی تئیس برس کی خدمت کا معاوضہ وصول کرنا ہے راجو، اپنے بوڑھے باپ کی ہڈیوں کے درد کی لہر لہر کا معاوضہ تجھ سے اور تیرے باپ سے وصول کرنا ہے۔ میری بہن کو یہاں تک لانے اور میری عزت پر ہاتھ ڈالنے کا حساب تو میں تیری بیٹیوں سے لوں گا راجو.......... دعا کروں گا کہ تیرے بیٹیاں پیدا ہوں تاکہ میں تجھے بتا سکوں کہ عزت کسے کہتے ہیں کُتے.........." اتنا کہہ کر میں نے راجو کی ٹانگ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔

"آہ.........." وہ ٹانگ پکڑ کر زمین پر لڑھک گیا۔ "بالے مجھے معاف کر دے.......... معاف کر دے.........."

"معاف کر دوں.......... تجھے.......... نہیں کتے، حرامی.......... تُو معاف کئے جانے کے قابل نہیں ہے۔" میں نے آگے بڑھ کر اس کے بال پکڑ لئے۔

"بھاء جی.......... بھاء جی.........."

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

میں اچھل کر کھڑکی کی طرف بھاگا۔ صغرا کی چیخوں نے مجھے جھنجوڑ دیا تھا۔ میں کھڑکی سے کود کر باہر پہنچ گیا۔ راجو کا چوکیدار صغرا کا منہ بند کئے اسے ایک طرف گھسیٹ رہا تھا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس پر گولی چلا دی۔

وہ اچھل کر گرا۔ میں نے صغرا کو گھسیٹا

اسی وقت جنگل گولیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ ادھر راجو کے ساتھی چیختے ہوئے میرے پیچھے بھاگے۔ میں صغرا کو لے کر جنگل میں اندر کی طرف بھاگا۔ یوں لگتا تھا جیسے پورے جنگل میں گولیاں چل رہی ہوں۔ چاروں طرف سے' میں بوکھلا کر پلٹا اور درختوں کے جھنڈ میں گھس گیا۔ اس طرف غضب کا اندھیرا تھا۔ میں صغرا کو پکڑے اندر ہی اندر بڑھتا چلا گیا۔

اچانک مجھے انسپکٹر کی آواز سنائی دی جو چیخ چیخ کر مجھے باہر آ جانے کو کہہ رہا تھا۔ میں رکے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔ مجھے یاد آ گیا کہ انسپکٹر ڈاکوؤں سے مقابلے کے لئے اسی جنگل میں آیا ہوا تھا۔ اسے بھی میرے بارے میں خبر مل چکی تھی۔ اب پولیس کے علاوہ راجو کے ساتھی بھی میرے تعاقب میں تھے۔ میں جلد از جلد پہاڑیوں تک پہنچ جانا چاہتا تھا مگر صغرا سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ میں اسے گھسیٹ رہا تھا۔

"بھاء جی........... میں نہیں چل سکتی۔ تو چلا جا........... ورنہ وہ لوگ تجھے مار دیں گے۔"

"نہیں صغرا........... تجھے لینے تو آیا تھا میں' پھر تجھے کیسے چھوڑ دوں پگلی۔"

"وہ تجھے مار دیں گے۔ بھاء جی........... تو چلا جا..........." صغرا نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

اسی وقت بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں اور صغرا جھاڑیوں میں دبک گئے۔ اچانک ٹارچ روشن ہو گئی۔ میرا سانس رک گیا۔ روشنی کا دائرہ آہستہ آہستہ اس جھاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا جس میں ہم دبکے بیٹھے تھے۔ میں نے چاہا کہ گولی چلا دوں مگر میں رک گیا۔ فالتو گولیاں میرے پاس نہیں تھیں اور اب تک میں دو گولیاں ضائع کر چکا تھا۔ میں نے گولی نہیں چلائی۔ میں کسی صورت ان لوگوں کے ہاتھ نہیں آنا چاہتا تھا۔ گولی چلانے پر وہ میری پوزیشن سے واقف ہو جاتے اور مجھے گھیر لیتے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں نے سوچ لیا تھا کہ جان دے دوں گا مگر ان کے ہاتھ نہیں آؤں گا۔ میں خاموشی سے دبکا رہا۔ خدا میرے ساتھ تھا۔ روشنی کا دائرہ مجھ سے دور ہو گیا۔

"یہاں کوئی نہیں ہے۔" ایک آواز سنائی دی جو ہم سے بہت قریب تھی۔

"تلاش کرو۔ چاروں طرف پھیل جاؤ۔ بچ نہ سکے۔" انسپکٹر کڑکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"سر آگے جانا خطرناک ہے۔ اس طرف ڈاکو ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔ تم دائیں جانب سے آگے بڑھو۔" انسپکٹر نے کہا اور پھر قدموں کی آوازیں دور ہوتی چلی گئیں۔ میں جان گیا تھا کہ آگے ڈاکو ہیں مگر مجھے انسپکٹر اور زمیندار کے آدمیوں سے ہر حال میں بچنا تھا۔ میں صغرا کو لئے پہاڑیوں کی سمت بڑھنے لگا۔

وقت گزرتا رہا' سناٹا گہرا ہو گیا۔ کبھی کبھی سوکھی جھاڑیوں کے چرمرانے کی آواز سنائی دیتی اور بس۔ میں تقریباً ایک گھنٹے بعد پہاڑیوں کے دامن میں پہنچ گیا۔

اب مجھے ان پہاڑیوں کے اوپر چڑھنا تھا۔ پہاڑیوں کے اُس طرف جانا ضروری تھا' یہاں تو انسپکٹر اور زمیندار کے کتے ہماری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔

صغرا کی حالت بہت خراب تھی۔ اس کے پیروں میں کانٹے چبھے ہوئے تھے۔ اسے چلنے میں بہت دشواری ہو رہی تھی مگر وہ بے چاری پھر بھی ہمت سے کام لے رہی تھی۔

ہم نے اب آہستہ آہستہ پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا۔ بارش کی وجہ سے پہاڑی پر کائی جمی ہوئی تھی' پاؤں جمانا بے حد دشوار ہو رہا تھا۔ میں آہستہ آہستہ اوپر چڑھ رہا تھا' صغرا مجھ سے آگے تھی۔ میں اسے اوپر چڑھنے میں مدد دے رہا تھا۔

"بھاء جی........... مجھ سے نہیں ہوتا۔" وہ رو پڑی۔

"ٹھہر جا صغرا میں آگے آ جاؤں پھر تجھے اوپر کھینچ لوں گا۔" یہ کہہ کر میں صغرا سے آگے ہو گیا۔ بائیں جانب ایک چھوٹا سا غار بنا ہوا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہاں پہنچ کر میں کچھ دیر ٹھہر جاؤں تاکہ صغرا کو کچھ آرام مل سکے۔ جونہی میں اس سے آگے چڑھا' فائر کی آواز آئی اور ساتھ ہی صغرا کی چیخ گونجی۔ میں نے جھپٹ کر صغرا کا بازو پکڑ لیا ورنہ وہ گر جاتی۔

"خود کو پولیس کے حوالے کر دو بالے۔ تمہیں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔"

انسپکٹر کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی پہاڑی کے اوپر سے فائرنگ شروع ہو گئی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گہری رات میں چاروں طرف جگنو سے اُڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ شاید ڈاکوؤں نے پولیس پر حملہ کر دیا تھا۔ پولیس بھی ان کے مقابلے پر ڈٹ گئی۔ میں نے اس ہنگامے سے فائدہ اٹھایا اور صغرا کو اوپر کھینچ لیا۔ "صغرا............ صغرا............"

مگر وہ خاموش تھی۔ میں گھبرا گیا۔ اسے لٹا کر میں نے ماچس کی تیلی جلائی اور چیخ پڑا۔ صغرا بے سُدھ میرے سامنے پڑی تھی۔ اس کی پشت سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے کان اس کے سینے سے لگا دیا۔ اس کی نبض ٹٹولی' جو بہت آہستہ چل رہی تھی۔

اسے پانی کی ضرورت تھی جو میرے پاس نہیں تھا۔ میں نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔ اس میں اب بھی حرکت نہ ہوئی۔ میں پاگل ہو گیا۔ میں نے باہر نکل کر ساری گولیاں نیچے کی طرف چلا دیں۔ اب پستول خالی ہو چکا تھا۔ میں پھر بھاگ کر اندر آیا جہاں صغرا بے حس و حرکت پڑی تھی اس کے چہرے پر سکون چھایا ہوا تھا۔

ماچس کی آخری تیلی کی روشنی میں وہ بے حد پُرسکون لگ رہی تھی۔ میں اس سے لپٹ کر رو دیا۔

اچانک کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں اچھل پڑا۔ سر اٹھایا تو ایک لمبا تڑنگا آدمی چہرے کو کپڑے سے چھپائے' ہاتھ میں بندوق پکڑے کھڑا تھا۔

کون ہے یہ............؟" اس نے بندوق کی نال سے صغرا کی طرف اشارہ کیا۔

"میری............ میری بہن صغرا............؟"

"اٹھاؤ اسے............ جلدی وقت کم ہے۔"

یہ کہہ کر وہ غار سے باہر چلا گیا۔ نیچے کی جانب اس نے یکے بعد دیگرے دو فائر کئے اور مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے فوراً صغرا کو کندھے پر ڈال لیا۔

وہ جو بھی تھا میرے لئے فرشتۂ رحمت ثابت ہوا تھا۔ ورنہ میں تو ہار چکا تھا۔ صغرا زخمی حالت میں پڑی تھی اور میرا پستول خالی ہو چکا تھا اگر یہ شخص نہ آ جاتا تو شاید پولیس مجھے ایک بار پھر گرفتار کر لیتی۔

میں صغرا کو لئے ہوئے باہر آ گیا۔ ہم آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگے۔ صغرا کو لے کر اوپر چڑھنا بڑا مشکل تھا مگر وہ شخص میری مدد کر رہا تھا۔ پچویشن ایسی تھی کہ ہم کسی وقت بھی گولیوں کی زد میں آ سکتے تھے۔ کبھی کبھی تو اسے بندوق کو کندھے پر لٹکا کر مجھے سہارا دینا

پڑتا تھا۔ نیچے سے اب بھی گولیاں چل رہی تھیں۔

"تم دائیں طرف سے گھوم کر پیچھے چلے جاؤ۔ وہاں ہمارے دوسرے ساتھی ہیں' جلدی کرو' میں انہیں روکتا ہوں۔ اسے فوراً لے جاؤ۔ ورنہ یہ مر جائے گی۔ جلدی............"

میں لحہ بھر کو سن رہ گیا۔ صغرا کی موت کا خیال آتے ہی مجھ میں بجلیاں سی بھر گئیں اور میں نے رفتار تیز کر دی۔ اب قدرے ہموار رستہ شروع ہو گیا تھا مگر بارش کی وجہ سے پھسلن بہت تھی۔ میں اسی جانب بڑھ گیا جس جانب اس شخص نے اشارہ کیا تھا۔ وہ شخص وہیں کونے میں دبکا فائرنگ کر رہا تھا۔ پولیس والوں کی تمام توجہ اسی جانب تھی۔ میں اس بوچھاڑ سے محفوظ تھا۔ میرے پیر زخمی ہو چکے تھے' نوکیلے پتھروں نے میرے پیروں کو لہولہان کر دیا تھا۔ پھر صغرا کو اٹھا کر چلنا اور بھی مشکل ہو گیا تھا مگر تقریباً پندرہ منٹ بعد ہی میں ایک کھلے علاقے میں پہنچ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہاں سے پہاڑیوں کو تراش دیا گیا ہو۔ یہ جگہ ایک چھوٹی سی وادی بن گئی تھی جو چاروں طرف سے پہاڑیوں سے گھری ہوئی تھی۔

میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ بدن پسینے سے شرابور تھا۔ مجھے ابھی تک اس شخص کے ساتھی نظر نہیں آئے تھے۔ اب ہمت جواب دیتی جا رہی تھی مگر صغرا کو مدد کی ضرورت تھی۔ اسی خیال سے میں آگے بڑھا۔ ابھی چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ اچانک دائیں جانب کے کٹاؤ سے دو آدمی میرے سامنے آ گئے۔ دونوں نے میری جانب بندوقیں تانی ہوئی تھیں۔ میں انہیں دیکھ کر گھبرا گیا۔

"خبردار............ ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو............"

میں بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ "وہ............ وہ تمہارا ساتھی............"

"کون ہو تم............ اور یہ............؟" ان میں سے ایک نے گرج کر پوچھا۔

"میں بالا ہوں............ یہ صغرا ہے میری بہن............ زخمی ہے' اسے مدد کی ضرورت ہے ورنہ یہ مر جائے گی............ گولی لگی ہے اسے۔" اسی وقت دو آدمی اور میرے سامنے آ گئے۔ وہ چاروں مجھے خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔

"اسے بچالو............ مجھے اس نے............ اس نے کہا تھا............ یہ مر جائے گی

"............ میں بالا ہوں' پولیس .... وہ زمیندار کے آدمی' تمہارے ساتھی نے............"

اچانک مجھے احساس ہوا کہ سب گہری خاموشی سے میری طرف دیکھ رہے ہیں اور میرے منہ سے بے ربط جملے نکل رہے ہیں۔ میں اول فول بکے جا رہا ہوں۔ میں ایک دم خاموش ہو گیا۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں نے اس شخص سے نام نہ پوچھ کر بڑی غلطی کی ہے۔ اگر میں اس سے نام پوچھ لیتا تو یہ لوگ مجھ پر اعتبار کر لیتے۔ اسی وقت وہ شخص بھی آ گیا۔ میری جان میں جان آئی ورنہ ان پتھر چہرے والوں کی سرد مہری نے تو مجھے دہلا دیا تھا۔

"جانے دو اسے۔" اس نے ان چاروں کو دیکھ کر کہا۔ "اور سنو منگی' تم اور سلطان پولیس کو اس طرف آنے سے روکو' دوسری طرف نکل جاؤ........... فائرنگ کرتے رہو .... ان کی توجہ دوسری جانب ہو جانی چاہیے۔"

"اس طرف قادر اور کریم ہیں۔" ایک نے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں مگر تم جاؤ۔ جو بھی سامنے آئے بھون کر رکھ دینا اور سنو راجہ کہاں ہے؟"

"اندر ہے۔" مختصر جواب ملا اور ان چاروں میں سے دو آدمی اس طرف چلے گئے جہاں کے لئے میرے محسن نے انہیں کہا تھا۔

"آؤ..........." اس شخص نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ میرے کندھے شل ہو چکے تھے' قدم ڈگمگا رہے تھے' ایک قدم بھی چلنا دوبھر ہو رہا تھا مگر میں نے ہمت کی اور اس کے پیچھے چل پڑا۔

ہم چند قدم بعد ہی ایک ایسی جگہ پر پہنچ گئے جسے غار کہا جا سکتا تھا مگر یہ غار بہت بڑا تھا۔ اس کے دوسری طرف بھی دہانہ تھا جس پر پتھر رکھ کر بند کیا گیا تھا مگر اب بھی اتنی جگہ تھی کہ ایک آدمی با آسانی اس جگہ سے گزر سکتا تھا۔ اندر فرش پر گھاس پھیلی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ بڑے بڑے پتھر رکھے تھے جن پر مختلف چیزیں اور برتن رکھے ہوئے تھے۔ لگتا تھا یہ ان کا مستقل ٹھکانہ ہے۔

"اسے یہاں لٹا دو۔" میرے ساتھ آنے والے شخص نے گھاس کی طرف اشارہ کیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں نے صغرا کو وہاں لٹا دیا۔ اس جگہ روشنی کم تھی مگر اس کم روشنی میں بھی صغرا کا سفید چہرہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے اسے تھپتھپایا۔ ہلایا' آوازیں دیں مگر صغرا میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ "اسے .... دیکھو............" میں نے گھبرا کر سر اٹھایا اور اپنے چاروں طرف کھڑے آدمیوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

وہ پانچ تھے جو میرے قریب کھڑے حیرت سے مجھے اور صغرا کو دیکھ رہے تھے۔

"گرم پانی لاؤ۔" ایک اونچے قد کے آدمی نے کہا اور آستین چڑھا کر صغرا کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے صغرا کو پشت کے بل لٹایا اور اس کے زخم کو غور سے دیکھنے لگا۔ اس نے باقی لوگوں کو باہر بھیج دیا تھا۔ صرف وہی شخص ہمارے قریب رہ گیا تھا جو مجھے اور صغرا کو یہاں تک لایا تھا۔

ذرا دیر بعد ایک شخص گرم پانی لے آیا۔ میں نے اس اونچے قد کے آدمی کو غور سے دیکھا جو کسی ماہر ڈاکٹر کی طرح صغرا کے زخم کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر گھنے اور سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں اتنی بڑی اور گہری سیاہ تھیں کہ میں نے آج تک ایسی آنکھیں نہیں دیکھیں تھیں۔ اس کے چہرے پر بلا کا رعب تھا۔ آواز بھی بہت گرج دار تھی۔ اس کے چہرے پر سیاہ مونچھیں اور سیاہ داڑھی نے رعب پیدا کیا تھا۔ اس نے آگ جلانے کو کہا تو میرا محسن اسٹوو لے آیا۔ اس نے جلدی جلدی مٹی کے تیل کے اس چولہے میں ہوا بھری اور پھر تیلی دکھا دی چولہا تیز آواز سے جل اٹھا۔

چند لمحے وہ تیز دھار والا چاقو آنچ پر رکھے رہا پھر اس نے بڑے ماہرانہ انداز میں صغرا کے زخم میں سے گولی نکال لی۔ میں دانت بھینچے صغرا کو دیکھتا رہا مگر اس میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ مجھے خوف آنے لگا' صغرا کی اس بے حسی سے' اس خاموشی سے۔

اس نے زخم کو دھو کر اس پر عجیب سا مرہم لگایا اور روئی کا پھایا رکھ کر اسے ٹیپ سے چپکا دیا۔

"اس کے پاؤں بھی زخمی ہیں۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ چند لمحے مجھے گھورتا رہا پھر رعب دار آواز میں بولا۔

"تو مرد ہے یا عورت؟" اس کے لہجے میں ناراضگی تھی۔

"میں........... اس وقت صرف بھائی ہوں صاحب..........."

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہ دو منٹ جبڑے بھینچے مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے صغرا کے پیروں سے کانٹے نکال کر ان پر بھی مرہم لگا دیا۔ وہ کھڑا ہو کر کپڑے سے ہاتھ پونچھنے لگا۔

"یہ.......... یہ بے حس کیوں.......... یہ ٹھیک ہے نا.......... ٹھیک ہو جائے گی؟"

"پتا نہیں.........." اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "جو ہم کر سکتے تھے کر دیا.......... اب جو کچھ کرنا ہے خدا نے کرنا ہے.........." یہ کہہ کر وہ ایک بڑے سے پتھر پر جا بیٹھا۔

میں بے دم سا صغرا کے قریب جا بیٹھا۔ اس کے معصوم چہرے پر کرب تھا۔ میری آنکھیں بھیگ گئیں تو میں نے سر گھٹنوں میں دے لیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ لوگ مجھے روتا دیکھیں۔

"لے چائے پی.........."

میں نے سر اٹھا کر دیکھا میرا محسن تام چینی کا مگا ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر مگا اس سے لے لیا۔ وہ میرے قریب ہی بیٹھ گیا۔ "اب بول کیا چکر ہے.......... تو کون ہے اور یہ سب کیسے ہوا؟"

پھر میں نے دھیرے دھیرے اسے ساری کہانی سنا دی۔ جب میں نے بتایا کہ راجو صغرا کو اٹھا لایا تھا اور اس کو لوٹنا چاہتا تھا کہ میں پہنچ گیا تو وہ کشادہ پیشانی اور رعب دار چہرے والا غرا اٹھا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس نے پاس پڑے ہوئے پتھر کو زور دار ٹھوکر ماری، پتھر میرے چائے کے مگ سے ٹکرایا اور مگا فرش پر لڑھک گیا۔ اس کی حالت کسی شیر کی سی ہو رہی تھی۔ وہ تیز قدموں سے ٹہلنے لگا۔ اس کی آنکھیں ایک دم سرخ ہو گئیں اور چہرے پر زلزلے کے سے آثار پیدا ہو گئے۔

میں سہم کر چپ ہو گیا۔

"یہ راجہ ہے.......... ہمارا سردار.......... اس کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا مگر اس نے خود ہی ان درندوں کے پنجے میں پھنسی اپنی بہن کو گولی مار دی۔ اگر نہ مارتا تو.......... جانے کیا ہو جاتا۔ ان لوگوں نے اس کے بھرے گھر کو آگ لگا دی تھی۔ بھائی، بھاوج بھتیجا اور ماں باپ سب زندہ جل گئے یہ پاگل ہو گیا اس نے زمیندار کے آٹھ آدمیوں کو قتل کر دیا اور پھر.......... ڈاکو بن گیا۔ ہم سب ان بڑے لوگوں کے ڈسے ہوئے ہیں۔" میرے

محسن نے سرگوشیوں میں بتایا۔ میرے بدن میں جھرجھری دوڑ گئی تھی۔ میں نے نگاہ اٹھا کر اس ببر شیر کو دیکھا جس کی حالت آہستہ آہستہ معمول پر آ رہی تھی پھر اچانک وہ پُر سکون ہو گیا۔ ایک دم خاموش، جیسے پتھرا گیا ہو۔

دیر ہو گئی تھی مگر صغرا اب تک بے ہوش پڑی تھی۔ میں ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔ میرا محسن قریب ہی فرش پر پڑی گھاس پر لیٹا ہوا چاقو سے ایک لکڑی کو چھیل کر اسے نوکیلا بنا رہا تھا۔ راجہ پتھر سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا قمیض شلوار پہنا ہوا تھا۔ سیاہ رنگ کی ایک چادر اس کے کندھوں پر پڑی تھی۔ ایک کندھے پر بندوق اور دوسرے کندھے پر گولیوں کی پیٹی تھی۔ پیروں میں بھاری بوٹ تھے اور ایک ہاتھ میں فیروزے کی بڑی سی انگوٹھی تھی۔

اس کے بڑے بڑے ہاتھوں اور موٹی موٹی انگلیوں کو دیکھ کر ہی اس کی بے پناہ طاقت کا اندازہ ہوتا تھا۔ میں اس کی شخصیت سے بے انتہا متاثر ہو گیا تھا۔ مجھے اس کے مضبوط اور سپاٹ چہرے پر صرف اس کی آنکھوں میں زندگی نظر آئی تھی، سسکتی مگر ٹھاٹھیں مارتی زندگی۔ زندگی سے پیار اور نفرت دونوں تھی ان آنکھوں میں۔ میں نے اتنی بے ترتیب آنکھیں آج سے پہلے کسی چہرے پر نہ دیکھی تھیں۔ ایسی گہری اور بولتی بلکہ چیختی ہوئی آنکھیں کہ جن کو دیکھ کر آدمی کے پورے وجود میں شور سا بلند ہو جائے۔ میں بھی خود میں ویسا ہی شور محسوس کر رہا تھا ایسے جیسے سمندر کی بپھری ہوئی موجیں پتھریلی چٹانوں سے سر پھوڑ رہی ہوں۔ بے پناہ خاموشی میں اٹھتا ہوا شور مجھے بے چین کر رہا تھا۔

"ام.......... اماں.........." صغرا کی آواز پورے غار کی خاموشی کو چیر گئی۔

"صغرا.......... صغرا میری بہن.......... کیسی ہے تو..........؟" میں بے اختیار اس پر جھک گیا۔ راجہ نے چونک کر آنکھیں کھول دی تھیں اور میرا محسن اٹھ بیٹھا تھا۔

"پپ.......... پانی.........." صغرا کے پپڑائے ہوئے ہونٹ ہلے۔

مجھ سے پہلے ہی میرے محسن نے اٹھ کر چھاگل میری طرف بڑھا دی۔ میں نے پانی کی چھاگل صغرا کے سوکھے ہونٹوں سے لگا دی۔ اس نے گھونٹ بھر پانی پیا اور کمزوری سے آنکھیں بند کر لیں۔

میرے محسن نے، جس کا نام تو نہ معلوم کیا تھا مگر راجہ نے اسے خان کہہ کر مخاطب

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کیا تھا' روٹی میرے ہاتھ پر رکھ دی جس میں پنیر کا ٹکڑا لپٹا ہوا تھا۔ "یہاں اس کے سوا کچھ نہیں .... یہی کھلا دو' کچھ طاقت آ جائے گی۔"

میں نے اس سے روٹی لے لی اور چھوٹا سا نوالہ بنا کر صغرا کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور منہ میں نوالہ رکھ لیا مگر وہ اس سے چبایا نہیں جا رہا تھا۔ شاید اسے چبانے سے تکلیف ہو رہی تھی۔ روٹی بھی تو بہت سخت تھی۔ میں نے بے بسی سے خان کو دیکھا۔ اس نے کندھے اچکا کر صغرا کی طرف دیکھا۔

"نہیں.......... نہیں ہوتا.........." صغرا نے تھکن سے چُور لہجے میں جواب دیا۔

میں نے روٹی ہاتھ سے رکھ دی اور اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ صغرا نے آہستہ سے سر گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ غار میں اس وقت راجہ اور خان کے سوا کوئی نہ تھا۔ اچانک وہ خوف زدہ ہو گئی۔ اس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں ہزاروں سوال چھلک آئے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ خود کو ان لوگوں میں دیکھ کر سہم گئی ہے۔

"یہ.......... یہ ہمارے محسن ہیں صغرا.......... انہوں نے تیری اور میری جان بچائی ہے ورنہ پولیس اور زمیندار کے آدمی ہمیں پھر پکڑ لیتے۔"

پھر شاید اسے سب کچھ یاد آ گیا۔

"بھاء جی.......... اماں.......... اور بابا..........؟" وہ ایک دم رو پڑی۔

"بابا..........!" میرے منہ سے ایک کراہ نکلی۔ "بابا اب دنیا میں نہیں رہا صغرا اور اماں.......... انہی درندوں کی کچھار میں رہ گئی۔ اس نے مجھے رکنے ہی نہ دیا تیرے بارے میں بتایا تو میں.......... میں بھی پاگل ہو گیا.......... سب کچھ بھول گیا اور اسے وہیں چھوڑ آیا.......... جانے وہ کس حال میں ہو گی مگر.......... میں.......... میں جاؤں گا.......... اسے لے کر آؤں گا۔ ہاں اسے وہاں چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اسے بھی مار دیں گے۔" میں بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔

"پاگل ہو گیا ہے تو..........؟ وہ اب تک مر چکی ہو گی اور نیچے پولیس ہے۔ ہمارے آدمی اب بھی مقابلہ کر رہے ہیں' اگر وہ لوگ گھیرا توڑ چکے ہوتے تو ہمیں اطلاع کرنے ضرور آتے۔" خان نے کہا۔

"مگر اماں.........." صغرا نے اسے خوف زدہ نگاہوں سے دیکھا۔

"مجھے افسوس ہے.......... مگر ہم اس وقت اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ سویرا ہونے والا ہے۔ رات سے پہلے ہم یہاں سے نکل بھی نہیں سکتے اور ویسے بھی اب یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں۔ تم لوگ چاہو تو رک سکتے ہو۔" خان نے بے تعلقی سے کہا۔

"خان ٹھیک کہتا ہے صغرا' ہم اس وقت کچھ بھی نہیں کر سکتے' بس خدا سے دعا کرو.........." میں نے دھیرے سے جواب دیا اور صغرا رو پڑی۔

اسی لمحے اچانک ایک دھماکے کی آواز آئی۔ میں اچھل کر کھڑا ہو گیا مگر مجھے فوراً ہی ساکت ہو جانا پڑا۔ راجہ نے ایک بار پھر پاس پڑے پتھر کو زور دار ٹھوکر ماری تھی اور وہ پتھر چٹان سے ٹکرا' گونج دار آواز پیدا کرتا ہوا زمین پر آ گرا تھا۔

"اسے خاموش کراؤ۔" اس نے غراتے ہوئے لہجے میں خان سے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

صغرا سہم کر چپ ہو گئی۔ میں حیران کھڑا اس جانب دیکھ رہا تھا جس طرف راجہ گیا تھا۔

"یہ.......... کسی کو روتا نہیں دیکھ سکتا اور.......... خاص طور پر کسی عورت کے رونے کی آواز سن کر پاگل ہو جاتا ہے۔ تم گھبراؤ نہیں۔ راجہ دل کا بہت اچھا اور نیک ہے۔ مگر.......... کچھ کھسکا ہوا ہے۔ تم.......... مت گھبراؤ۔" خان نے مجھ سے اور صغرا سے کہا اور راجہ کے پیچھے باہر چلا گیا۔

"بھاء جی.......... یہ.......... یہ کون لوگ ہیں..........؟"

"یہ ڈاکو ہیں صغرا.......... وہی ڈاکو جن سے پولیس مقابلہ کر رہی تھی۔" پھر میں نے صغرا کو سب تفصیل بتائی کہ کس طرح خان اچانک آ گیا تھا اور ہم کس مشکل اور دشواری سے اسے یہاں تک لائے اور پھر کس طرح راجہ نے اس کی پشت سے گولی نکالی تھی صغرا حیران آنکھوں سے ساری بات سنتی رہی۔ "ان لوگوں سے تو یہ ڈاکو اچھے ہیں.........." اس نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بس اب تُو چپ رہ' آرام کر' تجھے اتنا بولنا نہیں چاہئے۔ سوچا.......... معلوم نہیں ہمیں کب یہاں سے جانا پڑے' تجھے اس حالت میں لے کر جانا بہت مشکل ہو گا۔" میں نے اس کے رخسار کو تھپتھپایا۔

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس نے فرماں برداری سے فوراً ہی آنکھیں موند لیں۔ میں چپکے سے باہر چلا آیا۔ ایک طرف راجہ اور خان کھڑے تھے۔ گہری خاموشی تھی۔ گولیاں چلنے کی آواز بھی اب نہیں آ رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد دو آدمی نیچے سے اوپر آ گئے' آنے والوں نے آواز دے کر اپنے بارے میں بتا دیا تھا ورنہ شاید خان آہٹ پر گولی چلا دیتا۔

"کیا ہوا؟" خان نے آنے والے سے پوچھا۔

"شاید وہ لوگ تھک گئے ہیں خان .... لیکن واپس نہیں گئے۔"

"ٹھیک ہے' اب فائرنگ نہ کرو' گولیاں ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہم پھر کسی وقت ادھر آئیں گے۔"

آج کا دن ہمیں بہرحال یہیں گزارنا ہے۔ پہرا کھڑا دینا۔"

"جی خان' وہاں عبدل' بشیرا اور دوسری طرف کریمو اور اللہ داد ہیں۔ میں نے ہدایت کر دی ہے وہ چوکنے رہیں گے۔ دو گھنٹے بعد ہم ڈیوٹی بدل لیں گے۔" آنے والے نے کہا۔

راجہ ویسے ہی کھڑا دور آسمان پر ٹمٹمانے والے آخری ستارے کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ میری طرف پلٹا۔ "کیا نام ہے تیرا؟"

"جی بالا........... صاب........... اقبال نام ہے' سب لوگ بالا کہتے ہیں۔"

"بس یہی بچی ہے؟" اس نے غار کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

میں سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ صغرا کی طرف ہے۔ "جی........... گھر میں سے تو یہی بچی ہے پر..........."

"پر کیا؟" اس نے حسبِ عادت اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اماں........... سوہنی اور ماسی میراں ابھی گاؤں میں ہیں۔" میں نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

"سوہنی اور ماسی میراں کون ہے؟"

"جی سوہنی........... میری ہے..........." میں پورا جواب نہ دے سکا اور خاموش ہو گیا۔

"ہوں........... تیری منگ ہے؟" اس نے پُر سوچ انداز میں دیکھا۔

"جی........... بس یہی سمجھ لیں اور میراں اس کی ماں ہے۔"

"زمیندار جانتا ہے یہ بات؟"

"نہیں........... جی اسے کچھ پتا نہیں........... ابھی تو کسی کو بھی کچھ نہیں پتا..........."

"پھر ان کی فکر چھوڑ دے۔ وہ فی الحال محفوظ رہیں گی مگر تیری ماں..........."

"میں اس کے لئے بہت پریشان ہوں صاب..........." ماں کے ذکر نے مجھے بے چین کر دیا۔

"کیا نام تیری ماں کا؟"

"جی زینب نام ہے مگر سب اسے زیبو کہتے ہیں۔"

"سلطان کو پتا سمجھا دے اپنے گھر کا بھی اور وہ کون ہے........... تیری منگ........... کیا نام ہے اس کا...........؟"

"سوہنی........... سوہنی نام ہے۔"

"ہاں سوہنی کا۔ سلطان سویرے گاؤں جائے گا اگر موقع مل گیا تو........... پتا کر لے گا ان کا..........." اس نے کہا اور ایک دم خاموش ہو گیا۔ کچھ سوچنے لگا۔

پھر ہم اندر آ گئے۔ صغرا بے خبر سو رہی تھی۔ میں وہیں قریب ہی چٹان سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ راجہ اور خان اندر آ چکے تھے جبکہ منگی اور سلطان غار کے دہانے پر پڑے پتھروں پر بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے۔ اندھیرا آہستہ آہستہ ملگجا ہوتا جا رہا تھا۔ آسمان پر ٹمٹمانے والے ستارے بھی دھندلے ہوتے جا رہے تھے۔

مجھے سخت بھوک لگی تھی مگر میں جانتا تھا کہ یہاں کچھ مل جانا بہت مشکل ہے۔ روٹی اور پنیر کا ٹکڑا اب بھی صغرا کے پاس گھاس پر رکھا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ اٹھا لیا اور آہستہ آہستہ اس کے نوالے چبانے لگا۔ سوکھی روٹی اور پنیر کے ٹکڑے نے مجھ پر غنودگی طاری کر دی۔ میں کئی راتوں کا جاگا ہوا تھا۔ اس وقت سویا تو ایسا بے سُدھ ہو گیا کہ گھنٹوں ہوش نہ آیا۔

ہوش مجھے اپنے جھنجوڑے جانے پر آیا۔ خان مجھ پر جھکا ہوا مجھے آوازیں دے رہا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھا۔ اس کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔ میں اچھل کر اٹھ بیٹھا۔

"کک.......... کیا ہے؟"

"تمہاری بہن.........." اس نے صغرا کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا ہوا؟" میں بے ساختہ چیختا ہوا اس کی طرف لپکا۔ راجہ اس کے قریب بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

"صغرا.......... صغرا.........." میں نے اسے ہلایا' آوازیں دیں مگر وہ یونہی بے سُدھ پڑی رہی۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ اس کا جسم ٹھنڈا ہے' یخ' جیسے وہ برف کی بنی ہوئی ہو۔

میں پتھرا گیا۔ مجھے ابا کا جسم یاد آگیا جس سے میں اندھیرے کمرے میں ٹکرا گیا تھا۔ وہ بھی تو برف کی طرف لگا تھا مجھے.......... پھر کیا..........؟ "نہیں.......... نہیں.......... راجہ.......... خان .... یہ نہیں ہو سکتا.......... یہ ہو گیا تو.......... میں ساری دنیا کو آگ لگا دوں گا راجہ.......... سب کو زندہ جلا دوں گا' کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا.........." میں چیخ کر کھڑا ہو گیا۔

صغرا کے قریب بیٹھتے ہوئے مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ میں اس حقیقت سے نگاہیں چرا رہا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ مجھے اس کی موت کا یقین ہو جائے۔ میں پاگلوں کی طرح پورے غار میں چکرا رہا تھا۔

"بالے.......... جو حقیقت ہوتی ہے وہ.......... حقیقت ہوتی ہے۔ تُو خود کو سنبھال.........." خان نے مجھے دونوں کندھوں سے پکڑ کر بھیگے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں بھاگ کر راجہ کے پاس چلا گیا جو صغرا کے پاس سے اٹھ کر ایک اونچے پتھر پر جا بیٹھا تھا اور غار کے دہانے سے نظر آنے والا روشن آسمان دیکھ رہا تھا۔

"راجہ.......... دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے.......... تم دیکھو راجہ وہ ٹھیک ہے.......... ٹھیک ہے وہ.......... وہ تو سو رہی ہے۔ میں نے کہا تھا سونے کو.........."

"مر گئی ہے وہ.........." راجہ ایک دم پلٹ کر چیخ اٹھا۔

"نہیں.......... جھوٹ بولتے ہو تم لوگ۔" میں ہوش کھو بیٹھا۔ میں نے چٹان پر مکے برسانا شروع کر دیئے۔

راجہ نے جھپٹ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا' جو زخمی ہو چکا تھا۔ "بالے .... ہوش میں آ.......... بچوں کی سی باتیں نہ کر' تجھے انتقام لینا ہے' ہوش کھو بیٹھا تو وہ سب بھی چھن جائے گا جو بچ گیا ہے' ابھی تیری ماں ان درندوں کے پاس ہے' تیری سوہنی تیرا انتظار کر رہی ہے۔ تُو نہیں جائے گا تو وہ بھی مر جائے گی.........." ماں کا خیال آتے ہی میں رو پڑا' اور اتنی زور سے رویا کہ باہر سے منگی اور سلطان بھی گھبرا کر اندر آ گئے۔

"کیا ہوا؟" سلطان نے مجھے حیرت سے دیکھتے پوچھا

"کچھ نہیں!" خان نے جواب دیا اور میرے قریب چلا آیا' پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ وہ جانے کیا کیا کہتا رہا مگر مجھے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ میں صغرا کے پاس جا بیٹھا۔ اس کے معصوم چہرے پر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ روشنی ہوئی تو مجھے اس کا زخمی کان نظر آیا۔ شاید کسی نے اس کے کان سے وہ جھمکا اتار لیا تھا جو وہ اُس روز پہنے ہوئے تھی۔ بے ساختہ میرا ہاتھ جیب کی طرف بڑھ گیا۔ دوسرا جھمکا میری جیب میں تھا۔ میرا جی چاہا کہ میں اُڑ کر حویلی پہنچ جاؤں اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں۔ راجو کی آنکھیں اپنی انگلیوں سے نکال لوں۔ زمیندار کی داڑھی نوچ لوں۔ اس کے گھر میں آگ لگا دوں مگر.......... میں اس وقت کتنا بے بس تھا۔ میں صغرا سے لپٹ کر روتا رہا اور خان مجھے تسلی دیتا رہا۔ راجہ مجھے سرخ آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تو نہیں تھے مگر پھر بھی اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"صغرا.......... بہن میں نے تو سونے کو کہا تھا.......... اور تُو.......... تُو.........." میں بلک رہا تھا۔ مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے اس سے بہت سی باتیں کیوں نہ کیں۔ کیوں اسے سونے کو کہا.......... کیوں اٹھ کر باہر چلا گیا۔

"بالے.......... بس کر.......... مرد بن مرد' عورتوں کی طرح بسورتے ہوئے مرد کسی قابل نہیں ہوتے۔" راجہ نے آہستہ سے کہا مگر اس کی آواز پورے غار میں گونج اٹھی

"میرے سامنے میری بہن کی لاش پڑی ہے راجہ.......... اگر میری جگہ تُو ہوتا تو.......... تُو بھی پاگل ہو جاتا۔ چار دن میں میرا گھر بکھر گیا' میرا باپ مر گیا' ماں قید ہو گئی' میرا بھرا گھر ختم ہو گیا اگر یہ سب.......... یہ سب تیرے ساتھ ہوتا تو کیا تُو یونہی پتھر بنا رہتا۔ یہ تیری بہن نہیں ہے نا.......... اس لئے تُو ایسی باتیں کر رہا ہے.......... اگر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یہ .... یہ ...."

"بس کر............" خان ایک دم چیخ اٹھا۔ راجہ تیزی سے باہر چلا گیا۔

میں خاموش ہو گیا مگر میری آنکھوں سے بہنے والے آنسو نہ تھمے۔ خان کچھ دیر مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر وہ بھی باہر چلا گیا۔ میں صغرا کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لئے وہیں بیٹھا رہا۔

آدھے گھنٹے تک کوئی بھی غار میں نہ آیا اور میں اپنے خوبصورت ماضی کو یاد کر کے روتا رہا............ بابا کو' اماں کو' ہنستی مسکراتی اور مجھے چڑاتی ہوئی صغرا کو اور سوہنی کو............ جانے کتنی دیر بیت گئی' صغرا کا جسم برف کی سِل بن گیا۔ جانے رات کس وقت اس نے مجھ سے منہ موڑ لیا تھا' جانے کتنی دیر گزر چکی تھی۔

اچانک آہٹ سن کر میں چونک اٹھا۔ خان میرے قریب کھڑا تھا۔ "اٹھ بالے............ قبر تیار ہے' اسے اٹھا لے۔"

"قبر............!" میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر سامنے پڑی صغرا کو تکنے لگا۔

"ہاں قبر............ تیری بہن شاید گاؤں سے دور نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس لئے تو یہاں............ چل اٹھ' ہم یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتے۔ پولیس ہمارے اس ٹھکانے سے واقف ہو چکی ہے۔ ممکن ہے وہ لوگ شہر سے مدد بلا لیں۔ ہمیں یہاں سے جلد ہی روانہ ہو جانا چاہئے۔"

میں نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"چل بالے............ تُو تو سمجھ دار ہے' سب کچھ جانتا ہے پھر کیوں حجت کرتا ہے۔ شکر کر کہ تُو اپنی بہن کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتار رہا ہے ورنہ اگر اپنے باپ کی طرح اسے بھی وہاں چھوڑنا پڑتا تو............"

اور میرے بدن میں جھرجھری دوڑ گئی۔ میں آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے آخری مرتبہ صغرا کی پیشانی کو پیار کیا اور اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ ڈالے۔ "یہ آخری آنسو تھے صغرا جو میں نے تجھ پر بہا دیئے............ اب ان آنکھوں سے صرف شعلے نکلیں گے جو ہر اس شخص کو جلا دیں گے جس کی نگاہیں بھی تیری طرف اٹھی تھیں۔ خدا حافظ صغرا............"

خان نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا جیسے تسلی دے رہا ہو۔ میں نے پلٹ کر اسے دیکھا اور دھیرے سے مسکرایا۔

"شاباش میرے شیر............ مرد کو ایسا ہی ہونا چاہئے اور یہ تو راجہ کو کیا کہہ رہا تھا۔ پگلے' اس نے تو اپنے سامنے بھرا گھر جلتے دیکھا ہے۔ جلی ہوئی ان لاشوں کو دیکھا ہے جو چند لمحوں پہلے پیاری پیاری صورتوں میں اس کے چاروں طرف گھوم رہی تھیں' اس کی بیوی' اس کی محبت جو ماں بننے والی تھی وہ بھی مار دی گئی تھی۔ اسے ایسی حالت میں جھاڑیوں میں گھسیٹا گیا تھا۔ لہولہان کر دیا تھا اسے۔ وہ بھی رویا تھا مگر اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں شعلے ٹپکے تھے۔ اس کے منہ سے بَین نہیں شیروں کی سی دھاڑ نکلی تھی پھر اس نے سب کو تہس نہس کر دیا تھا۔ اپنے دشمنوں کو کتوں کی موت مار دیا۔ ذبح کر دیا انہیں اور اب............ اب پولیس سے بچتا پھر رہا تھا کہ اسے ہم لوگوں کی شکل میں کچھ اور مظلوم مل گئے' ہم سب کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ کسی نہ کسی شکل میں' اور راجہ............ اس کی زندگی کا مقصد اب صرف مظلوموں کی مدد کرنا رہ گیا ہے۔ وہ تو تیرے دشمنوں کو بھی چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔ اس لئے نہیں کہ وہ تیرے دشمن ہیں' اس لئے کہ وہ انسانیت کے دشمن ہیں' ظالم ہیں' پیسے اور حیثیت سے دنیا کی ہر چیز خریدنے کا گھمنڈ رکھتے ہیں۔ تُو اسے نہیں جانتا' میں نے اسے صغرا کے سرہانے روتے دیکھا تھا بالے............ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ تُو نہیں جانتا اسے............ وہ سمندروں جیسا پُر شور اور پُرسکون ہے' اس کے وجود میں غموں کے دریا بہتے ہیں پھر بھی وہ خود کو چٹانوں ایسا مضبوط رکھتا ہے مگر پتھر بھی تو پگھل جاتا ہے بالے' اگر پانی کا قطرہ اس پر مسلسل گرتا رہے تو پتھر میں بھی سوراخ کر دیتا ہے۔ چل............ وہ انتظار کر رہا ہے۔"

میں خان کی باتیں سن کر تھرا اٹھا تھا۔ میں تو بھول گیا تھا کہ راجہ خود بھی چوٹ کھایا ہوا ہے۔ مجھے خود پر غصہ آ گیا۔ میں نے جانے اسے کیا کہہ دیا تھا۔ میں شرمندہ بھی تھا۔ میں صغرا کو اٹھا کر باہر لے آیا۔ سورج نہیں نکلا تھا مگر چاروں طرف شفق پھیلی ہوئی تھی۔ خان کے ساتھیوں نے قبر تیار کر لی تھی۔ سب کے چہروں پر حزن تھا۔ سب کی نگاہیں نم تھیں مگر راجہ کا چہرہ پتھر جیسا ہو رہا تھا۔ اس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔

میں نے دھیرے سے صغرا کا بدن قبر کے قریب رکھ دیا پھر میں راجہ کے قریب گیا'

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں اسے سے معافی مانگنا چاہتا تھا مگر حلق سے آواز نہیں نکلی' اس نے میری طرف دیکھا' دھیرے سے مسکرایا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ یوں جیسے اس نے معافی مانگنے سے پہلے ہی معاف کر دیا ہو۔ وہ مجھے لئے ہوئے صغرا کے قریب آیا۔

"یہ .... یہ چہرہ یاد رکھنا بالے اور یہ بھی کہ جب یہ چہرہ بولتا تھا' ہنستا تھا' باتیں کرتا تھا تو کیسا پیارا لگتا تھا تجھے.......... اگر یہ چہرہ بھول گیا تو سب کچھ بھول جائے گا اور جب تُو یہ سب کچھ بھول جائے گا تو سب سے پہلے بے غیرت کہنے والا میں ہوں گا' مار مار کر تیرا چہرہ بگاڑ دوں گا' سن لیا تُو نے' اسے یاد رکھنا اور ان لوگوں کو کتوں کی موت مارنا جنہوں نے تجھ سے وہ ہنستا مسکراتا چہرہ چھین کر یہ بے جان اور سرد چہرہ تجھے دیا ہے۔"

میں نہ چاہتے ہوئے بھی رو پڑا۔

"رو لے.......... آج تجھے رونے کی آزادی ہے بالے.......... اس لئے کہ ابھی تیری بہن تیرے سامنے ہے مگر سن اگر آج کے بعد رویا تو.........." اس کی آواز بھرا گئی وہ مجھے چھوڑ کر ایک دم پلٹ گیا۔ دور چلا گیا۔

چاروں طرف گہری خاموشی تھی۔ میری سسکیاں تھیں اور بس۔

پھر میں نے جانے کس طرح خود کو سنبھال لیا' صغرا کو قبر میں اتارا تو میرا دل بیٹھ گیا' میرے بدن میں درد کی لہریں اٹھنے لگیں۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کی قبر پر مٹی ڈالی اور پھر ایک طرف ڈھے گیا۔

میں کتنی دیر غشی میں پڑا رہا اس کا مجھے اندازہ نہ ہوا۔ یوں لگتا تھا جیسے میرا ذہن سو رہا ہے' میں کچھ بھی سوچنے اور سمجھنے سے قاصر تھا۔ بس آنکھیں تھیں جو ان سب کو سامان سمیٹتے ہوئے دیکھتی رہیں۔

"ہمارے ساتھ چلے گا یا یہیں بیٹھا رہے گا؟" راجہ نے قریب آ کر پوچھا۔ شاید راجہ کے لہجے کی آنچ تھی جس نے میرے سرد جسم میں حرارت دوڑا دی۔

"یہاں کس کے پاس بیٹھوں گا؟" میں نے دھیرے سے جواب دیا۔

"پھر اٹھ.......... تیار ہو جا۔"

میں آہستہ سے اٹھ گیا۔ میں نے کپڑے پر لگی مٹی جھاڑی۔ صغرا کی قبر کے سرہانے بڑا سا پتھر رکھا اور نکلتے ہوئے سورج کو دیکھنے لگا۔ اچانک میں نے خود میں عجیب سی تبدیلی

محسوس کی' یوں جیسے اب تک کا بالا میرے جسم سے نکل کر ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو اور میں.......... میں کوئی اور ہوں مضبوط اور پتھر کی طرح سخت' میری آنکھیں خشک تھیں' دل میں غم کا احساس تک نہ تھا۔ بس ایک آگ تھی جو مجھ میں دھیرے دھیرے سلگنے لگی تھی۔

سب لوگ چلنے کے لئے تیار تھے' میں بھی ان لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ راجہ ان سب کو راستے کے متعلق ہدایات دے رہا تھا۔ اس وقت وہ اس راجہ سے قطعی مختلف لگا جو چند لمحے پہلے دیکھ رہا تھا۔

وہ نو آدمی تھے اور اب مجھے ملا کر دس ہو گئے تھے۔ مجھے سلطان کہیں نظر نہ آیا۔

"سلطان کہاں ہے؟" میں نے خان سے پوچھا

"وہ گاؤں گیا ہے' وہاں کی خبر لے کر ہم سے آگے کہیں آ ملے گا۔ تُو فکر نہ کر میں نے اسے تیرے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور تیری ماں کے بارے میں بھی.......... اس کا نام زینب ہے نا؟"

"ہاں!"

"میں نے بتا دیا ہے اور گاؤں کون سا ایسا بڑا ہے' وہ سب کچھ معلوم کر لے گا' ہم پھر کسی وقت آئیں گے' سب حساب چکتا ہو جائے گا تُو فکر نہ کر۔" خان نے مجھے تسلی دی۔

"مگر ہم جائیں گے کہاں؟"

"یہ فکر تجھے نہیں کرنی۔ ہمارے ساتھ رہنا ہے تو کوئی سوال نہ کرنا۔ ایک بات سمجھ لے ہم ظالم کے دشمن ہیں' چاہے وہ کتنی ہی معصوم شکل کا کیوں نہ ہو۔ تجھے اگر ہم پر اعتبار ہے تو ہمارا ساتھ دینا ورنہ تیرا راستہ الگ ہمارا الگ.........."

"نہیں نہیں خان.......... ایسی بات نہیں ہے.......... آئندہ کوئی سوال نہیں کروں گا۔ میں تم لوگوں جیسا ہوں' تم ہی لوگوں کے ساتھ رہوں گا' جو تم لوگ کہو گے وہی کروں گا۔"

"کوئی جبر نہیں ہے' تم جب چاہو اپنا راستہ بدل سکتے ہو' ہم جانے والے کو کبھی نہیں روکتے' اور آنے والے کو خوش آمدید کہتے ہیں۔" خان نے میری آنکھوں میں دیکھتے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوئے کہا۔

"چلو خان............" راجہ نے اسے آواز دی۔

ہم دونوں اسی طرف بڑھ گئے۔ میں کبھی بھی ان پہاڑیوں کی طرف نہیں آیا تھا مگر خان وغیرہ جس طرح اندر کی طرف سفر کر رہے تھے اور جس طرح راستہ مڑتے تھے انہیں دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ جگہ ان کی دیکھی بھالی ہے۔ ہم کافی دیر تک پتھریلی چٹانوں کے درمیان چلتے رہے۔ پھر ایک اونچا پہاڑ ہمارے سامنے آگیا۔

"ہمیں اس پہاڑ کی دوسری طرف جانا ہے۔ اس پہاڑ کی دوسری طرف چھوٹی سی بستی ہے۔ اس بستی میں ہمیں لاری مل جائے گی۔" خان نے شاید میری آنکھوں میں سوال پڑھ لیا تھا۔

میں خاموش رہا۔ پہاڑ پر چڑھنا مجھے دشوار لگ رہا تھا' شاید اس لئے کہ میرے پیر پہلے ہی زخمی تھے۔ ہم تین گھنٹے کی محنت کے بعد پہاڑ کی دوسری طرف پہنچ گئے۔

دوسری طرف کا منظر دیکھ کر میں حیران ہو گیا۔ اتنی خوبصورت وادی کہ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پہاڑ کے ساتھ ہی دریا بہہ رہا تھا یا شاید چشمہ تھا............ جو کہیں سے بہت چوڑا اور کہیں سے بہت پتلا تھا۔ ہم نے وہاں سے اسے پار کر لیا جہاں اس کا پاٹ چوڑا نہیں تھا۔ دھوپ تیز ہو گئی تھی۔ ہوا بھی بہت تیز تھی۔ ہم سب وہیں رک گئے یہاں شاید کوئی خطرہ نہیں تھا اس لئے کہ ان سب کے چہروں پر جو ایک چوکنا پن تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ سختی بھی ختم ہو چکی تھی جو میں نے اب تک ان چہروں پر پھیلی دیکھی تھی۔

ہم سب نے تمام چھاگلیں پانی سے بھر لیں۔ وہ پانی بہت میٹھا اور ٹھنڈا تھا۔ خان نے قمیض اتار کر پتھروں پر پھینک دی اور شلوار کو اونچا کر کے پانی میں اتر گیا۔

اسے دیکھ کر میں بھی کپڑوں سمیت پانی میں اتر گیا' کپڑوں کو مل کر دھویا اور خوب نہایا۔ راجہ اور اس کے دوسرے ساتھی وہیں کنارے پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

کچھ دیر بعد میں نے منگی کو بستی کی طرف جاتے دیکھا جو یہاں سے نظر آرہی تھی۔ حالانکہ وہ یہاں سے کافی دور تھی اور مکان چھوٹے چھوٹے نظر آ رہے تھے۔ میرے ہونٹوں پر پھر سوال مچلا مگر میں نے منہ بند رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

ہم تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے وہاں رہے۔ پھر منگی آگیا۔ اس نے جانے راجہ سے کیا کہا کہ

راجہ فوراً کھڑا ہو گیا۔

"چلو............" اس نے کہا اور سب کھڑے ہو گئے۔ میرے اور خان کے کپڑے تیز دھوپ اور تیز ہوا سے سوکھ چکے تھے۔ ہم نے سب سامان اٹھا لیا اور آگے پیچھے بستی کی طرف چل دیئے۔ بستی اتنی دور نہ تھی جتنی میں سمجھ رہا تھا۔ ہم آدھ گھنٹے ہی میں بستی میں پہنچ گئے۔ یہاں کے مقامی لوگ سرائیکی پنجابی میں بات کر رہے تھے۔ پنجابی میری مادری زبان تھی اس لئے میں سمجھ رہا تھا بس کچھ الفاظ ایسے تھے جو میری سمجھ نہیں آتے تھے مگر پھر بھی جملے سے میں بات کا مفہوم سمجھ لیتا تھا۔

بستی میں داخل ہوتے ہی مجھ پر حیرت کے دورے سے پڑنے لگے۔ لگتا تھا جیسے ساری بستی والے راجہ کو جانتے ہیں۔ وہ سب ہی اسے اپنے درمیان دیکھ کر حیران اور خوش تھے۔ وہاں کا بچہ بچہ راجہ کو جانتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بستی کی عورتیں بچے' بوڑھے اور جوان سبھی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ذرا سی دیر میں تقریباً ہر گھر سے اس کے لئے دعوت آگئی' ہر شخص اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا۔

"کون ہے رے............ کون آیا ہے؟" اچانک ایک لرزتی ہوئی آواز آئی۔ وہ ایک بہت ضعیف اور کمزور بوڑھا تھا جو آنکھوں پر ہاتھ رکھے سب کو غور سے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بابا جی' راجہ آیا ہے۔" کسی نے زور سے کہا' شاید وہ بوڑھا بہرہ بھی تھا۔ میں نے دیکھا راجہ اس کے قدموں میں جھک گیا تھا۔ اس نے بوڑھے کے پیر چھوئے اور زور سے بولا۔ "بابا جی' میں ہوں............ تیرا پتر............"

"اور اس بوڑھے کی ساری جھریوں میں مسکراہٹ رینگ آئی۔" اوہ پتر تو............ بہت انتظار کیا اس بار تیرا' ریشاں بھی یاد کر رہی تھی تجھے............ اتنے دن کہاں تھا؟"

"کچھ کام تھے بابا۔ چل گھر چلتے ہیں۔" اس نے بوڑھے کو سہارا دیا اور میں نے دیکھا سب کے چہروں پر مایوسی چھا گئی مگر کسی کے چہرے پر ناگواری نہیں تھی۔ ذرا دیر بعد وہ سب بھی ان کے پیچھے بوڑھے کے گھر کی طرف چلے دیئے۔

اچانک پائل کے شور سے میں چونک اٹھا۔ سامنے کی کوٹھڑی کے پیچھے سے ایک لڑکی بھاگی چلی آرہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پانی کی چھوٹی سے مٹکی تھی' چھینٹ کی پھول

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دار بڑی سی چادر میں وہ کوئی پھول ہی لگ رہی تھی۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور چہرے پر ہزاروں رنگ چمک رہے تھے۔

اس کے گورے پیروں میں پائل دیکھ کر مجھے سوہنی یاد آ گئی۔ جانے اُس کے چہرے پر کون سا رنگ ہو گا؟ میں نے دکھ سے سوچا۔

"اوہ راجہ........... تُو..........." وہ بھاگتی ہوئی راجہ کے قریب آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ پیار تھا۔

"کیسی ہے تُو؟" راجہ نے سرسری اور اکھڑے ہوئے انداز میں پوچھا اور جواب لئے بغیر بوڑھے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اسے چارپائی پر بٹھایا۔

اتنی دیر میں اس لڑکی نے دیوار کے ساتھ کھڑی ہوئی دوسری چارپائی بھی وہیں گھر کے سامنے بچھا دی اور پھر جانے کہاں سے لوگ بہت سی چارپائیاں اٹھا لائے، ساتھ ہی کھانے پینے کی ڈھیروں چیزیں بھی۔ لگتا تھا جس کے گھر میں اس وقت جو کچھ موجود تھا سبھی کچھ اٹھا لایا تھا۔

ہم سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور وہیں ان چارپائیوں پر ڈھے گئے۔ مجھے تو کافی عرصے بعد پیٹ بھر کر روٹی ملی تھی میں روٹی کے نشے میں چُور ہو کر بے خبر ہو گیا۔ میری آنکھ کھلی تو وہ سب کھل کر قہقہے لگا رہے تھے۔ میں نے جانے کتنے دنوں کے بعد قہقہے سنے تھے۔ آنکھ کھلتے ہی میں نے مسکراتے ہوئے چہرے دیکھے تھے میرے سارے وجود میں فرحت دوڑ گئی۔ میں نے خود میں نیا پن محسوس کیا۔ حیرت تو مجھے یہ دیکھ کر ہوئی کہ راجہ جیسا پتھر بھی اونچے قہقہے لگا رہا تھا۔

میں نے دیکھا وہ سب گھیرے کی شکل میں بیٹھے ہیں اور ایک چودہ پندرہ برس کا لڑکا سب کے درمیان ناچ رہا ہے، ٹھمکے لگا رہا ہے اور عورتوں کی نقل اتار رہا ہے جس پر وہ سب بے طرح ہنس رہے تھے۔

وہ لڑکی جسے دیکھ کر سوہنی یاد آئی تھی کوٹھڑی کے دروازے سے ٹکی کھڑی تھی۔ اس کی نگاہیں اب بھی راجہ پر ٹکی ہوئی تھیں اور ان آنکھوں میں ویسی ہی روشنی تھی جیسی میں نے سوہنی کی آنکھوں میں اُس وقت دیکھی تھی جب اس نے کہا تھا کہ میں تمہیں بہت یاد کروں گی۔ بے اختیار میری نگاہ اس کے پیروں کی طرف گئی۔ اس کے

پیروں میں پڑی پائل ساکت تھی مگر نگاہیں کچھ کہہ رہی تھیں۔

راجہ ان نگاہوں سے بے خبر اونچے قہقہے لگا رہا تھا۔ میں نے راجہ کی اس لڑکی سے بے رخی پہلی ہی نظر میں بھانپ لی تھی۔ میں یہ بھی سن چکا تھا کہ راجہ جس لڑکی سے محبت کرتا تھا اس سے شادی کر لی تھی اور جب وہ ماں بننے والی تھی تو کسی نے اسے مار دیا تھا۔ مجھے اس لڑکی سے ہمدردی محسوس ہوئی جو پتھر میں جونک لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جانے اس نے راجہ سے کیسی امیدیں وابستہ کی ہوں گی مگر میں جانتا تھا کہ راجہ دوسری ٹائپ کا آدمی ہے۔

مجھے اٹھا دیکھ کر خان نے اشارہ کر کے مجھے اپنے قریب بلا لیا۔ میں اس کے قریب جا بیٹھا۔ بڑی سی پتیلی میں چائے تیار تھی۔ خان نے کچی چینی کے پیالے میں چائے انڈیل کر مجھے دی۔ ہم سب رات گئے تک بیٹھے رہے۔ راجہ گاؤں والوں سے فرداً فرداً خیریت پوچھتا رہا۔ وہاں دو خاندانوں کے درمیان شاید جھگڑا ہو گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو معاف کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ راجہ نے ان دونوں کو بٹھا کر ان کا معاملہ نمٹایا۔ وہ ایک دوسرے پر آنکھیں نکال رہے تھے۔ سر جھکائے راجہ کا فیصلہ سنتے رہے اور پھر جیسا اس نے کہا انہوں نے سر جھکا کر قبول کر لیا۔

یہ سب ہی کچھ مجھے حیران کرنے کے لئے کافی تھا۔ ہزاروں سوال تھے جو میرے ذہن میں کیڑوں کی طرح کلبلا رہے تھے۔ مثلاً یہ کون لوگ تھے، راجہ کا ان سے کیا تعلق تھا وہ سب لوگ راجہ کی اتنی عزت کیوں کر رہے تھے جیسے بس وہی ان کا بزرگ ہو۔ میں ان سب سوالوں کے جواب چاہتا تھا۔ میں چائے پی کر ایک طرف چارپائی پر جا بیٹھا۔ راجہ ان دونوں خاندانوں کے بزرگوں سے بات چیت کر رہا تھا۔ اس کے باقی ساتھی اِدھر اُدھر ہو کر گپ شپ میں مصروف تھے۔ خان مجھے اکیلا دیکھ کر میرے قریب آ گیا۔

"کیا بات ہے بالے! کیا سوچ رہا ہے؟"

"کچھ نہیں خان، یہاں میرے لئے ہر قدم پر حیرت منہ پھاڑے کھڑی ہے۔ تم نے مجھے سوال کرنے کے لئے منع کیا تھا مگر........." میں جھجک کر خاموش ہو گیا مبادا خان ناراض ہو جائے۔

"میں جانتا تھا۔ میں نے تیرے چہرے پر ہی سارے سوال پڑھ لئے تھے۔ پوچھ کیا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پوچھنا چاہتا ہے۔" اس نے ٹانگیں سمیٹ کر کہا اور چارپائی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

"یہ............ یہ سب کون ہیں............ اور ان سب کا راجہ سے کیا تعلق ہے؟؟"

"یہ بہت لمبی کہانی ہے مگر میں تجھے موٹی موٹی باتیں بتا دیتا ہوں۔ یہ چھوٹی سی ہنستی مسکراتی بستی جو تُو دیکھ رہا ہے یہ پہلے ایسی نہیں تھی یہاں ایک ہندو بنئے کا راج تھا۔ یہ ساری زمین جس پر یہ لوگ آباد ہیں اس کی تھی۔ وہ ساری بستی کا بے تاج بادشاہ تھا۔ یہ لوگ چھوٹے موٹے کام کیا کرتے تھے اور اپنی زندگی چین سے بسر کرتے تھے مگر اس بنئے نے آہستہ آہستہ ان سب کو روٹی کا لالچ دے کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ان کو جی کھول کر پیسہ دیا اور پھر سود کی صورت میں ان سے ان کی زندگی تک وصول کر لی۔ یہ ساری زمین خرید لی اور پھر وہ مالک بن بیٹھا۔

ہندو تھا اس لئے اس نے جو رواج یہاں پر عام کیا وہ بھی وہی تھا جو وہ چاہتا تھا یا جو ان کے مذہب اور ان کے کلچر کا حصہ تھا۔ یہ جاہل اور اَن پڑھ لوگ آہستہ آہستہ اس کے غلام ہوتے چلے گئے۔ وہ ہر وقت سادھو بنا رہتا اور ایسے ایسے جادو دکھاتا کہ لوگ سہم کر اسے اپنا اَن داتا سمجھنے لگے۔ وہ عیاش آدمی تھا' اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لئے اس نے ہر رات کو ایک لڑکی اٹھانا شروع کر دی۔ رات کے اندھیرے میں غائب ہونے والی لڑکی صبح گھر پہنچ جاتی تھی مگر ایسی حالت میں کہ اس کی زبان بند ہوتی' آنکھیں پھٹی ہوتیں اور وہ کچھ بھی بتانے یا سمجھانے سے قاصر ہوتی پھر اسی رات وہ بستی کے کنوئیں میں چھلانگ لگا کر اپنی جان دے دیتی تھی۔

بستی کے لوگوں کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ ان کی بیٹیاں کون لے جاتا ہے' کون انہیں لوٹتا ہے اور کیوں وہ واپس آ جانے کے باوجود کنوئیں میں چھلانگ لگا کر اپنی جان دے دیتی ہیں

یہ آج سے دو برس پہلے کی بات ہے ہم اسی طرح سفر کرتے ہوئے یہاں پہنچے تھے' ہم دور روز کے بھوکے پیاسے تھے۔ ہم دوسری طرف سے آئے تھے اس لئے چشمے کے بارے میں علم نہ تھا۔ بستی سے کچھ ہی دور ایک بڑا گھنا اور سایہ دار درخت تھا' ہم سب اسی درخت کے نیچے بیٹھے تھے' ہم نے ایک آدمی کو کھانے کا سامان لانے کے لئے بستی کی طرف بھیج دیا تھا۔ اسے گئے ابھی آدھا گھنٹا بھی نہ گزرا تھا کہ اچانک ہم نے دور سے ایک

لڑکی کو آتے دیکھا' اس لڑکی کی شاید ہم پر نگاہ نہیں پڑی تھی۔ ہم سب اسے دیکھ رہے تھے ہمیں حیرت تھی کہ تنہا لڑکی اس ویرانے میں کہاں آ رہی ہے۔ وہ ہم سے کچھ دور پیڑوں کے ایک جھنڈ کے قریب رُک گئی جو یہاں سے صاف نظر آ رہا تھا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ جھنڈ کے قریب کوئی کنواں ہے۔ وہ لڑکی کچھ دیر خاموش کھڑی خلاؤں میں دیکھتی رہی پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ گری اور غائب ہو گئی۔

ہم سب اس طرف بھاگے اٹھے۔ قریب جا کر ہمیں معلوم ہوا کہ وہاں ایک بہت گہرا کنواں تھا اور وہ لڑکی کنوئیں میں چھلانگ لگا چکی ہے۔ ابھی ہم لوگوں کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا تھا کہ بستی کے بہت سے لوگ روتے پیٹتے کنوئیں تک پہنچ گئے۔ یہ جو بڈھا ہے نا' جس کے پیر راجہ نے چھوئے تھے۔ یہ اسی لڑکی کا باپ ہے جس نے کنوئیں میں چھلانگ لگائی تھی' اور ریشماں اس کی چھوٹی بہن ہے' یہ لوگ بھی بستی والوں کے ساتھ تھے اور ریشماں تو ایسے رو رہی تھی جیسے آسمان ہی گرا دے گی۔ بڈھے کی حالت خراب تھی۔ تبھی ہمیں یہ ساری داستان بستی والوں سے معلوم ہوئی راجہ تو غصے سے پاگل ہو گیا تھا۔ وہ تو پہلے ہی عورت پر ظلم کرنے والوں کو چیر پھاڑ کر رکھ دینے والا بھیڑیا تھا' یہ کہانی سن کر اس نے کچھ بھی نہ سوچا اور اسی رات ہندو بنئے کے ساتھ ہی اس کے گھر کا ہر مرد موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عورتوں اور بچوں سے اس نے کہہ دیا کہ دو دن کے اندر اندر بستی خالی کر دیں ورنہ ان کا انجام بھی ٹھیک نہ ہو گا۔

وہ لوگ اپنا سب کچھ چھوڑ کر اور جان بچا کر یہاں سے چلے گئے۔ اس روز کے بعد بستی میں امن ہو گیا۔ ساری بستی راجہ کی گرویدہ ہو گئی اور آج تک یعنی دو سال سے یہاں کسی کی جرأت نہیں ہوئی کہ کسی پر ظلم کر سکے۔ ممکن ہے یہ راجہ کا خوف ہو یا............ بہرحال ہم جب بھی یہاں سے گزرتے ہیں اس بستی میں ضرور آتے ہیں۔"

خان نے اپنی بات ختم کی تو مجھے لگا جیسے میں کوئی طلسماتی کہانی سن رہا تھا۔ اس طلسماتی کہانی کا ہیرو راجہ تھا' ایک ایسا شہزادہ جو شہزادیوں کو کالے اور خوف ناک دیو سے بچاتا جس کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر پاتا۔ میں نے راجہ کے لئے اپنے دل میں بے پناہ محبت محسوس کی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"کیا اس ہنگامے میں پولیس کو کچھ خبر نہ ہوئی؟" میں نے سوال کیا۔

"کیوں نہیں .... پولیس آئی تھی۔ اس نے اپنی سی کوشش بھی کی قاتلوں کو پکڑنے کی مگر ساری بستی نے قاتلوں سے لاتعلقی ظاہر کی۔ سبھی نے کہہ دیا کہ وہ کچھ نہیں جانتے۔ پولیس بھی ہندو بنئے کے مظالم سے واقف تھی' اس کے پاس دولت کے علاوہ تعلقات کے ہتھیار بھی تھے اور ان تعلقات کی وجہ سے پولیس بھی اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ معمول کی کارروائی کے سوا کوئی تفتیش نہ ہوئی اور کیس فائل کر دیا گیا اور اس روز کے بعد دبستی کی ہر لڑکی محفوظ ہو گئی۔ وہ خونی کنواں پاٹ دیا گیا جس نے سارے لوگوں کو خوف زدہ کیا ہوا تھا۔"

میں لمبی سانس لے کر رہ گیا۔ رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ میں خاموشی سے آنکھیں بند کر کے سو گیا۔ پیدل چلنے کی تھکن نے مجھے جلد ہی بے خبر کر دیا۔

صبح ہم بستی والوں کو خداحافظ کہہ کر پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ سب ہی پوری نیند سوئے تھے اس لئے سب تازہ دم تھے۔ بستی والوں نے کھانے پینے کا بہت سا سامان ہمارے ساتھ کر دیا تھا۔ ہم آدھے گھنٹے بعد ہی سڑک پر پہنچ گئے۔ یہاں سے ہمیں لاری اڈے تک جانا تھا تقریباً پندرہ منٹ چلنے کے بعد ہم لاری اڈے پہنچ گئے۔

صبح سویرے کا وقت تھا' لاری اڈے پر اتنا رش نہیں تھا۔ اڈے کے سامنے ایک پٹرول پمپ تھا جو اس وقت سنسان تھا۔ دوسری طرف ایک ہوٹل تھا جس میں چند لکڑی کی کرسیاں اور میزیں پڑی تھیں پورے ہوٹل میں تین آدمی تھے۔ ایک میزوں' کرسیوں کی صفائی کر رہا تھا۔ ایک موٹا سا آدمی غالباً چائے بنا رہا تھا اور تیسرا آدمی بنچ پر لیٹا اونگھ رہا تھا۔

ہم سب بھی اس ہوٹل میں جا بیٹھے۔ اونگھنے والا آدمی فوراً پھرتی سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں ملیں اور فوراً ہمارے لئے مزید کرسیاں لے آیا۔ پورے ہوٹل کی کرسیاں ایک ہی دائرے میں ڈال دیں۔ جو آدمی چائے بنا رہا تھا اس نے فوراً ہمیں گن کر چھوٹے چھوٹے گلاس نکال لئے اور ہماری طرف دیکھنے لگا۔ خان نے کرسیاں لانے والے کو دس چائے کا آرڈر دیا۔

دس چائے کا آرڈر سنتے ہی موٹے آدمی کے چہرے پر ایسی طمانیت پھیل گئی جیسے اسے بڑا بزنس مل گیا ہو۔ اس نے سر کا اشارہ کیا اور پھرتی سے چائے بنانے لگا۔

لاری اڈے پر صرف دو لاریاں کھڑی تھیں اور دونوں کے ڈرائیور بس کے اندر ہی سیٹ پر سو رہے تھے۔ ہم جانتے تھے کہ مسافر جب تک پورے نہیں ہوں گے لاری نہیں چلے گی۔ ہم وہاں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ آہستہ آہستہ مسافر آنا شروع ہو گئے۔ ہوٹل کے تمام بنچ اور کرسیاں بھرنے لگیں بلکہ ہوٹل والے کو اپنی چارپائی بھی وہاں ڈالنا پڑی۔

ذرا دیر بعد میری نگاہ لاری کی طرف اٹھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ڈرائیور تیار ہے یا نہیں کہ اچانک نہ معلوم کیوں اس لڑکی کو دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ وہ سفید چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ اس کے ساتھ ایک عورت اور ایک مرد بھی تھا۔ عورت کی آنکھوں میں چوکنا پن تھا۔ مرد کی آنکھوں کی عیاری بھی صاف محسوس ہو رہی تھی مگر لڑکی کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ ساتھ بے طرح معصومیت تھی۔ نہ جانے کیوں اس کی خوف زدہ نگاہوں نے مجھے بے چین کر دیا۔

اس کے ساتھ والی عورت نے اسے کچھ کہا' وہ اور خوف زدہ ہو گئی اس نے چادر کو سر پر کچھ اور جھکا لیا اور سمٹ کر بیٹھ گئی۔ مجھے اس عورت کے بات کرنے کا انداز اور مڑ کے چاروں طرف دیکھنے کا انداز کچھ عجیب سا لگا۔ یوں جیسے وہ کچھ چھپا رہے ہیں' میں نے غور سے ان کی حرکات کو نوٹ کرنا شروع کر دیا۔

وہ لڑکی جب بھی سر اٹھا کر کسی طرف دیکھتی' عورت اسے کہنی مارتی اور اس کی طرف دیکھے بغیر کچھ زیر لب کہتی جسے سن کر لڑکی کا رنگ سفید ہو جاتا اور وہ جلدی سے چہرہ جھکا کر بیٹھ جاتی۔ میری بے چینی شدید ہو گئی تو میں نے خان کی توجہ اس جانب دلائی۔ پہلے تو خان نے ہنس کر ٹال دیا مگر کن انکھیوں سے ان کی جانب دیکھ لیتا تھا۔ پھر اچانک ہی وہ چوکنا ہو گیا۔ اس نے راجہ کے کان میں کچھ کہا۔ میں نے دیکھا کہ خان کی بات سن کر راجہ نے بھی اس طرف دیکھنا شروع کر دیا ہے جہاں وہ تینوں بیٹھے تھے۔ اس کی آنکھوں میں حسبِ معمول سختی تھی۔ اس کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے۔

اچانک ڈرائیور نے آواز لگائی' لوگ اپنا سامان اٹھا کر لاری کی طرف بڑھ گئے۔ ہم سب لوگ بھی لاری میں جا بیٹھے۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ مجھ سے آگے والی سیٹ پر وہ عورت

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور لڑکی بیٹھے تھے۔ مرد ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا' خان اپنی سیٹ چھوڑ کر اس مرد کے برابر میں جا بیٹھا۔

بے چینی پھر مجھ میں سر اٹھانے لگی۔ لگتا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ لاری چل پڑی' جو لوگ اب تک زور زور سے بول رہے تھے' لاری چلتے ہی خاموش ہو گئے۔ بعض لوگ تو اونگھنے لگے تھے۔ میری نگاہیں سامنے والی سیٹ پر ٹکی ہوئی تھیں' وہ معصوم صورت پہلو پر پہلو بدل رہی تھی۔ وہ کھڑکی کی طرف بیٹھی تھی۔ اس کا شیشہ بند تھا۔ شیشے پر اس کا عکس صاف نظر آ رہا تھا۔ نہ معلوم کیوں مجھے لگا جیسے اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں بھرا پانی سورج کی کرنوں سے چمک رہا ہے۔ ایک شعاع سی نکلتی اور مجھ میں پھیل جاتی تھی۔ مجھے سوہنی کی آنسو بھری آنکھیں یاد آ رہی تھیں۔ میں اس کے خیالوں میں کھو گیا۔

"سیدھی بیٹھ حرام خور.......... زیادہ مظلومیت نہ دکھا' ٹھیک سے بیٹھ' اگر کسی نے روتے دیکھ لیا تو.......... یاد رکھ جان سے مار دوں گی۔"

لڑکی کے برابر بیٹھی عورت نے غالباً کہنی مار کر لڑکی سے کہا تھا۔ لڑکی نے لمحہ بھر کو پہلو بدلا اور سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ میں نے چونک کر راجہ کی طرف دیکھا راجہ اسی جانب کان لگائے بیٹھا تھا۔ بہ ظاہر اس کی نگاہیں کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھیں مگر اس کے چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کا دھیان اسی لڑکی اور عورت کی طرف تھا۔

"پی.......... پیاس لگی ہے۔" لڑکی کی لرزتی ہوئی آواز آئی۔

"چپ بیٹھ.......... اسٹاپ آئے گا تو ملے گا پانی.......... میں کیا مٹکا لے کر چلی ہوں تیرے لئے۔" اسی عورت نے غرا کر جواب دیا۔

"میرا حلق.........." اس نے گلے پر ہاتھ رکھ کر دبے دبے لہجے میں کہا۔

"گھونٹ دوں گی تیرا حلق حرامزادی.......... تو نے جس مصیبت میں ڈالا تھا ہمیں اگر وہ راشی نہ ملتا تو جانے کیا ہوتا۔ چپ چاپ بیٹھی رہ۔" اس عورت کے انداز میں نفرت بھری تھی۔

وہ لڑکی کسمسا کر رہ گئی۔

راجہ نے پہلو بدلا۔ اس کے جبڑے بھینچ گئے۔ اس کے منہ سے عجیب سی غراہٹ نکلی۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا' خان کے چہرے پر بھی پریشانی پھیل گئی تھی۔ یہاں

کوئی ہنگامہ کرنا خطرناک بھی ہو سکتا تھا مگر راجہ کا کچھ پتا نہ تھا۔ نہ معلوم کب وہ اپنا ہوش کھو بیٹھتا اور کوئی نئی پریشانی کھڑی ہو جاتی۔ میں نے راجہ کی طرف دیکھا اس نے بہت جلد خود کو نارمل کر لیا تھا۔ مجھے اس کی سمجھ داری سے خوشی ہوئی۔

کچھ دیر بعد لاری رک گئی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے' میں تو پہلی بار اپنے گاؤں سے باہر نکلا تھا۔ لاری جہاں رکی تھی وہاں ایک چھوٹا سا ریستوران تھا تقریباً گیارہ بجے تھے۔ ہم سب لاری سے نیچے آ گئے۔ ایک طرف گھنے درخت کے نیچے کچھ کرسیاں پڑی تھیں۔ ہم سب وہاں بیٹھ گئے۔ بہت سے مسافر لاری ہی میں بیٹھے رہے۔ ہوٹل سے چائے منگوا کر ہم چائے پینے لگے۔ میری نگاہ اس کھڑکی کی جانب اٹھ گئی جہاں لڑکی بیٹھی تھی وہ اب تک وہیں تھی البتہ اس کے ساتھ والی عورت کہیں دکھائی نہ دی۔ خان کے برابر بیٹھا مرد بھی کہیں دکھائی نہ دیا۔

میں راجہ سے ایک منٹ کی اجازت لے کر اٹھ گیا۔ میں سیدھا ریستوران میں گیا اور یہ دیکھ کر میرا خون کھول گیا کہ وہ عورت اور مرد دونوں وہاں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ میں گلاس میں پانی لے کر باہر آ گیا۔ میں سیدھا اس کھڑکی کی جانب بڑھ گیا۔ لڑکی میرے ہاتھ میں پانی کا گلاس دیکھ کر ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی اور حسرت سے گلاس کو دیکھ رہی تھی۔

"پانی.........." میں نے گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ج.......... جی.......... یہ میرے لئے..........؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں.......... آپ کو پیاس لگی تھی نا؟"

"جی.........." اتنا کہہ کر اس نے جلدی سے گلاس میرے ہاتھ سے لے لیا اور ایک گھونٹ میں سارا گلاس خالی کر کے میری طرف بڑھا دیا۔ "اور.......... اور پانی۔"

مجھے دکھ ہوا.......... وہ اس قدر پیاسی تھی اور وہ عورت.......... میرا جی چاہا کہ میں اس عورت کا گلا گھونٹ دوں۔ میں پھر ریستوران میں گیا اور گلاس بھر کر پانی لے آیا۔ اس نے دوسرا گلاس بھی جلد ہی خالی کر کے میری طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ بھیا.......... بہت پیاس لگی تھی۔" اس نے ہونٹ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"جی.......... پپ .... پتا نہیں ...." اس نے جواب دیا اور گھبرا کر ریستوران کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ کو نہیں پتا کہ آپ کہاں جا رہی ہیں؟" میں نے کن انکھیوں سے ریستوران کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ اور زیادہ گھبرا گئی۔ وہ بار بار ریستوران کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اس عورت اور مرد سے ڈر رہی ہے۔

"آپ کے ساتھ کون ہے؟"

"جی .... وہ .... وہ جو عورت یہاں تھی نا .... وہ .... آپ چلے جائیں .... وہ آ گئے تو.........." وہ روہانسی ہو گئی۔

"آپ ان سے ڈرتی ہیں؟" میں نے اس کی گھبراہٹ کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی .... وہ مجھے بہت ماریں گے.......... بس آپ چلے جائیں۔" اس نے اتنا کہہ کر منہ پھیر لیا۔

میں نے اس طرف نگاہ ڈالی جہاں راجہ اور اس کے دوسرے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کی نگاہیں میری جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک نظر اس لڑکی کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بیٹھی تھی۔

میں قدم بڑھانے والا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو کا ایک ننھا سا قطرہ ٹپک گیا۔

"جو کچھ ہے مجھے بتایئے' میں آپ کی مدد کروں گا۔" میں نے کھڑکی سے قریب ہو کر کہا۔

"میری کوئی مدد نہیں کر سکتا' پلیز.......... آپ چلے جایئے۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے سرگوشی کی اور کھڑکی سے دور ہو کر بیٹھ گئی۔ اس وقت ریستوران سے وہ عورت اور مرد باہر آ گئے۔ اب وہاں رکنا بیکار تھا میں اپنے ساتھیوں کے پاس چلا آیا۔

راجہ نے استفہامیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کوئی گڑ بڑ ہے۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

"ہوں.......... یہ تو میں جانتا ہوں پر کیا گڑ بڑ ہے' کچھ بتایا اس نے؟" راجہ نے پوچھا۔

"نہیں.......... وہ بہت خوفزدہ ہے۔"

"دنیا کی ہر لڑکی خوفزدہ ہوتی ہے' مگر بات کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے وہ عورت اس کی کوئی نہیں ہے۔ شاید اسے اغوا.........."

"اونہہ .... جب اس نے کچھ بتایا ہی نہیں تو خوامخواہ قیاس آرائی سے فائدہ!" خان نے منہ بنا کر کہا۔

"پھر کیا بات ہوئی؟" راجہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ سب مسافر لاری کی طرف جا رہے تھے۔ ہم سب بھی اس طرف چل دیئے۔

میں نے راستے میں راجہ کو اپنی اور اس کی گفتگو بتائی۔ لاری میں ہم پھر اسی طرح بیٹھ گئے۔ وہ لڑکی اور عورت میرے سامنے والی سیٹ پر تھیں' اور راجہ کا سارا دھیان اسی طرف تھا۔

لاری آہستہ روی سے سیاہ سڑک پر چل رہی تھی۔ ہلکے ہلکے جھولے اونگھ طاری کر رہے تھے۔ میرا ذہن ماضی کے دریچوں سے دور تک دیکھنے سننے اور محسوس کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

آج میں شہر جا رہا تھا۔ شہر' جہاں کا خواب میرے بوڑھے ماں باپ نے دیکھا تھا۔ وہ شہر لے جا کر اپنے بیٹے کو بابو بنانا چاہتے تھے' تعلیم دلانا چاہتے تھے تاکہ ان کا بیٹا سرکاری دفتر میں اونچی کرسی پر بیٹھ کر کام کر سکے مگر اس خواب کی تعبیر کیسی بھیانک تھی۔ میں شہر تو جا رہا تھا مگر ڈاکو بن کر' مجھے یقین ہے میرے ماں باپ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا کہ ان کا سیدھا سادہ اور فرماں بردار بیٹا ایک روز ڈاکو بن جائے گا

ٹھیک ہے کہ میں نے اب تک کسی کو نہیں لوٹا تھا۔ کسی گھر سے کچھ نہیں چرایا تھا مگر میں ایک بات جانتا تھا کہ میں ان لوگوں کی پناہ میں تھا جو ڈاکو کہلاتے تھے۔ جنہوں نے لوگوں کو لوٹا تھا اور جن کو عام لوگ اور پولیس ڈاکو کے نام سے یاد کرتی تھی۔ مجھے بھی پولیس سے بچنا تھا۔

ہم رات گئے ایک ایسے علاقے میں داخل ہو گئے جہاں کی روشنیاں دور سے ستاروں کا جھنڈ معلوم ہو رہی تھیں۔ میں نے اتنی زیادہ روشنیاں کبھی بھی نہیں دیکھی تھیں۔ میرے گھر میں تو لائٹ ہی نہیں تھی' میں تو حویلی میں جلنے والی چار پانچ بتیوں کو ہی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چراغاں سمجھتا رہا تھا اتنی بہت سی بتیاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

لاری شہر میں داخل ہوئی تو یوں لگا جیسے ہم شور و غل کے سمندر میں اتر گئے ہوں۔ سڑکوں پر ہزاروں لوگ تھے۔ بہت سی گاڑیاں تھیں‘ سینکڑوں دکانیں تھیں۔ میرے اندر ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ میں دونوں جانب کی کھڑکیوں سے باہر دیکھ رہا تھا‘ کبھی ایک کھڑکی سے کبھی دوسری کھڑکی سے

”شہر پہلی بار آیا ہے؟“ راجہ نے شاید میری حرکتوں سے محسوس کر لیا تھا۔

”ہاں.......... یہاں تو بہت رش ہے۔“ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”اچھی طرح شہر گھوم لینا ورنہ تیرے چہرے پر جمی حیرت ہم سب کو پکڑوا دے گی سمجھے! گاؤں سے تیرے فرار کی اطلاع شہر پہنچ چکی ہو گی۔“

راجہ کی بات سن میں فق ہو گیا۔ ساری حیرت اور ساری خوشی ہوا ہو گئی۔ ”پھر .... مجھے یہاں کیوں لے آئے؟“ میں نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”یہاں کچھ لوگوں سے حساب بیباق کرنا ہے۔ پھر کیا تُو ساری عمر جنگلوں میں گزارنا چاہتا ہے! خود کو نارمل رکھ کچھ نہیں ہو گا۔“ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا رکھوں؟“

”نارمل.......... یعنی ٹھیک رکھو.......... میرا مطلب ہے اتنی حیرت سے ہر چیز کو نہ دیکھ۔ خوامخواہ لوگوں کی نظروں میں آجائے گا۔“ اس نے جواب دیا۔

میں نے گھبرا کر اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ لاری کی رفتار اور آہستہ ہو گئی تھی۔ رش بہت زیادہ تھا۔ میں خود کو بقول راجہ کے نارمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ذرا دیر بعد لاری ایک جگہ رک گئی۔ سب مسافر اپنا اپنا سامان اٹھا کر اترنے لگے۔ میرے سامنے بیٹھی ہوئی عورت اور لڑکی بھی کھڑی ہو گئیں۔ ان کے ساتھ کا مرد پہلے ہی لاری سے اتر چکا تھا۔ عورت لڑکی کا ہاتھ پکڑے اس سے آگے آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی وقت کسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ وہ لڑکی ملتجی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے کاغذ کا ایک پرزہ میری مٹھی میں دبا دیا۔ ابھی

میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا تھا کہ وہ عورت تیز قدموں سے بڑھتی ہوئی لاری سے نیچے اتر گئی۔ میں اس کے پیچھے لپکا۔ لاری سے اتر کر میں نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر اچانک میری نگاہ ایک ٹیکسی پر پڑی۔ وہ دونوں اس میں بیٹھ چکی تھیں۔ مرد پہلے ہی اگلی سیٹ پر براجمان تھا۔ وہ لڑکی میری ہی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں التجا تھی‘ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ میں ہاتھ میں کاغذ کا پرزہ لئے کھڑا رہ گیا۔

”کیا ہے.......... ہونق بنا کیوں کھڑا ہے؟“ راجہ نے میری پشت پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

”وہ .... راجہ وہ لڑکی..........“

”ابے تُو اب تک اس لڑکی کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔ میں خواہ مخواہ کسی کے معاملے میں ٹانگ نہیں اڑاتا۔ ہاں اگر اس نے کہا ہوتا تو..........“ راجہ نے میری بات کاٹ کر کہا۔

”یہ کاغذ دیا تھا اس نے .... اترتے وقت .... معلوم نہیں کیا ہے‘ مجھے تو پڑھنا نہیں آتا۔“ میں نے کاغذ راجہ کی طرف بڑھا دیا۔

راجہ نے میرے ہاتھ سے کاغذ جھپٹ لیا اور اونچی آواز میں پڑھنے لگا۔ ”میرا نام سکینہ ہے۔ یہ لوگ مجھے زبردستی ہیرامنڈی لے جارہے ہیں مجھے بچالو۔“

یہ سنتے ہی میں نے پلٹ کر اس طرف دیکھا جس طرف وہ ٹیکسی گئی تھی۔ اب وہاں ہزاروں گاڑیاں تھیں مگر وہ ٹیکسی نہیں تھی۔

”تُو نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا!“ راجہ نے تیز لہجے میں کہا۔ اتنی دیر میں ہمارے سب ساتھی آ گئے۔ خان شاید منہ دھونے چلا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر بعد منہ پونچھتا ہوا واپس آیا تو راجہ نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

”خان وہ لوگ اسے زبردستی اسے لے گئے ہیں۔ میں نے کہا تھا نا کہ شاید اسے اغوا کیا گیا ہے۔“ ”اب کیا ہو گا۔“

”کچھ نہیں ہو گا۔ جب ہم ہیرا منڈی جائیں گے تو اسے بھی دیکھ لیں گے۔“ خان نے نارمل انداز میں جواب دیا۔

”کیا تم جانتے ہو کہ اسے کہاں لے گئے ہیں۔“ میں نے خوش ہو کر پوچھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہ سب ہی ہنس پڑے۔ میں جھینپ گیا۔

”ہاں جانتے ہیں.......... وہاں ہر لڑکی ایسے ہی لائی جاتی ہے۔“ خان نے ہنس کر کہا۔

مجھے یہ سن کر بہت حیرت ہوئی بلکہ یہ دیکھ کر زیادہ حیرت ہوئی کہ ان سب کو معلوم ہے کہ وہاں لڑکیاں اغوا کر کے لائی جاتی ہیں پھر بھی یہ ان کی مدد نہیں کرتے۔ حالانکہ راجہ نے کہا تھا کہ وہ ظالموں کا دشمن ہے۔ ان لڑکیوں کو اغوا کرنے والے ظالم ہی تو تھے پھر..........‘ میں سوچتا رہ گیا۔

”چل بعد میں دیکھیں گے۔“ راجہ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

خان ایک ٹیکسی والے سے بات کر رہا تھا۔ اس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ منگی نے دوسری ٹیکسی بھی روک لی تھی۔ ہم دونوں ٹیکسیوں میں آگے پیچھے چل پڑے۔ تقریباً بیس پچیس منٹ بعد ہم ایک ایسے علاقے میں داخل ہو گئے۔ جہاں بڑے بڑے گھر بنے ہوئے تھے۔ میں حیران تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں سب سے بڑا گھر صرف چوہدری کا دیکھا تھا‘ جسے سب پکی حویلی کہتے تھے مگر یہاں تو اس سے بھی بڑے اور خوبصورت گھر بنے ہوئے تھے۔

ہماری ٹیکسی ایک خوبصورت سے گھر کے سفید گیٹ پر رک گئی۔ دوسری ٹیکسی بھی ہمارے پیچھے ہی رک گئی تھی۔ خان نے دونوں ٹیکسیوں کو کرایہ دیا اور سفید گیٹ کی طرف بڑھ گیا‘ ہم سب اس کے پیچھے تھے۔

ذرا دیر بعد اس نے گیٹ کے دائیں جانب لگا بٹن دبایا جس کے ساتھ ہی کہیں دور سے گھنٹیاں سی بجتی سنائی دیں۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی گیٹ کے قریب آیا‘ اس نے ایک نگاہ ہم سب پر ڈالی پھر راجہ کو دیکھ کر مسکرایا اور گیٹ کھول دیا۔ ہم ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے اس اونچے سے برآمدے تک پہنچ گئے جو سامنے ہی نظر آ رہا تھا اور جس میں بید کی کرسیاں پڑی تھیں‘ کرسیوں کے بیچوں بیچ ایک بڑی گول میز پڑی تھی جس پر بہت سے اخبار اور رسالے رکھے تھے۔

گیٹ کھولنے والے شخص نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم سب وہیں بیٹھ گئے۔ وہ شخص دوبارہ اندر چلا گیا۔ برآمدے میں بڑے بڑے فانوس جل رہے تھے‘ میں نے فانوس بھی پہلی بار دیکھے تھے میں حیرت سے انہیں تک رہا تھا کہ اچانک راجہ نے میرے پیر پر پیر

مارا۔ میں چونک پڑا۔ اس نے مجھے گھورا اور میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک لحیم شحیم آدمی باہر آ گیا۔ وہ سفید شلوار قمیض پہنے ہوئے تھا۔ گورا رنگ‘ سیاہ بال اور گھنی داڑھی میں وہ بہت پُر وقار لگ رہا تھا۔

راجہ کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ راجہ انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا‘ اس کی تقلید میں ہم سب بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ آنے والے شخص نے راجہ کو سینے سے لگا لیا۔

”کیسے ہو بیٹا۔ بہت روز ہو گئے تھے‘ میں تو تمہاری طرف سے پریشان ہو گیا تھا‘ اور یہ تم لوگوں نے حلیہ کیا بنایا ہوا ہے!؟“ اس نے انتہائی شفیق لہجے میں پوچھا۔

”بس جی .... بڑا لمبا سفر کر کے آئے ہیں۔ سیدھے یہیں آ گئے اس لئے..........“ راجہ نے بات ادھوری چھوڑ دی اس کے چہرے پر شرمندگی تھی۔

”اچھا کیا کہ یہاں آ گئے۔ یہ بھی تمہارا گھر ہے۔ چلو پہلے تم لوگ نہا دھو لو پھر کھانے کی ٹیبل پر باتیں ہوں گی۔“ یہ کہہ کر انہوں نے کسی یعقوب کو آواز دی۔ یعقوب ایک مضبوط بدن کا ٹھگنا سا آدمی تھا۔ وہ آتے ہی ذرا سا جھکا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

”یعقوب‘ پچھلے حصے کو کھول دو‘ کمروں کی صفائی کراؤ اور ان لوگوں کے نہانے کا بندوبست کرو۔ یہ سب یہیں رہیں گے۔“ انہوں نے ہم سب کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

یعقوب پھر جھکا اور واپس چلا گیا۔ اسی وقت گیٹ کھولنے والا شخص ایک ٹرالی میں چائے اور ٹھنڈی بوتلیں لے آیا۔

”بھئی تم لوگوں کو جو پسند ہو لے لو۔“

”آپ نے تکلف کیا بیگ صاحب!“ راجہ نے کہا۔

”ارے.......... یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم لوگوں کے لئے میں تکلف کروں گا! چلو پی لو پھر یعقوب تمہیں تمہارے کمروں تک پہنچا دے گا اور ہاں .... کپڑے وغیرہ ہیں تمہارے پاس؟“

”نہیں بیگ صاحب.......... ہم نے بتایا تھا نا کہ ہم سیدھے..........“

”اچھا اچھا ٹھیک ہے..........“ انہوں نے راجہ کی بات کاٹ دی۔ ”وہ بھی ہو جائے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گا۔" وہ مسکرائے اور خان سے مخاطب ہوئے۔ "اور خان بیٹا تم کیسے ہو.......... اور ہاں تمہارے باپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"جی ان کا تو انتقال ہو گیا تھا۔"

"ہیں.......... کیسے؟" وہ تقریباً اچھل پڑے۔

"جی.......... بس.......... وہ.......... انہیں زہر دے دیا گیا تھا۔" خان نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"اوہ.......... تو کیا قادر نے.........."

"جی..........!" خان نے بات پوری ہونے سے پہلے جواب دیا۔

میں یہ سب گفتگو حیرت سے سن رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھلا اور میں حیران رہ گیا۔

میں نے عورت کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ یوں تو میں نے سبھی کچھ پہلی بار دیکھا تھا مگر عورت کا یہ انداز میں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ ایک خوبصورت اور گوری چٹی عورت تھی بلکہ لڑکی تھی مگر اس نے مردانہ لباس پہنا ہوا تھا۔ کالی پینٹ اور سفید دھاریوں والی کالی شرٹ اور کالے ہی رنگ کے کپڑے کے بوٹ تھے۔ مردانہ لباس پر اس کے بڑے بڑے اور گھنے بال بہت عجیب لگ رہے تھے جو اس نے کھول کر پشت پر ڈالے ہوئے تھے۔

"انکل.........." اس نے کہا پھر وہ ہم سب کو دیکھ کر جھجک گئی۔

"ہاں بیٹا' کیا بات ہے' بولو یہ سب میرے بیٹے ہیں۔" بیگ صاحب نے شفقت سے کہا۔

انکل مجھے ایرپورٹ جانا ہے اور گاڑی ابھی تک نہیں آئی۔ وقار کا کہیں پتا نہیں ہے' میں ہر جگہ ٹیلی فون کر چکی ہوں۔ اگر ہمیں دیر ہو گئی تو.......... بہت برا ہو گا۔" اس نے تشویش بھرے انداز میں کہا۔

"ہوں.........." بیگ صاحب نے پُر سوچ انداز سے اسے دیکھا۔

"ایئرپورٹ پر کون ہے؟"

"کوئی فیصل مسعود نام کا آفیسر ہے۔"

"ٹھیک ہے تم میری گاڑی لے جاؤ۔ میں قدیر کو فون کرتا ہوں' وہ پہنچ جائے گا۔

قدیر کو پہچانتی ہو نا.......... جس کے بالوں کی ایک لٹ بالکل سفید ہے؟"

"جی ہاں انکل.......... مگر پلیز جلدی کیجئے گا۔ اگر دیر ہو گئی تو.........."

"تم فکر نہ کرو۔ جاؤ میں ابھی فون کرتا ہوں۔" انہوں نے جیب سے گاڑی کی چابیاں نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

اور میں ہونقوں کی طرح اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو نہ صرف مردانہ کپڑے پہنے ہوئے تھی بلکہ مردوں کی طرح گاڑی چلاتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی تھی

میں گیٹ پر اُڑتی ہوئی دھول کو دیکھ رہا تھا کہ بیگ صاحب کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"بیٹا تم لوگ یعقوب کے ساتھ چلے جانا' نہا دھو کر آرام کرنا پھر کھانے کی ٹیبل پر باقی باتیں ہوں گی ٹھیک ہے!" راجہ اور خان کے ساتھ ساتھ ہم لوگوں نے بھی سر ہلایا۔ وہ اٹھ کر اندر چلے گئے۔

کچھ دیر بعد ہی یعقوب آ گیا۔ ہم سب اس کے ساتھ بنگلے کے پچھلے حصے میں آ گئے۔ جہاں غالباً صرف مہمانوں کے ٹھہرنے کو کمرے بنے ہوئے تھے۔ یہ سب کمرے ایک ہی لائن میں تھے' ہر کمرے میں دو بیڈ اور دو کرسیوں کے علاوہ ایک گول سی میز اور ایک ایسی ٹیبل بھی تھی جس پر آئینہ لگا ہوا تھا۔

پانچ کمرے تھے اور ہم سب دس آدمی تھے۔ ہر کمرے میں دو دو آدمی رہ سکتے تھے۔ میری خواہش تھی کہ خان میرے ساتھ رہے۔ خان نے بھی شاید میرے احساسات کو محسوس کر لیا تھا وہ مسکرا کر میرے ساتھ آ گیا۔

"میں تیرے ساتھ اس لئے آیا ہوں کہ تجھے ان سوالوں کے جواب دے سکوں جو ہر وقت تیری آنکھوں میں ابلتے رہتے ہیں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

میں بھی ہنس کر چپ ہو گیا۔ ہر کمرے میں ایک غسل خانہ تھا جسے خان نے باتھ روم کہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ باتھ روم جا رہا ہوں راجہ پوچھے تو بتا دینا۔ باقی سب لوگ بھی کمروں میں چلے گئے تھے۔ کچھ دیر بعد یعقوب ہاتھوں میں ایک گٹھرا سا اٹھائے ہوئے آیا۔ میں نے دیکھا وہ کپڑے تھے اس نے دو جوڑے شلوار قمیض میرے بیڈ پر رکھ دیئے اور بولا۔ "ایک جوڑا خان کو دے دینا اور ایک تم پہن لینا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہلکے آسمانی رنگ کا سوٹ میں نے اپنے لئے رکھ لیا۔ مجھے یہ رنگ بہت پسند تھا اور میں ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ اگر کبھی قسمت نے ساتھ دیا تو اس رنگ کے کپڑے بنواؤں گا۔

کچھ دیر بعد خان نہا کر تولیہ لپیٹے ہوئے باہر آ گیا۔ "کپڑے آ گئے؟"

"ہاں خان .... یہ لوگ بہت اچھے ہیں۔ اتنے امیر ہیں مگر رعب بالکل نہیں جھاڑتے اور دیکھو تو وہ یعقوب میرے لئے بھی کپڑے دے گیا ہے۔ مگر سنو .... ایسا تو نہیں کہ بیگ صاحب بھی چوہدری کی طرح بعد میں قرضہ وصول کرنے کے لئے ہمیں غلام بنالیں۔" میں نے اپنی تشویش ظاہر کی۔

"ارے نہیں ...." وہ ہنس دیا۔ "یہ لوگ ایسے نہیں ہیں۔ بیگ صاحب بھی ظالموں کے دشمن ہیں' وہ ہماری ہر طرح مدد کرتے ہیں۔ دراصل ان کا بہت بڑا بزنس ہے۔ روپے پیسے کا تو حساب ہی نہیں ہے' راجہ نے ایک مرتبہ ان کی جان بچائی تھی بس اسی وقت سے انہوں نے راجہ کو اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ ہم سب بھی راجہ کے ساتھ تھے' ہمیں بھی وہ بچوں کی طرح چاہتے ہیں۔" خان نے کپڑے پہنتے ہوئے بتایا۔

"بزنس کیا ہوتا ہے؟"

کاروبار......... ان کا کارخانہ ہے جہاں کپڑے کی چیزیں بنتی ہیں جو یہ پاکستان سے باہر بھیجتے ہیں۔"

"یہ تمہارے والد کو بھی جانتے ہیں کیا؟"

"جانتے تو نہیں ہیں مگر ان دنوں میرا باپ ہسپتال میں تھا' میں راجہ اور منگی ہسپتال جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص نے جو جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا' بیگ صاحب پر فائرنگ کر دی تھی۔ ہم قریب ہی تھے۔ راجہ نے عقاب کی طرح اس شخص کو دبوچ لیا تھا۔ گولی بیگ صاحب کی گاڑی کے اگلے شیشے پر لگی تھی مگر بیگ صاحب بال بال بچ گئے تھے۔ انہوں نے اتر کر ہمارا شکریہ ادا کیا اور اپنی گاڑی میں ہمیں ہسپتال چھوڑا تھا۔ ہم نے ان سے کہا تھا کہ ہمیں ہسپتال جانا ہے ورنہ وہ تو ہمیں اپنے ساتھ گھر لانا چاہتے تھے۔"

"اور وہ آدمی......... جس نے گولی چلائی تھی؟"

"اسے ہم نے باندھ کر ڈگی میں ڈال دیا تھا۔ اسے بیگ صاحب اپنے ساتھ ہی لے

گئے تھے کہہ رہے تھے کہ اسے پستول سمیت تھانے میں پہنچاؤں گا۔"

"اور........."

"بس........." خان نے ہاتھ اٹھا کر میری بات کاٹ دی۔ "اب بس کر' ساری باتیں آج ہی پوچھ لے گا! جا کر نہا اور کپڑے بدل۔ ابھی بیگ کا بلاوا آ جائے گا۔"

میں سعادت مندی سے غسل خانے چلا گیا۔ نہا دھو کر اور نئے کپڑے پہن کر میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ جب میں نے خود کو پورے قد کے آئینے میں دیکھا تو لمحہ بھر کو ٹھٹک کر رہ گیا' میں تو خود کو بھی نہیں پہچان پایا تھا۔

"واہ......... پورا شہزادہ نکلا ہے تُو تو!" خان نے ستائشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے کندھے اونچے ہو گئے۔ وہ ہنس پڑا۔ "ہمارے ساتھ رہے گا تو یہی عیش ہوں گے۔"

"سچ خان' میں تو پہلی بار دنیا دیکھ رہا ہوں۔ کاش صغرا اور......... اماں ابا بھی ہوتے تو......... تو........."

"بس اب رونے کی کوشش نہ کرنا۔" خان نے تنبیہہ کی۔

میں نے فوراً خود کو سنبھال لیا۔ اسی وقت یعقوب آ گیا۔

"کھانا کھالیں۔ صاحب انتظار کر رہے ہیں۔"

ہم دونوں باہر آئے تو باقی ساتھی بھی تیار تھے۔ راجہ نہا دھو کر بہت ہی اچھا لگ رہا تھا۔ اس کا رنگ نکھر آیا تھا اور بالوں سے مٹی نکلی تو وہ اور زیادہ سیاہ لگنے لگے تھے۔ ہم سب یعقوب کے پیچھے چلتے ہوئے ایک بہت بڑے کمرے میں پہنچے جہاں ایک بہت ہی بڑی میز رکھی تھی۔ اس میز کے گرد بارہ کرسیاں رکھی تھیں اور کانچ کے خوبصورت برتن پوری ٹیبل پر رکھے ہوئے تھے۔ کمرے میں عجیب سی خوشبو پھیلی تھی۔ ایک بہت بڑا فانوس ٹیبل کے بیچوں بیچ لٹک رہا تھا۔ دائیں جانب دیوار کے ساتھ ایک بہت بڑی الماری رکھی تھی جس پر سامنے کی طرف شیشہ لگا تھا اور اندر رکھے خوبصورت چینی کے برتن شیشے میں سے صاف نظر آ رہے تھے۔ اسی الماری پر ایک بڑے سے منہ کے برتن میں رنگ برنگے پھول سجے ہوئے تھے۔ مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے میں کسی ایسے محل میں آ گیا ہوں جیسے محل کے قصے مجھے اماں سنایا کرتی تھیں۔ مگر وہ محل تو دیو کے ہوتے تھے' وہی دیو جو شہزادیوں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو قید کرلیا کرتا تھا۔ میں مبہوت سا خان کے پیچھے چلتا ہوا ہر چیز کو حیرت سے دیکھتا ہوا کرسی پر جا بیٹھا۔ باقی سب بھی بیٹھ گئے۔

ٹیبل سے مختلف کھانوں کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ مجھے زور کی بھوک لگنے لگی۔ حالانکہ چند لمحے پہلے تک مجھے بھوک نہ تھی۔ سب خاموش بیٹھے تھے۔ کمرے میں صرف دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک گونج رہی تھی۔

میں نے چاروں طرف دیکھا' بیگ صاحب نہیں تھے؟ شاید وہ سب انہی کا انتظار کر رہے تھے کچھ دیر بیگ صاحب آ گئے۔ "ارے بھئی شروع کرو............ میں تو تم لوگوں کے آنے سے پہلے ہی کھا چکا ہوں۔ میں تو گیارہ بجے تک کھانا کھا لیتا ہوں۔ بسم اللہ کرو۔" ان کے کہنے کے بعد سب نے کھانا شروع کیا۔ میں تو سر جھکا کر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ بیگ صاحب اور راجہ باتیں کر رہے تھے۔ میں نے دھیان نہ دیا کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں مگر اپنا نام سن کر چونک گیا۔ راجہ بیگ صاحب کو میرے بارے میں بتا رہا تھا اور بیگ صاحب تاسف سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ نوالے میرے حلق میں اٹکنے لگے۔ میں نے بہ مشکل کھانا ختم کیا۔

کھانے کے بعد چائے آ گئی۔

"راجہ.......... ایک درخواست کروں تم سے؟" اچانک بیگ صاحب نے کہا۔

"آپ حکم کیجئے!" راجہ نے جواباً کہا۔

"یہ لڑکا.......... کیا نام ہے اس کا.......... ہاں بالا.......... بالے کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔"

میرے ہاتھ میں چائے کا کپ لرز گیا۔ راجہ نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور خاموش ہو گیا۔

"بھئی دیکھو نا.......... یہ پہلی مرتبہ شہر آیا ہے' تم کہتے ہو کچھ بھی نہیں جانتا' کچھ روز میرے پاس رہے تو کچھ سوجھ بوجھ آ جائے گی' کچھ خود اعتمادی پیدا ہو گی اس میں۔ میں اسے فیکٹری کے کام میں لگا دوں گا' کچھ بن جائے گا یہ۔"

میرا جی چاہا کہ انکار کر دوں۔ راجہ اور خان وغیرہ سے تو میرا واسطہ پڑ چکا تھا' کچھ کچھ جان گیا تھا انہیں مگر بیگ صاحب کو میں بالکل نہیں جانتا تھا۔ وہ بہت شفیق لگتے تھے

مگر میں تو امیر لوگوں سے پہلے ہی بہت ڈرا ہوا تھا۔ بظاہر شفقت دکھانے والے کیسے کیسے ظالم ہوتے ہیں اس کا اندازہ تھا مگر میرا حلق خشک ہو گیا تھا۔

"بیگ صاحب' میں کل بتاؤں گا آپ کو اس سلسلے میں۔ دراصل بالے.........."

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔" انہوں نے راجہ کی بات کاٹ دی۔ "تم بات کر لینا۔ مجھے یقین ہے بالا بیٹا انکار نہیں کرے گا۔" انہوں نے مجھے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

میں سر جھکائے بیٹھا رہا۔ چائے پی کر ہم سب اٹھ گئے اور پھر اپنے کمروں میں چلے آئے۔ میں اور خان ابھی بیٹھے ہی تھے کہ راجہ آ گیا۔ وہ مجھے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں بالے.......... بیگ صاحب کے ساتھ رہے گا؟"

"میں ان کو نہیں جانتا.........."

"تو ہمیں کون سا جانتا ہے؟" اس نے حسبِ عادت اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

میں لاجواب رہ گیا۔

دیکھ بالے .... ہمارے پیچھے ہر وقت پولیس رہتی ہے' ہم جنگلوں' بیابانوں میں بھوکے پیاسے چھپتے پھرتے ہیں' کبھی پولیس ہمیں گھیر لیتی ہے اور کبھی ہمارے دشمن' گولیاں چلتی ہیں تو جان کے لالے پڑ جاتے ہیں ہماری زندگیوں کا کوئی بھروسہ نہیں' تو یہاں رہے گا تو ہر طرح محفوظ رہے گا۔"

"مگر راجہ میں یہاں.......... تیرے ساتھ اس لئے تو نہیں آیا تھا کہ یہاں آ کر دشمنوں سے چھپ کر بیٹھ جاؤں۔ مجھے تو بدلہ لینا ہے' تو نے ہی تو کہا تھا کہ صغرا کو بھول مت جانا' اگر بھول گیا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ اسے بھول جا' وہ تو ہم سب کو یاد رہے گی جھلّے.......... کچھ روز یہاں رہے گا تو سُدھ بدھ آ جائے گی۔ پھر ابھی تک سلطان واپس نہیں آیا۔ میں اس کی طرف سے پریشان ہوں۔ کہیں وہ پولیس کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو۔ وہ آئے گا تو تیری ماں اور تیری منگ کی خیریت پتا چلے گی۔ سلطان سیدھا یہیں آئے گا جبکہ ہمیں صبح سویرے یہاں سے نکلنا ہے' ابھی خان کے دشمنوں سے نمٹنا ہے' پھر ہم بھی جلد واپس آئیں گے۔ میں تجھے اپنا ٹھکانہ دکھا دوں گا' پھر تو جب چاہے ہمارے پاس آ سکتا ہے۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ تو بیگ صاحب کے پاس رہ جا' یہ بہت اچھے آدمی ہیں تیرا ہر طرح خیال

رکھیں گے۔"

وہ بولتا رہا اور میں سرجھکائے سنتا رہا۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ جنگلوں جنگلوں پھرنے سے بہتر تھا کہ میں یہاں رہتا' کچھ سیکھ لیتا' سمجھ لیتا تاکہ اپنے دشمنوں سے بدلہ لے سکوں۔

"راجہ ٹھیک کہتا ہے بالے .... ہم جو زندگی گزارتے ہیں وہ بہت کٹھن ہے۔ تیرے بس کی بات نہیں۔" خان نے راجہ کی حمایت کی۔

"ٹھیک ہے راجہ مگر........... یاد رکھنا مجھے صغرا کے قاتلوں سے اور اپنے باپ کے قاتلوں سے بدلہ لینا ہے اور تُو میرا ساتھ دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔"

"راجہ مرد ہے بالے اور مرد کبھی اپنا وعدہ نہیں بھولتا۔" راجہ نے میرے کندھے پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ کر کہا۔

رات گہری ہو گئی تھی' نرم نرم بستر دیکھ کر ویسے ہی بدن میں تھکن سی دوڑ گئی تھی۔ راجہ کے جاتے ہی میں بستر پر لیٹ گیا۔ خان بھی لیٹ کر کچھ سوچنے لگا۔

"خان...........!"

"ہوں!"

"تُو نے اپنے بارے میں تو بتلایا ہی نہیں۔ تیرے باپ کو کس نے زہر دیا تھا اور .... کیا اب تُو اکیلا ہے؟"

"میں اکیلا نہیں ہوں بالے .... اس دنیا میں کہیں نہ کہیں میری ایک بہن بھی ہے' جو میرا انتظار بھی کر رہی ہو گی' مگر..........."

"میں سمجھا نہیں خان' دنیا میں کہیں نہ کہیں .... کیا تو نہیں جانتا وہ کہاں ہے؟"

"وہ نو برس کی تھی جب اسے اغوا کر لیا گیا تھا۔ ہم دونوں بارش میں بیر بہوٹیاں ڈھونڈنے نکلے تھے۔ وہ چلتے چلتے تھک گئی تو میں نے اسے ایک درخت کے نیچے بٹھا دیا اور کہہ دیا کہ میرا انتظار کرنا میں کچھ دیر میں بیر بہوٹیاں لے کر آؤں گا۔ پھر میں بیر بہوٹیاں ڈھونڈتا ہوا دور تک نکل گیا۔ مجھے وہ رستہ ہی یاد نہ رہا جہاں میں شانی کو چھوڑ آیا تھا۔ مجھے کہیں نہ ملی تو میں روتا ہوا گھر بھاگا۔ پھر ہم سب نے مل کر اسے تلاش کیا وہ درخت مل گیا جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا' اس کے پاس جو بیر بہوٹیاں تھیں وہ وہیں زمین

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رینگ رہی تھیں مگر شانی کا کہیں پتا نہ تھا۔

پھر ہم نے اسے ہر جگہ تلاش کیا' مگر........... جانے اسے آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔ میں اُس وقت بارہ برس کا تھا' اُس وقت سے آج تک مجھے چین نہیں آیا ہر دم یہی خیال رہتا ہے کہ وہ میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ میری ماں اس غم میں بیمار ہو کر مر گئی۔ میرا باپ اپنے علاقے کا بڑا زمیندار تھا۔ میرا چچا میرے باپ کی زمین پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ بہن کے کھو جانے اور ماں کے مرجانے کے بعد تو اس نے کوششیں تیز کر دیں تھیں۔ پھر ایک روز اس نے مجھے اور میرے باپ کو زہر دے کر مارنا چاہا' ہمارا کھانا پینا ساتھ ہی تھا۔ اس کی بیوی پکاتی تھی۔ اُس روز بھی حسبِ معمول ہمارا کھانا نوکر دے گیا تھا۔ میں اور بابا کھانے بیٹھے تھے کہ میرا ایک دوست آ گیا' میں اٹھ کر باہر چلا آیا مگر بابا نے کھانا کھا لیا۔ میں کچھ دیر بعد کمرے میں واپس آیا تو بابا زمین پر بے ڈھب پڑا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے' آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ میں اسے دیکھ کر پاگل ہو گیا۔ اس وقت اپنے ایک دوست کی مدد سے میں نے اسے ہسپتال پہنچایا جہاں دو دن زندگی اور موت کشمکش میں رہ کر بابا انتقال کر گیا۔"

خان دم بھر کو رکا تو مجھے احساس ہوا کہ میری آنکھوں سے بہنے والے آنسو میرا چہرہ بھگو گئے ہیں۔ "پھر........... ؟ پھر کیا ہوا...........؟"

"پھر اس سے پہلے کہ میرا چچا مجھے بھی جان سے مار دیتا میں رات کے اندھیرے میں وہاں سے نکل بھاگا۔ راجہ میرا پرانا دوست تھا۔ اس کو جب معلوم ہوا کہ چچا نے میرے باپ کو راستے سے ہٹا دیا ہے' تو اس نے مجھے اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا۔ میں تھانہ کچہری کرنا چاہتا تھا مگر راجہ نے مجھے سمجھایا کہ یہ سب بیکار ہے دنیا صرف پیسے کا ساتھ دیتی ہے۔ چچا ہر حال میں جیت جائے گا اس کے پاس پیسہ تھا جبکہ میں تو بابا کی موت کے بعد بالکل کنگلا ہو گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ چچا سب کچھ اپنے نام کرا لے گا اور اگر اسے میرا پتا مل گیا تو مجھے بھی جان سے مروا دے گا۔ اس لئے میں نے اس طرف کا رخ نہیں کیا۔ میں پہلے اپنی بہن کو ڈھونڈنا چاہتا ہوں پھر چچا سے حساب بے باق کروں گا۔" وہ خاموش ہوا تو فضاؤں میں رینگتی خاموشی کی گھوں گھوں میری کنپٹیوں میں گھومتی محسوس ہوئی۔

دور کہیں سے گھنٹی کی آواز سنائی دی ہم دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا

RVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"تین بج گئے؟" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"معلوم نہیں .... میرے لئے تو وقت ٹھہرا ہوا ہے۔ وہیں .... اسی درخت کے نیچے .... میری بہن کی پُرشوق آنکھوں کی پتلیوں پر جن میں ڈھیر ساری بیر بہوٹیاں جمع کرنے کی خواہش تھی.......... یہ سچ ہے بالے .... میں ابھی تک اسی ایک لمحے کی قید میں ہوں۔ وہ لمحہ جس سے پہلے گزرنے والے لمحے نے میرا بچپن اور میری زندگی کی ہر خوشی سمیٹ لی اور جانے کہاں چھپ گیا.......... مجھے لگتا ہے جیسے یہ سب .... جو ہو رہا ہے .... جو گزر رہا ہے وہ میرا محض خواب ہے میری آنکھ کھلے گی تو میں اس لمحے کی نرم گیلی ریت پر ننگے پاؤں کھڑا ہوں گا اور اس گھنے پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھی شانی مجھ کہے گی 'پاجی.......... جاؤ نا.......... بیر بہوٹیاں لاؤ..........' مگر بالے .... اب میں اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا.......... اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خون آشام لمحے کی قید سے نکال لوں گا .... بالے .... میں اسے نکال لوں گا.......... تُو دیکھ لینا .... میں ایسا کرلوں گا.........."

میں ڈر گیا .... جانے وہ کیا کیا کہہ رہا تھا' عجیب سی باتیں کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ اچانک کھڑا ہو گیا۔ ٹہلنے لگا تیز قدموں سے' وہ اب بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر اتنا آہستہ کہ میں کوشش کے باوجود سن نہیں پا رہا تھا۔

"خان!" میں نے اسے پکارا

"ہوں!" وہ چونک گیا۔

"سو جاؤ خان.......... تین بج چکے ہیں۔" میرے لہجے میں خوف تھا اور آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے لمبا سانس لیا۔ "ہاں سو جاؤ۔"

میں چپکے سے بستر پر لیٹ گیا۔ وہ بھی خاموشی سے لیٹ گیا۔ میں نے دزدیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا' اس کی آنکھیں بند تھیں مگر چہرے پر تناؤ تھا۔ مجھے خان کی باتیں سن کر بہت دکھ ہوا تھا۔ میں جانتا تھا کہ بہن کی محبت کیا ہوتی ہے۔ میری صغرا بھی تو مجھ سے بچھڑ گئی تھی۔ مگر اسے تو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے زمین کی گود میں اتارا تھا۔ وہ محفوظ تو تھی مگر شانی .... جانے کن عذابوں سے گزر رہی ہو گی۔ یہاں جن بہنوں کے بھائی نہیں ہوتے' جن بیٹیوں کے باپ نہیں ہوتے انہیں دنیا کیسے کیسے عذاب دیتی ہے۔ اس کا

اندازہ مجھے تھا۔ "خدا کرے وہ جہاں بھی ہو خیریت سے ہو۔" میرے دل سے دعا نکلی۔

میں خان اور شانی کے بارے میں سوچتا ہوا جانے کب سو گیا۔ بہت روز بعد ایسا سکون اور اتنا نرم بستر میسر آیا تھا نیند ایسی ٹوٹ کر آئی کہ خان کے جھنجوڑنے پر ہی آنکھ کھلی۔

"دس بج رہے ہیں دس.........." خان نے زور سے کہا۔

میں نے کسمسا کر آنکھ کھول دی۔

"تُو تو ایسے کہہ رہا ہے جیسے مجھے سویرے سویرے کھیت پر جانا ہو۔"

"تجھے تو شاید اب کہیں نہیں جانا مگر ہمیں جانا ہے۔ راجہ انتظار کر رہا ہے۔"

میں اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ "کہاں جانا ہے؟"

"یہ تو نہیں معلوم مگر.......... جانا ہے بس۔"

"خان میرا دل نہیں مانتا.......... نہ معلوم میں یہاں کیوں رہنا نہیں چاہتا۔"

"ہر نئی جگہ آدمی کے لئے اجنبی ہونے کی وجہ سے ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتیں سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اٹھ راجہ انتظار کر رہا ہے۔"

میں جلدی سے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ میں پانچ منٹ میں تیار ہو گیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ راجہ سے صاف صاف کہہ دوں گا کہ میں یہاں نہیں رکنا چاہتا۔ ہم پھر اسی کمرے میں آ گئے جہاں رات سب نے کھانا کھایا تھا۔ راجہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھا تھا۔ بیگ صاحب اور وہ مرد نما لڑکی بھی موجود تھی مگر اس وقت وہ بالکل مختلف لگ رہی تھی۔ اس نے سفید کرتا شلوار اور گلابی پھولوں والا بڑا سا دوپٹا اوڑھ رکھا تھا۔ اس وقت وہ مجھے اچھی لگی۔ سیدھی سادی سی' معصوم سی' مگر اتنے بہت سے مردوں میں بیٹھی وہ عجیب سی لگی۔

ہمارے گاؤں میں تو لڑکیاں پردہ نہ کرنے کے باوجود بھی کبھی مردوں کے درمیان نہیں بیٹھتی تھیں۔ میرے داخل ہوتے ہی بیگ صاحب بولے۔

"لو بھئی ہمارا بیٹا بھی آ گیا۔ میں ابھی اسی کے بارے میں بات کر رہا تھا۔" انہوں نے اس لڑکی سے مخاطب ہو کر کہا پھر مجھ سے گویا ہوئے۔

"بھئی بالے' یہ فاریہ ہے' میری بھتیجی .... میرے مرحوم بھائی کی پہلی اور آخری

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نشانی۔ اب یہی میرا سب کچھ ہے۔ میری اپنی تو کوئی اولاد نہیں ہے میں نے اسے اپنی بیٹی بنا لیا تھا اور اب خدا نے تمہاری شکل میں بیٹا بھی دے دیا ہے۔ سبحان اللہ خدا واقعی سب کی سنتا ہے۔ سب کو سب کچھ دیتا ہے بس مانگنے والا سلیقے سے مانگے تو ....“

میں ان کے قریب خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں تو کچھ اور سوچ کر آیا تھا مگر بیگ صاحب کی باتوں نے مجھ سے میری ہمت ہی چھین لی۔ میری زبان پر تالے ڈال دیئے میں نے نگاہ اٹھا کر راجہ کی طرف دیکھا جو چبھتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا یوں جیسے میرے دل کا سب حال جانتا ہو۔

”چلو بھئی ناشتا کرو ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“ بیگ صاحب نے سب سے کہا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ صرف برتنوں کی آوازیں تھیں یا دیوار پر لٹکی اس خوبصورت گھڑی کی جس سے لوہے کی کئی زنجیریں نکل کر نیچے تک آ رہی تھیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ہم ناشتے سے فارغ ہو گئے۔

”چلو باہر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔“ بیگ صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔

ہم سب ان کے پیچھے چلتے ہوئے ایک بڑے سے لان میں آ گئے جہاں ملازم پہلے ہی بہت سی کرسیاں ڈال چکے تھے۔

”ہاں اب بتاؤ .... کیا پروگرام ہے؟“ بیگ صاحب نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”بس بیگ صاحب، ہمیں کچھ کام ہے۔ انشاء اللہ جلد ملاقات ہو گی۔“ راجہ نے جواب دیا۔

”کسی چیز کی ضرورت ہو تو ہمیں بتاؤ“۔ انہوں نے کہا۔

”مہربانی بیگ صاحب، آپ کی شفقت ہی بہت ہے۔ بس آپ ہم سب کے لئے دعا کیجئے گا۔“

”میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں بیٹا۔ خدا کرے تم لوگ خوش رہو۔“ اتنا کہہ کر انہوں نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر راجہ کی طرف بڑھایا۔

”اسے رکھ لو.......... شاید تمہارے کام آئے۔“

”یہ کیا ہے؟“ راجہ نے پوچھا

”کچھ تھوڑی سی رقم ہے راجہ..........“

”بیگ صاحب .... ہم اس لئے تو نہیں آئے۔“

”میں جانتا ہوں راجہ .... مگر باپ کی حیثیت سے دے رہا ہوں۔“

”میرے پاس ہیں بیگ صاحب“

”میں جانتا ہوں۔ یہ بھی میں جانتا ہوں کہ اس وقت تمہاری جیب میں کچھ نہیں ہے۔“

میں یہاں سے سیدھا گھر جاؤں گا بیگ صاحب، وہاں سب کچھ ہے۔“ راجہ کا لہجہ اکھڑا ہوا تھا۔

”یہ بھی تمہارا گھر ہے بیٹا، اجنبیوں سی باتیں کرتے ہو تو تکلیف ہوتی ہے۔ پھر آؤ تو لوٹا دینا۔ حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ اتنے لمبے رستے میں کچھ بھی ہو سکتا ہے رکھ لو.......... شاباش ....“ بیگ صاحب کے اصرار نے راجہ کو مجبور کر دیا۔ اس نے جھجکتے ہوئے وہ لفافہ لے لیا۔

”اب اجازت ہے..........؟“ وہ اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی باقی سب کھڑے ہو گئے۔ میرا دل چاہا کہ میں راجہ کو اشارہ کروں کہ میں بھی ساتھ جاؤں گا مگر اس سے پہلے ہی راجہ نے کہا۔ ”بالے میں جلدی دوبارہ آؤں گا۔ اگر تم یہاں خود کو مطمئن سمجھو تو رک جاؤ ورنہ ....“

میں خوش ہو گیا۔ گویا راجہ نے یہاں رکنا یا نہ رکنا میری مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ میں اگلی بار اس سے کھل کر کہہ سکتا تھا کہ میں یہاں نہیں رہنا چاہتا۔

وہ لوگ چلے گئے۔ مجھے اپنا آپ خالی خالی سا لگا۔ جیسے سب کچھ اچانک مجھ سے چھن گیا ہو۔ میں اکیلا رہ گیا ہوں .... راجہ اور خان .... اور وہ سب جو میرے کوئی نہیں تھے پھر بھی مجھے اپنے اپنے سے لگے تھے۔ جن کے ساتھ رہ کر میں نے کبھی خود کو تنہا نہیں سمجھا تھا ان سب کے جاتے ہی میں اکیلا ہو گیا تھا۔

”کچھ سوچ رہے ہیں آپ؟“

میں چونک پڑا وہ لڑکی میرے سامنے کرسی پر بیٹھی تھی۔ بیگ صاحب معلوم نہیں کب چلے گئے تھے مجھے احساس بھی نہ ہوا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"جج .... جی .... جی نہیں .... میں تو بس .... جی وہ ...."

میرے حلق میں کانٹے پڑ گئے۔

وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"آپ شہر میں پہلی دفعہ آئے ہیں۔ انکل بتا رہے تھے۔"

"جی پہلی .... دفعہ۔"

"پھر تو میں آپ کو سارا شہر گھماؤں گی۔ یہ بہت خوب صورت جگہ ہے۔ خاص طور پر راوی کا کنارہ .... مجھے بہت پسند ہے۔ جب چاند پورا ہوتا ہے تو میں رات کو وہاں ضرور جاتی ہوں۔"

"بیگ صاحب بھی جاتے ہیں؟"

وہ ہنس پڑی ہے۔ "انکل .... وہ تو کہیں جاتے ہی نہیں۔"

"پھر آپ کیسے جاتی ہیں؟"

"میں .... اکیلی .... اکیلی جاتی ہوں۔ مگر اب آپ کے ساتھ جاؤں گی۔"

"اکیلی .... ؟ رات کو .... ؟"

"یہ شہر ہے بالے صاحب .... یہاں اکیلے جانا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ ویسے آپ کا نام بہت عجیب سا ہے .... کاش آپ کا کوئی اور نام ہوتا۔"

"جی میرا نام اقبال ہے۔ ماں اور ابا مجھے بالا کہتے تھے۔"

"اقبال .... ہاں یہ اچھا نام ہے مگر بالا .... ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"تو اقبال صاحب آج شام کو ہم باہر چلیں گے۔ کسی اچھے سے ریستوران میں کھانا کھائیں گے اور پھر رات کو میں آپ کو راوی کا کنارہ دکھاؤں گی، وہ کنارہ جہاں سے شاید پہلی بار کائنات میں زندگی نے جنم لیا تھا اور شاید یہیں زندگی دم توڑ دے گی۔"

"جی .... اگر بیگ صاحب اجازت دیں گے تو ...."

"ان کی فکر نہ کرو .... جو میں کہتی ہوں وہی وہ کہتے ہیں اور جو وہ کہتے ہیں میں وہی کرتی ہوں۔ تمہیں زندگی کے نشیب و فراز دکھانا اب میری ذمے داری ہے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

اسی وقت گیٹ پر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ ہم دونوں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ وہ کالے رنگ کی بڑی سی گاڑی تھی۔ جس کے شیشے سیاہ رنگ کے تھے اور اندر کا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ چوکیدار نے بڑھ کر گیٹ کھولا اور مؤدب کھڑا ہو گیا۔ فاریہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے ساتھ ساتھ جوش بھی تھا۔

"اقبال تم اپنے کمرے میں جاؤ میں کچھ دیر بعد تم سے وہیں آ کر ملتی ہوں۔ میرے کچھ مہمان آئے ہیں۔" اتنا کہہ کر وہ تیز قدموں سے پورچ کی طرف بڑھ گئی جہاں وہ گاڑی ٹھہر گئی تھی۔

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میری نگاہ گاڑی کی طرف اٹھ گئی تھی جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس میں سے جو شخص اتر رہا تھا اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا میں نے شاید اتنا خوبصورت آدمی زندگی میں پہلی دیکھا تھا۔ وہ سفید سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے ہاتھ میں خوبصورت چھڑی تھی۔ انگلیوں میں خوبصورت قیمتی انگوٹھیاں اور گلے میں سونے کی موٹی سی زنجیر تھی۔ اس کا چہرہ اتنا چمک دار تھا کہ نگاہ پھسلتی محسوس ہوتی تھی۔ میں دم بخود رہ گیا۔ اس کے بال بے حد خوبصورت تھے سفید اور کالے، چمک دار لچھوں کی صورت بکھرے بکھرے سے۔ میں آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ مجھے لگا جیسے وہ مجھے دیکھ کر چونک پڑا ہو۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہو گئی۔

اسے اپنی طرف متوجہ پا کر میں تیز قدموں سے کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف بڑھ گیا جہاں میرا کمرا تھا۔ وہی کمرا تھا جس میں رات میں اور خان سوئے تھے۔

"اے بوائے ...." اس نے مجھے پکارا۔ میرے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی۔ قدم یوں رک گئے جیسے زمین نے جکڑ لئے ہوں میں پلٹ کر اسے دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

"اقبال .... یہاں آؤ ...." فاریہ کی نرم آواز نے میرا پتھریلا پن ختم کر دیا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ "جی میں؟" میں نے سینے پر انگلی رکھ کر پوچھا۔

"ہاں تم ....!" اس آدمی نے میری طرف اشارہ کیا۔

میں لرزتے قدموں سے ان کی طرف بڑھ گیا اس وقت کوٹھی کا اندرونی دروازہ کھلا اور بیگ صاحب باہر آ گئے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

"بہادر صاحب!" اتنا کہہ کر وہ گاڑی کی طرف لپکے۔ "آپ .... مجھے اطلاع کر دی ہوتی .... آپ نے زحمت کی .... آیئے تشریف لایئے .... آیئے آیئے ...."

"پیاسا کنویں کے پاس آتا ہے بیگ صاحب .... کنویں کو نہیں بلاتا.........."
انہوں نے ہنس کر کہا اور پلٹ کر گاڑی کے اندر بیٹھے شخص کو اشارہ کیا۔ میں گاڑی کے قریب پہنچ گیا تھا اس لئے اس کے اندر کی تمام چیزیں میری نگاہ میں تھیں۔ سامنے کی سیٹ پر ایک خرانٹ سی شکل کا آدمی بیٹھا تھا جس کے زانو پر ایک بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ پچھلی سیٹ پر ایک براؤن سا خوف ناک شکل والا کتا زبان نکالے ہانپ رہا تھا۔ اس کے برابر میں ایک اٹھارہ انیس برس کی نازک سی، پیاری سی لڑکی بیٹھی تھی جس کا ایک ہاتھ کتے کی کمر پر رکھا تھا۔ ان کے قدموں میں ایک سیاہ رنگ کا لوہے کا بکس تھا جس کا کچھ حصہ ہی مجھے نظر آیا تھا۔

میں ہاتھ باندھ کر اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت وہ بریف کیس والا شخص اتر آیا اور ڈرائیور کو نیچے آنے کا اشارہ کیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ لڑکی اور کتا بھی نیچے آ گئے۔ بیگ صاحب نے آگے بڑھ کر اس لڑکی کو ریسیو کیا۔ فاریہ بھی اسے گلے ملی۔ کتا خاموش تھا۔ مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ مجھے دیکھ کر بھی کتے کے تاثرات نہیں بدلے تھے۔ جبکہ میں اس کے لئے قطعی اجنبی تھا اور اسی وجہ سے اس سے ڈر رہا تھا۔

اس بات کو شاید سبھی نے محسوس کیا۔ اس سفید پوش شخص کے علاوہ بیگ صاحب، فاریہ اور وہ لڑکی بھی حیرت سے کبھی مجھے اور کبھی کتے کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ کون ہے بیگ.........!" اس شخص نے جسے بیگ صاحب نے بہادر صاحب کہا تھا۔ پوچھا۔

"اس کا نام اقبال ہے سب اسے بالا کہتے ہیں۔ راجہ کو تو آپ جانتے ہیں نا! اس کا ساتھی ہے، راجہ سے میں نے اسے مانگ لیا تھا۔ اب یہ میرے پاس ہی رہے گا۔ بڑی لمبی کہانی ہے اس کی، تفصیل سے بتاؤں گا۔ آپ اندر تشریف رکھیئے۔" بیگ صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے چلو سیماں ...." انہوں نے لڑکی سے کہا، پھر وہ بیگ صاحب کی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

طرف متوجہ ہوئے۔ "بیگ صاحب، قریشی واپس جائے گا۔ سامان ائیرپورٹ پہنچانا تھا۔ اگر آپ قدیر صاحب سے کہہ دیں تو.......... آسانی ہو جائے گی۔ دراصل میرا آدمی ہسپتال میں پڑا ہے۔ اسے ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا وہ چھٹی پر ہے ورنہ آپ کو زحمت نہ دیتا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ صاحب بہادر .... ہم اور آپ دو ہیں کیا..........! میرا اور آپ کا کام ایک ہی تو ہے۔" انہوں نے ہنس کر کہا اور ان سب کو لئے ہوئے کوٹھی کی طرف چل پڑے۔ وہ شخص جسے بہادر صاحب نے قریشی کہا تھا وہی تھا جو زانو پر بریف کیس لئے چوکنا نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت گاڑی سے باہر تھا اور بہادر صاحب کے پیچھے کسی پالتو کتے کی طرح چل رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اب بھی اِدھر اُدھر حرکت کر رہی تھیں۔ وہ نہ جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ مجھے کسی نے بھی آنے کو نہیں کہا تھا اس لئے میں وہیں کھڑا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ سب اندر چلے گئے ڈرائیور اب بھی اپنی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ سب کے اندر جاتے ہی اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سگریٹ نکال لیا اور دوسری جیبیں ٹٹولنے لگا، پھر اس نے مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"ہوں؟" میں نے قریب جا کر پوچھا۔

"ماچس ہو گی آپ کے پاس؟"

"نہیں میں سگریٹ نہیں پیتا۔"

"عجیب آدمی ہو..........!" اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھ کر کہا۔

"پھر کیا پیتے ہو؟"

"ٹھنڈا پانی اور .... لسی ....، یہاں پانی تو ملتا ہے مگر لسی ابھی تک نظر نہیں آئی۔"

"نظر آئے گی بھی نہیں .... یہاں سونا پینے والے لوگ رہتے ہیں۔ چاندی پینے والے نہیں۔" وہ ہنسا۔

میں اس کا مطلب نہیں سمجھا تھا اس کے لہجے میں حقارت تھی۔ انداز دوستانہ نہیں تھا۔ میں نے وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

میں اپنے کمرے میں پہنچا تو ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ میں بستر پر لیٹ گیا۔ سونے سے میری طبیعت گھبرا گئی تھی۔ اماں کی یاد آئی تو میں تڑپ کر اٹھ بیٹھا جانے وہ کس حال

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں ہو گی۔ ان ظالموں نے اسے زندہ چھوڑا ہو گا یا نہیں .... سوہنی کیسی ہو گی؟ ماسی میراں کب تک میرا انتظار کرے گی۔ یہ وہ سوالات تھے جو مجھ میں طوفان اٹھا گئے۔ میں نے اپنے آپ کو بے حد بے بس محسوس کیا۔ میں بااختیار انسان ہونے کے باوجود کسی بے جان تنکے کی طرح کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا تھا۔ میرا جی چاہا کہ میں بھاگ جاؤں۔ یہاں عیش کرنے سے تو بہتر تھا کہ میں اپنی ماں کو بچاتے ہوئے جان دے دیتا۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں نے راجہ سے کیوں نہ کہا کہ مجھے بھی ساتھ لے لے۔ یہاں رہ کر تو میں اور زیادہ بے بس ہو گیا تھا۔ چوہدری کی غلامی کے بعد بیگ صاحب کی غلامی قبول کر لی تھی میں نے۔ صرف فرق اتنا ہی تھا کہ یہاں مجھ پر ظلم کرنے والا' گالیاں دینے والا کوئی نہ تھا۔ یہ لوگ مجھے محبت اور شفقت سے قیدی بنائے ہوئے تھے اور چوہدری .... میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

اسی وقت مجھے دروازے پر آہٹ محسوس ہوئی۔ کسی نے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون؟"

"یعقوب سر!"

میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ بڑا سا پیکٹ لئے کھڑا تھا۔

یہ آپ کے لئے ہے سر .... بیگ صاحب نے کہا ہے کہ شام کو آپ تیار رہئے گا۔" یعقوب نے مؤدبانہ انداز میں کہا اور ہینڈ بیگ بڑی احتیاط سے ٹیبل پر رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔"

اس کے جاتے ہی میں نے آگے بڑھ کر پیکٹ اٹھا لیا اس میں گہرے نیلے رنگ کا سوٹ تھا۔ پینٹ اور کوٹ' ہلکی نیلے رنگ کی قمیض' گہرے نیلے رنگ کی ٹائی اور جوتوں کا ڈبا بھی موجود تھا جس میں میرے سائز کے کالے رنگ کے جوتے بھی تھے۔ یہ سب دیکھ کر میرے ہاتھ اور پاؤں خوشی سے پھول گئے۔

ایسے کپڑوں کا تصور میں نے تو خواب میں بھی نہیں کیا تھا۔ یہ میری حیثیت سے کہیں بڑھ کر تھا۔ میرے بدن میں اچانک پھرتی آ گئی۔ میں نے وہ سوٹ پیکٹ سے نکال لیا۔ میں اسے پہن کر دیکھنا چاہتا تھا مگر اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی میں نے گھبرا کر پیکٹ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"میں آ سکتی ہوں!" فاریہ نے دروازہ کھول کر جھانکا۔

"جی .... جی آیئے جی۔"

وہ اندر آ گئی۔ "مسٹر اقبال' مجھے انکل نے آپ کے بارے میں تفصیل سے بتایا ہے مجھے بہت افسوس ہوا۔ آپ اپنی ماں کے لئے فکر مند ہیں؟"

اس نے میری دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ میں تڑپ اٹھا۔

"اسی لئے تو میں یہاں رکنا نہیں چاہتا تھا جی .... میرا ایک ایک لمحہ میری ماں کی فکر میں بھرا ہوا ہے۔ مجھے ایک پل بھی چین نہیں ہے جی .... میں اپنی ماں کو لانا چاہتا ہوں۔ اسے اور سوہنی کو .... اور .... ماسی میراں کو' سب کو .... میری زندگی میں یہ تین ہستیاں ہی سب کچھ ہیں جی۔" میری آواز بھرا گئی اور آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

"ارے ارے مسٹر اقبال آپ تو رو رہے ہیں۔ مرد روتے تو نہیں ہیں۔"

"کیوں مرد انسان نہیں ہوتے؟ انہیں دکھ نہیں ہوتا کیا .... کیا وہ تکلیف کو محسوس نہیں کر سکتے؟"

"یہ بات نہیں ہے' تکلیف تو انہیں بھی ہوتی ہو گی مگر ان میں صبر زیادہ ہوتا ہے' عورت سے زیادہ .... وہ کوشش کریں تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ طاقت ور ہوتے ہیں مسٹر اقبال آپ بھی طاقت ور ہیں۔ آپ بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ان سب ہستیوں کو لا سکتے ہیں جو آپ کی زندگی میں اہم ہیں مگر یوں نہیں .... پلاننگ کر کے .... ہر چیز طریقے سے' سلیقے سے کی جاتی ہے اور وہ سلیقہ میں آپ کو سکھاؤں گی۔ چوہدری طاقت ور ہے' پیسے والا ہر چیز خرید سکتا ہے گواہیاں' وکیل' جج اور .... اور سارا قانون' آپ کو اس سے مقابلہ کرنے کے لئے اس سے زیادہ طاقت ور بننا ہے۔ اس سے زیادہ پیسے والا .... تاکہ آپ قانون کی اس سے زیادہ بولی لگا سکیں۔ تب آپ جیت جائیں گے۔ سب کچھ آپ کے قدموں میں ہو گا۔ سب کچھ ...."

اس کی باتوں نے میری ہمت توڑ کر رکھ دی۔ میں نے خود کو زیادہ بے بس محسوس کیا۔ جو کچھ وہ کہہ رہی تھی وہ ناممکن تھا۔ نہ میں طاقت ور تھا اور نہ میرے پاس دولت تھی جس سے میں سب کچھ خرید سکتا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"کیا آپ نہیں چاہتے کہ آپ اس سے اپنا حق' اپنی ماں اور اپنی محبت چھین سکیں' اپنی سسک سسک کر مرجانے والی بہن اور باپ کا بدلہ لیں؟"

اس نے پھر ضرب لگائی میرے دماغ پر' میرے دل پر' خون میری کنپٹیوں پر ٹھوکریں مارنے لگا۔ "کیوں نہیں جی .... میں تو چاہتا ہوں کہ اس کی نسلوں کو بھی جہنم رسید کر دوں .... انہیں کتے کی موت ماروں۔ انہیں' جنہوں نے مجھ سے میری زندگی چھین لی۔ میرے باپ اور میری بہن کو مجھ سے دور کر دیا۔ میری ماں اور میری محبت کو قید میں جکڑ لیا .... میں جانتا ہوں جی' ماں کے ساتھ ہی انہوں نے ماسی میراں اور سوہنی کو بھی اٹھا لیا ہو گا .... میں انہیں لانا چاہتا ہوں' چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے' میں خود کو تباہ کردوں گا مگر میں انہیں زندگی کی رنگینیاں دوں گا۔ ایک بھرپور زندگی دوں گا جی ...."

"یہ بات ہوئی نا .... مردوں والی۔ ٹھیک ہے مسٹر اقبال' اب ہم کام کی بات کرتے ہیں۔" وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی' اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

اس کی اس بات نے مجھے حیران کر دیا جو باتیں ہم کر رہے تھے۔ یہ بات اس سے بہت مختلف تھی عجیب سی'

"میں سمجھا نہیں جی!"

"تم مجھے مس فاریہ کہہ سکتے ہو اقبال' دیکھو اقبال' تمہیں چوہدری کا مقابلہ کرنے کے لئے طاقت اور دولت کی ضرورت ہے۔ اگر یہ دونوں چیزیں میں تمہیں فراہم کر دوں تو ....؟"

"جج .... جی .... مس .... فاریہ آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں میں اسے سمجھا نہیں' طاقت اور دولت آپ کیسے دے سکتی ہیں؟"

"اس پر بعد میں بات ہو گی' پہلے تم میری بات کا جواب دو۔"

"تو .... تو ظاہر ہے کہ میں اپنی خواہش پوری کر لوں گا' اپنی ماں' سوہنی اور ماسی میراں کو لے آؤں گا۔"

"تم اس کے لئے کیا کر سکتے ہو؟"

"آپ کیا چاہتی ہیں؟" میں نے زچ ہو کر کہا۔

"دیکھو اقبال دولت اور طاقت یوں بانٹی تو نہیں جاتی۔ اس کے لئے تمہیں خود کام کرنا پڑے گا۔ ہماری فیکٹری ہے جہاں لیدر کی چیزیں بنتی ہیں۔ تمہیں اس فیکٹری میں کام کرنا ہو گا۔"

"مگر جی .... میں تو کام نہیں جانتا۔ بس اوپر کا کام کر سکتا ہوں اگر آپ مجھے ...."

"سکھا دیں گے" اس نے میری بات کاٹ دی۔

"پھر میں وعدہ کرتا ہوں جی کہ آپ کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دوں گا' زندگی بھر احسان مانوں گا آپ سب کا۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

"میں تم سے صرف ایک وعدہ چاہتی ہوں۔"

"حکم کریں جی۔"

"وفاداری! لوگ تمہیں لالچ دیں گے ہم سے زیادہ پیسے کا مگر یاد رکھو پیسہ بہت طاقت ور سہی مگر ہے بری چیز۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں جی .... میں چوہدری جیسے شخص کی وفاداری میں اپنی آدھی سے زیادہ زندگی گزار سکتا ہوں جس نے کسی پل مجھے خوشی نہ دی تو بھلا آپ کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟"

"بس تو پھر ڈن!"

"جی!"

"ڈن .... یعنی یوں سمجھو کہ کام شروع .... ٹھیک؟"

"جی آپ حکم کریں بس ...."

"اچھا چلو کھانا کھا لو۔" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

ہم دونوں پھر کھانے کے کمرے میں آ گئے۔ وہاں بہادر صاحب اور بیگ صاحب کے علاوہ وہ لڑکی بھی تھی جس کو بہادر صاحب نے سیماں کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

"آؤ بھئی .... ہم تم لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔" بیگ صاحب نے ہمیں دیکھتے ہی کہا۔

کھانے کے دوران میں خاموشی رہی' میں سر جھکائے کھانا کھا رہا تھا۔ یہ دوسرا دن تھا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور سچ پوچھئے تو میں نے اب تک پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ مجھے ان تکلفات کی عادت کہاں تھی۔ چمچہ' کانٹا اور چھری .... اور یہ سب' جن کے سامنے تھوک نگلنے کی ہمت بھی نہ ہوتی تھی۔ میں بہت آہستہ کھانا کھاتا تھا اور سب کھا کر اٹھ جاتے تو مجھے بھی اٹھنا پڑتا' میں چارپائی پر آلتی پالتی مار کر کھانا کھایا کرتا تھا اب یوں کرسی پر بیٹھ کر مجھ سے کھایا ہی نہیں جاتا تھا۔

کھانے کے فوراً بعد چائے آ گئی تھی۔ فاریہ اور سیماں نارنگی کا رس پی رہی تھیں مجھے چھاچھ یاد آ گئی۔ کاش کھانے کے بعد چھاچھ مل جاتی یا لسی مل جاتی تو مزہ آ جاتا۔ میں نے دل میں سوچا اور اسی تکلف سے چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ "فاریہ کیا ہوا؟" بیگ صاحب نے فاریہ سے پوچھا۔

"کامیابی!" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"ٹھیک ہے .... ویری گڈ' اس کا تو امکان تھا' مگر اس قابل بنانا تمہارا کام ہے۔"

"فکر نہ کریں' یہ میری ذمہ داری ہے اور میں اب تک کسی کام میں ناکام نہیں ہوئی۔ صرف پندرہ روز چاہئیں۔"

"ویری گڈ .... میں تمہیں ایک مہینا دیتا ہوں۔"

"تھینک یو انکل ...."

بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی مگر جانے کیوں مجھے لگا جیسے میرے ہی سلسلے میں بات ہو رہی ہے۔

چائے پینے کے بعد بیگ صاحب کھڑے ہو گئے۔ "اچھا بیٹے اب تم آرام کرو' شام کو ملاقات ہو گی اور ہاں .... یہ فاریہ کہہ رہی تھی کہ تم لوگ شام کو گھومنے جا رہے ہو۔"

"جی .... جی یہ کہہ رہی ہیں .... میں تو ...."

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے .... بہت اچھا ہے' کچھ روز تم گھوم پھر لو پھر میں تمہیں فیکٹری لے چلوں گا۔ کام بھی تو کرنا ہے نا ....!"

"جی!" میں نے سر جھکا کر کہا۔

"اچھا تو پھر تو شاید صبح ہی ملاقات ہو گی! چلو ٹھیک ہے بس تم اسے اپنا گھر ہی سمجھ

کسی چیز کی ضرورت ہو تو یعقوب سے کہہ دینا۔" یہ کہہ کر وہ لوگ کمرے سے چلے گئے۔ میں بھی ان کے کے پیچھے باہر چلا آیا۔

"شام کو تیار رہنا .... بلکہ یعقوب آ جائے گا تمہارے پاس' تیار ہونے میں مدد کرے گا میں ٹھیک پانچ بجے آؤں گی .... اوکے؟"

آخری لفظ میری سمجھ میں نہیں آیا پھر بھی میں نے سر ہلا دیا۔

میں کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ شام کا انتظار کرنے لگا جو بہت دور نہیں تھی' لیٹے لیٹے ہی شام ہو گئی۔ ساڑھے چار بجے ہی یعقوب آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں چائے وغیرہ کے برتن اور بسکٹ وغیرہ تھے۔

"چائے پی لیں پھر تیار ہو جائیے گا۔"

"سنو! مجھے .... یہ باندھنا نہیں آتی۔" میں نے ٹائی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ مسکرایا۔ "میں آپ کو خود تیار کرا دوں گا۔"

میری جان میں جان آئی ورنہ سوٹ پہننا ہی مجھے عذاب لگ رہا تھا۔ میں نے چائے پی' بسکٹ کی پلیٹ صاف کر دی اور نہانے چلا گیا۔ نہا کر نکلا تو یعقوب موجود تھا۔ اس نے سوٹ پر استری کر دی تھی میرے باہر آتے ہیں اس نے پینٹ تھما دی۔ میں پھر باتھ روم میں چلا گیا۔ پہن کر باہر آیا تو اس نے مجھے شرٹ' پھر ٹائی اور پھر کوٹ پہنا دیا۔ جوتے پہن کر میں آئینے کے سامنے آیا تو دم بخود رہ گیا۔ میرے سامنے بالا نہیں کوئی بابو کھڑا تھا' بالکل انگریز...........

یعقوب نے ایک پیکٹ کھول کر ایک خوبصورت شیشی نکالی اور اس کا ڈھکنا کھول کر بٹن دبایا اور خوشبو کا ایک فوارہ سا نکل پڑا۔ میں خوشبو میں نہا گیا۔

"باہر آپ کو کوئی پہچانے گا نہیں سر!"

میں دھیرے سے مسکرایا۔

ٹھیک پانچ بجے فاریہ آ گئی۔ مجھے دیکھ کر لمحہ بھر ٹھٹکی پھر ہنس پڑی۔ "ونڈر فل .... یو آر لوکنگ ویری اسمارٹ۔"

"جی! کیا کہا جی آپ نے؟"

"جی کچھ نہیں مسٹر اقبال .... یہ سب چھ بھی تم سمجھنے لگو گے' تم اندر سے بھی

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ایسے بدل جاؤ گے جیسے باہر سے بدل گئے ہو۔"

ہم باہر آ گئے۔ پورچ میں گاڑی کھڑی تھی۔ فاریہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے خود بیٹھنے سے پہلے آگے کی سیٹ کا دروازہ کھول کر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ گاڑی میں یوں بیٹھنے کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔

"آپ گاڑی کیسے چلا لیتی ہیں؟"

"جیسے کچھ دن بعد تم چلانے لگو گے............"

"جی میں............؟"

"ہاں تم............ تم گاڑی بھی چلانے لگو گے، انگریزی بھی بولنے لگو گے، فیکٹری کا کام بھی کرنے لگو گے۔ تم سب کچھ کر لو گے مسٹر اقبال، تم ذہین ہو سب کچھ جلد سمجھ لو گے۔"

میں سب کچھ حیرت سے اور بے یقینی سے سن رہا تھا۔ فاریہ نے گاڑی گیٹ کی طرف بڑھا دی۔ پھر ہم لاہور کی ایک ایک سڑک سے گزرے ہر سڑک کے بارے میں فاریہ مجھے تفصیل سے بتا رہی تھی۔ اس نے مجھے وہ تاریخی مقامات بھی دکھائے جن کے بارے میں ابا سے سن چکا تھا۔ شہر بہت خوبصورت تھا یوں لگتا تھا جیسے لاہور میں رہنے والا ہر شخص گھر سے باہر ہو، بازار میں، دکانوں پر، بسوں میں گاڑیوں میں اور تانگوں میں ہزاروں لوگ تھے عورتیں بچے بوڑھے سبھی بے خوفی سے گھوم پھر رہے تھے۔

وقت کا پتا بھی نہ چلا، شام گہری سرخ ہو کر اندھیرے میں ڈوب گئی۔ فاریہ نے گاڑی ایک خوبصورت ریسٹوران کے دروازے پر روک دی۔ میں اب فاریہ سے کسی حد تک مانوس اور بے تکلف ہو چکا تھا اور سچی بات تو یہ تھی کہ میں مزید بھوکا نہیں رہنا چاہتا تھا اس لئے میں نے اس سے کچھ نہیں چھپایا صاف صاف بتا دیا کہ میں کھانا کھانے کے لئے بھوکا ہوں۔ میں بے تکلفی سے کھانا کھانا چاہتا تھا تاکہ پیٹ بھر سکوں۔

وہ میری بات سن کر بہت دیر تک ہنستی رہی۔ "پاگل ہو تم، بھوکا رہنے کی کیا بات ہے۔ خیر اس وقت تو تمہاری خواہش پوری کر دیتی ہوں کسی ایسی جگہ لے چلتی ہوں جہاں تم پیٹ بھر کر کھانا کھا سکو مگر تمہیں اس طرح کھانے کی عادت ڈالنا پڑے گی۔ تم خواہ مخواہ خوف زدہ رہتے ہو۔ ٹیبل پر بیٹھنے کے بعد اپنی توجہ کھانے پر رکھا کرو لوگوں پر نہیں

.... دوسری بات یہ کہ ہم چائے یہیں پئیں گے۔ ٹھیک............؟"

"ٹھیک ہے۔" میں فوراً مان گیا۔

"اچھا تو تم بیٹھو، میں بس کچھ دیر میں آتی ہوں۔ ایک میسج دینا ہے۔"

"میسج............؟"

"پیغام بابا............ تم جو الفاظ بھی مجھ سے سنتے ہو ذہن میں رکھا کرو، میسج یعنی پیغام............ ٹھیک، تم بیٹھو۔" وہ مجھے گاڑی میں چھوڑ کر خود ریسٹوران میں چلی گئی۔

ریسٹوران کا دروازہ شیشے کا تھا۔ اندر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ فاریہ اس طرف بڑھ رہی تھی جہاں ایک اونچے سے گول کاؤنٹر کے پیچھے ایک سفید بالوں والا ادھیڑ عمر کا آدمی بیٹھا تھا۔ اس نے سنہری کمانی کا چشمہ لگایا ہوا تھا۔ فاریہ پر نگاہ پڑتے ہی وہ شخص مئودب کھڑا ہو گیا فاریہ نے اسے کچھ کہا اور سرہلاتی ہوئی واپس آ گئی۔

پھر ہم وہاں سے چل پڑے، کچھ دیر بعد فاریہ نے جہاں گاڑی روکی تھی وہاں اور بہت سی کاریں کھڑی تھیں۔ ایک سفید وردی والا لڑکا دوڑ کر ہمارے پاس آیا۔ فاریہ نے اسے کھانے کا آرڈر دیا تھا۔

اُس روز میں نے واقعی پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ کھانا بھی مزے کا تھا۔ کھانا کھا کر ہم پھر اسی ریسٹوران میں آ گئے۔ ریسٹوران میں داخل ہوتے ہی میری پیشانی پر پھر پسینے کی بوندیں ابھر آئیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں پیٹ بھر کر کھانا کھا چکا تھا۔ اگر یہاں کھانا پڑتا تو شاید میرے حلق سے ایک نوالہ بھی نہ اترتا۔ سارا ہوٹل بھرا ہوا تھا اور ایسے ایسے لوگ وہاں تھے کہ جن کے درمیان بیٹھنا میرے بس سے باہر تھا۔

ایک شخص نے جو باوردی تھا ایک خالی ٹیبل تک ہماری رہنمائی کی۔ فاریہ نے اسے چائے لانے کو کہا تو وہ سر جھکا کر لوٹ گیا۔

ہمیں وہاں بیٹھے ابھی چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ ایک بہت گورا آدمی جو غالباً انگریز ہی تھا سیدھا ہماری ٹیبل پر چلا آیا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہیں فاریہ خوش ہو گئی۔

"ہیلو مسٹر جیک............ ہاؤ آر یو؟"

"فائن میڈم۔" اس نے فاریہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور پھر ہاتھ میری جانب بڑھا دیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

"مسٹر جیک یہ مسٹر اقبال ہیں' ہمارے نئے ساتھی۔" فاریہ نے اردو میں کہا۔

میں تو تھوک نگل کر رہ گیا۔

"کیسے ہیں آپ؟" اس نے صاف اردو میں پوچھا۔

میں حیران رہ گیا۔ اتنی صاف اردو تو شاید میں بھی نہیں بول سکتا تھا۔

"جج .... جی اچھا ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟" میں نے بہ مشکل کہا۔

"بہت اچھا ہوں۔" اس نے ہنس کر جواب دیا۔ میں جھینپ گیا۔ شاید میں نے اسے غلط جواب دیا تھا۔ فاریہ نے میرے جھینپ جانے کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس نے فوراً بات بدل دی۔ اب وہ انگریزی میں بات کر رہی تھی جس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ میں صرف ان کے لہجے اور چہرے کے تاثرات ہی پڑھ سکتا تھا۔ فاریہ غصے میں لال ہو رہی تھی اس کی آنکھوں میں بجلیاں سی لپک رہی تھیں' ذرا دیر پہلے مسٹر جیک کو دیکھ کر خوش ہو جانے والی اور اس قدر نرمی سے تعارف کرانے والی کو اچانک کسی بات پر غصہ آ گیا تھا جبکہ مسٹر جیک کا چہرہ سفید ہو گیا اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ ساتھ التجا بھی تھی مگر فاریہ' وہ تو دہکتا ہوا انگارہ بنی ہوئی تھی۔ اس کا لہجہ دھیما تھا مگر اس میں چھری کی سی کاٹ تھی۔ میں خاموش بیٹھا رہا تھا ویٹر چائے رکھ گیا تھا۔ فاریہ نے لمحہ بھر کو خاموش ہو کر مجھے دیکھا۔ مسکرائی۔ "تم چائے پیو مسٹر اقبال' مائنڈ نہ کرنا ہم ذرا کاروباری باتیں کر رہے ہیں"

"جی ...." میں اور کچھ نہ کہہ سکا۔

اس نے مجھے خاموش اور ساکت دیکھ کر چائے کے برتن اپنے سامنے سرکا لئے اور چائے بنا کر ہمیں دے دی۔ مسٹر جیک ابھی تک سر جھکائے بیٹھے تھے۔ فاریہ نے چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگائی' اس کے چہرے سے غصے کے اثرات کچھ کم ہو گئے تھے۔ مجھے دیکھ کر مسٹر جیک گھگھیانے کے انداز میں کچھ گٹ پٹ کرنے لگا۔ فاریہ نے انہیں پھر تیز لہجے میں جواب دیا۔ وہ صاحب فاریہ کا جواب سنتے ہی کھڑے ہو گئے وہ اتنے بوکھلائے ہوئے تھے کہ مجھ سے خدا حافظ بھی کرنا انہیں یاد نہیں رہا۔ ان کی آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا اور چہرہ جو بالکل سرخ تھا وہ سفید ہو رہا تھا۔ انہیں اس قدر خوف زدہ دیکھ کر میں بے حد حیران تھا۔ ایک ہٹا کٹا مرد وہ بھی انگریز اور فاریہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"چلو مسٹر اقبال۔ میرا موڈ بہت خراب ہو گیا ہے۔"

میں خاموشی سے اٹھ گیا۔

ہم گاڑی میں بیٹھے تو ہمارے درمیان گہری خاموشی طاری تھی حالانکہ میں نے سوچا تھا کہ فاریہ سے کچھ ذاتی باتیں کروں گا' اس سے پوچھوں گا کہ اماں کو کس طرح وہاں سے لایا جائے گا۔ سوہنی اور ماسی میراں کا کیا ہو گا۔ وہ دولت اور طاقت مجھے کتنے برسوں میں ملے گی' مگر اس کا تو موڈ واقعی بہت خراب تھا۔ وہ بہت تیز گاڑی چلا رہی تھی۔ اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ پیشانی پر سلوٹیں اور آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔ ہم بہت جلد کوٹھی پہنچ گئے۔

"اوکے مسٹر اقبال' پھر کبھی سہی' راوی کا کنارہ اتنے خراب موڈ میں مجھے .... زہر لگتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"ایک بات پوچھوں..........؟" میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ہوں .... تم کیا پوچھنا چاہتے ہو! مسٹر اقبال میں چھوٹے سے فائدے کے لئے بڑا نقصان برداشت نہیں کرتی۔ مسٹر جیک نے بہت بڑی غلطی کی ہے جس نے میرا نقصان کر دیا اور بس۔"

اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں' اس وقت اس میں بلا کی رعونت تھی' میری ہمت کچھ اور پوچھنے کی نہیں ہوئی۔ میں تھکے تھکے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے میں پہنچ کر میری نگاہ وال کلاک پر پڑی' پونے بارہ بجے تھے۔ مجھے اتنی جلدی بہت سا وقت گزر جانے پر حیرت ہوئی۔ تب مجھے احساس ہوا کہ کوٹھی پر اتنی خاموشی کیوں طاری ہے۔

میں نے کپڑے بدلے اور بستر پر لیٹ کر گزرنے والے دن کا لمحہ لمحہ سوچنے لگا۔ فاریہ جسے میں ایک فیشن ایبل لڑکی سمجھا تھا' ایک ہی دن میں اس کی اہمیت واضح ہو چکی تھی۔ ہوٹل والے کا اسے دیکھ کر مؤدب ہو جانا' مسٹر جیک کا سفید پڑ جانا' یہ سب معمولی باتیں نہ تھیں۔ میں اس معاملے کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہوا سو گیا۔

اچانک کسی وقت میری آنکھ کھل گئی۔ نہ معلوم کیا وجہ تھی' میں بہت دیر تک نہیں سمجھ پایا تھا کہ ایسا کیوں ہوا۔ ذہن میں کہیں دور یہ احساس تھا کہ کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس سے میری آنکھ کھل گئی .... یا .... مجھے اٹھایا گیا ہے مگر میرے کمرے میں کوئی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نہ تھا۔ میری نگاہ گھڑی پر پڑی رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ساڑھے تین بج رہے تھے۔ میں اٹھ کر دروازے پر آ گیا میں نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ باہر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف جھینگروں کے بولنے کی آوازیں تھیں جو بولتے بولتے اچانک خاموش ہو جاتے تو خاموشی کا احساس اور بڑھ جاتا اور رفتہ رفتہ خوف میں بدلنے لگتا تھا میں چند لمحے تک وہیں کھڑا چاروں طرف دیکھتا رہا' نہ کوئی آواز آئی اور نہ کوئی اور ایسی چیز سامنے آئی جس سے مجھے کچھ اندازہ ہوتا۔ میں الجھا الجھا سا کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر واپس کمرے میں آ گیا۔ نہ معلوم کیوں اچانک مجھے لگا جیسے کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ میرے بدن پر چیونٹیاں سی رینگ گئیں۔ میں چوکنا ہو گیا مجھ سے لیٹا نہ گیا۔ میں نے پورے کمرے پر نگاہ دوڑائی بائیں جانب ایک بڑی سی کھڑکی تھی جس پر گہرے سبز پردے تھے دائیں طرف چھت سے کچھ نیچے ایک روشن دان تھا جس پر لوہے کی گرل لگی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ دروازہ تھا جسے میں ابھی بند کر کے آیا تھا کمرے میں کوئی ایسی چیز یا جگہ نہ تھی جہاں کسی کے چھپنے کا امکان ہو۔ میں اپنی طرف سے اطمینان کر کے دوبارہ لیٹ گیا۔ میں نے ذہن میں آنے والے تمام خیالات کو وہم سمجھا اور آنکھیں موند لیں۔

"چھی .... شی .... شیت ...."

میں اچھل کر بیٹھا۔ آواز بہت واضح تھی' جیسے کہیں قریب سے آئی ہو۔ میں نے گھوم کر کھڑکی کی طرف دیکھا اور میری آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ کھڑکی میں اس لڑکی کا چہرہ نظر آ رہا تھا جسے میں نے بہادر صاحب کی گاڑی میں کتے کے ساتھ بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ مجھے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور میں حیرت سے کھڑا دیکھ رہا تھا کہ باہر تو بہت گہرا اندھیرا ہے ایک چھوٹا سا' ٹمٹماتا سا بلب اس برآمدے میں تو لگا ہوا تھا جہاں میرے کمرے کا دروازہ کھلتا تھا مگر کونے کا کمرا ہونے کی وجہ سے بائیں جانب جس طرف کھڑکی تھی وہاں کوٹھی کے احاطے کی اونچی دیوار تھی۔ میرے کمرے کی اس کھڑکی سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر یہ حصہ میں نے دن میں اس وقت دیکھا تھا جب میں نے حبس سے گھبرا کر کھڑکی کھول دی۔ وہاں لکڑی کے چند تختے' چند اینٹیں اور بجری کا چھوٹا سا ڈھیر تھا اور بس۔ سامنے اونچی دیوار تھی جس پر کانچ کے بہت سے نوکدار ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ یہ ٹکڑے پوری دیوار پر تھے' شاید اس لئے کہ چور دیوار پھاند کر نہ آ سکے۔

"اے .... فلاسفر........ مجھے اندر آنے کو نہیں کہو گے؟"

"جج .... جی .... آیئے مگر .... نہیں .... آپ جایئے بہت رات ہے اس وقت .... جایئے آپ ...." مجھے بیگ صاحب اور بہادر صاحب کا خیال آ گیا۔ میں بوکھلا گیا تھا۔ اتنی رات کو نہ جانے وہ کیسے چلی آئی تھی۔ گھر کے لوگ کہاں تھے۔ مجھے بہت سخت خوف محسوس ہوا اگر اسے کسی نے یہاں دیکھ لیا تو .... تو کیا ہو گا۔ اس خیال سے میرے پسینے چھوٹ گئے۔

"تم آدمی ہو یا جلیبی .... آیئے .... جایئے .... ہاں نہیں ...." یہ کہتی ہوئی وہ ہاتھوں پر زور ڈال کر اچکی اور دوسرے ہی لمحے وہ کمرے کے اندر تھی۔ میری گھگھی بندھ گئی۔

"بی بی .... خدا کے واسطے .... آ .... آپ چلی جائیں .... وہ .... آپ نہیں سمجھتیں .... بیگ صاحب اور وہ ...."

"تم کیا مجھے بے وقوف سمجھتے ہو؟" اس نے بے تکلفی سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"توبہ جی .... میری ایسی مجال کہاں .... بس آپ سویرے آیئے گا .... رات کے وقت ...." میں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میں آخر کیا کروں۔

"یہ تم عجیب عجیب سی باتیں نہیں کر رہے؟ تم مجھ سے خوفزدہ ہو یا مجھے خوف زدہ کر رہے ہو؟"

"نہیں جی .... ہاں جی وہ میں .... ٹھیک ہے آپ یہاں رہیں میں جاتا ہوں۔" میں تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

وہ اچھل کر میرے اور دروازے کے بیچ آ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں غلطی کو دھراتی نہیں ہوں مسٹر جمال .... ایک مرتبہ تمہارے راستے سے ہٹ کر دھوکا کھا چکی ہوں اور اتنی عقل مجھ میں ہے کہ میں دوبارہ ایسا نہ کروں۔"

"آں .... جمال ....! میں .... بالا ہوں جی .... اقبال نام ہے میرا۔"

"اوہ .... تو تم اب اقبال بن گئے ہو؟ کمال ہے دو برس پہلے تمہارا نام جمال تھا۔ تم بہت ویل آف تھے اب تم غالباً کوئی دیہاتی بن گئے ہو' غریب ماں باپ کے بیٹے' آن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پڑھ .... میں تمہارے بارے میں سب کچھ سن چکی ہوں مسٹر........... اقبال ..... مگر میں تمہیں پہلی نگاہ میں ہی پہچان گئی تھی' میں بھی اور ٹومی بھی .... لیکن میں یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کی .... لوگ ٹومی کے نہ بھونکنے سے حیرت زدہ تھے مگر نہیں .... میں وجہ جان چکی تھی۔ مسٹر جمال .... میں تمہیں صرف یہی بتانے آ ہوں کہ .... میں تمہیں اب جان گئی ہوں اب میں تمہیں کھو دینے کی غلطی کبھی نہ کروں گی مجھ سے بچ کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا اگر تم نے ایسا کیا تو .... شاید پچھتانے کے لئے بھی زندہ نہ رہو جبکہ میں چاہتی ہوں کہ تم زندگی بھر اپنے کئے پچھتاتے رہو۔ مجھے ممی کی چیخیں یاد ہیں مسٹر جمال .... ان کی وہ کراہیں بھی جو آ تک ان کے کمرے میں گونجتی ہیں۔ جس طرح میں تم سے محبت کرنے پر مجبور ہوں بالکل اس طرح میں ممی کی چیخیں اور کراہیں سننے پر مجبور ہوں۔ میں چاہوں تو بھی ان سے د نہیں بھاگ سکتی۔ میں سمجھی تھی کہ گھر بدل لینے سے نجات پا لوں گی .... مگر وہ میرا خام خیالی تھی' خوش فہمی تھی میری' وہ آوازیں تو خود مجھ میں بس گئی ہیں۔ ہواؤں میں رچی ہوئی ہیں۔ آسمانوں سے ٹپکتی ہیں۔ زمینوں سے اگتی ہیں۔ میں ان سے کیسے نجات سکتی ہوں .... کیسے ....؟"

وہ بول رہی تھی اور میں کانپ رہا تھا۔ جانے وہ کیا کہہ رہی تھی' کیا کچھ سمجھ رہی تھی' مجھے اس کی بکواس کی پروا نہیں تھی۔ مجھے تو صرف ڈر تھا تو بیگ صاحب کا بہادر صاحب کا اور .... اور فاریہ کا؟

"حیرت ہے مسٹر جمال' تم جیسے نڈر اور بہادر کا رنگ اس وقت پیلا ہو رہا ہے تمہارے چہرے پر تو گلاب کھلتے تھے۔ آنکھوں میں تارے ٹوٹا کرتے تھے۔ کیا ہوئے وہ گلاب؟ .... وہ تاروں کی دھنک؟ .... وہ ہنسی کی جھنجھناتی ہوئی آواز جو ممی کی لاش پر یوں برس رہی تھی جیسے کسی نے موتیوں کی مالا توڑ دی ہو ...."

اس کے لہجے میں بلا کا جنون تھا' آنکھوں میں بھیگی بھیگی سی آنچ تھی۔ جیسے بوندا کے پس منظر میں کہیں گیلی لکڑیاں سلگ رہی ہوں مگر میں چاہتا تھا کہ وہ بس چلی جائے' کسی بھی طرح' کسی بھی طریقے سے' وہ جانے کس جمال کا ذکر کر رہی تھی۔ شاید جمال مجھ سے ملتا جلتا ہو .... یا وہ .... وہ لڑکی ہی پاگل ہو' یہ خیال آتے ہی میں مزید خوف زدہ

گیا۔ اگر یہ پاگل ہے تو کچھ بھی کر سکتی ہے اس خیال نے مجھے اور نڈھال کر دیا۔

"بی بی .... میں آپ سے صبح بات کروں گا۔" میں نے کھسیاتے ہوئے کہا۔

"سچ!" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' آنکھیں چمکنے لگیں۔

"جی .... سچ۔"

"وعدہ؟"

"وعدہ!"

وہ ایک دم بدل گئی۔ خوش ہو گئی۔

"کل صبح ہم باہر چلیں گے' میں صبح سویرے ٹومی کو نہلانے لے جاتی ہوں نا .... صبح چھ بجے .... ٹھیک ہے' میں گیٹ کے پاس لان میں تمہارا انتظار کروں گی۔ آنا ضرور...........!"

"جی .... ضرور۔" میں نے فوراً سر ہلا دیا

"اوکے' سی یو ...." وہ اتنا کہہ کر دوبارہ کھڑکی کی طرف بڑھی اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے کھڑکی سے باہر کود گئی۔ اس کے باہر جاتے ہی بستر پر گر پڑا۔ میرا سانس ایسے پھول رہا تھا جیسے میں میلوں سے بھاگتا ہوا آیا ہوں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کسی کو پتا نہیں چلا ورنہ قیامت آ جاتی۔ میں نے گھڑی پر نظر ڈالی چار بج کر پچیس منٹ ہوئے تھے اور وہ مجھے صبح چھ بجے گیٹ پر پہنچے کو کہہ کر گئی تھی۔ میں نے لپک کی کھڑکی بند کر دی' دروازے پر لاک لگایا اور بستر پر گر کر اس آفت کے بارے میں سوچنے لگا جو ابھی ابھی کود کر کھڑکی سے باہر گئی تھی۔ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی' میں نے تو دھیان سے سنا بھی نہیں اور سنا تو سمجھا ہی نہیں میرا سارا دھیان تو باہر لگا ہوا تھا کہ کوئی آ نہ جائے' کوئی دیکھ نہ لے' میں عجیب مصیبت میں پڑ گیا تھا۔ پتا نہیں کہ اس بارے میں فاریہ یا بیگ صاحب کو بتانا چاہئے یا نہیں .... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون ہے' کیا چاہتی ہے اور کیا کرے گی؟

نیند آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی۔ میں کرسی پر جا بیٹھا۔ میں پریشان تھا کہ صبح کیا ہو گا۔ وہ لڑکی صبح ملنے کو کہہ چکی ہے اگر میں نہ گیا تو ممکن ہے کہ وہ یہاں چلی آئے اور اگر وہ آ گئی تو بیگ صاحب اور فاریہ کے ناراض ہونے کا خطرہ بھی تھا۔ میں فاریہ سے

وفاداری کا وعدہ کر چکا تھا اسے توڑ دینا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ وفاداری کے معنی میرے نزدیک یہی تھے کہ میں مالک کی مرضی کے بغیر ایک قدم بھی نہ اٹھاؤں' میں عجیب شش و پنج میں تھا۔ وقت کب بیت گیا' احساس نہ ہوا' وال کلاک نے چھ گھنٹے بھی بجائے تھے مگر جانے میں کیوں نہ سن سکا' شاید اس لئے کہ میں نے سماعت کے دروازے بند کر لئے تھے یا شاید خوف نے مجھے بہرہ کر دیا تھا کچھ بھی تھا وقت گزر چکا تھا۔

یعقوب نے دروازہ کھٹکھٹایا تو سوا آٹھ بج رہے تھے وہ اسی وقت مجھے اٹھایا کرتا تھا' مگر آج میں سویا ہی کب تھا؟ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔ ٹرے میں ایک پلیٹ میں ایک لفافہ بھی تھا۔ "یہ آپ کے لئے ہے سر' سیماں بی بی نے دیا تھا۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" میں نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لے کر کہا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے لفافہ کھولا۔ اندر ایک خط تھا۔ جسے میں پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی بہت اردو پڑھنا مجھے آتا تھا مگر پھر بھی میری سمجھ میں بہت سے الفاظ نہیں آئے۔ میں نے خط لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا۔

میں چائے پی رہا تھا تو دروازے پر دستک ہوئی۔ میں سمجھا یعقوب برتن لینے کے لئے آیا ہے۔ میں نے اونچی آواز میں اسے اندر آنے کو کہا۔

دروازہ کھلا اور فاریہ اندر آ گئی۔

"جی .... آپ؟" میں جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"وہ کیوں آئی تھی؟" فاریہ نے تیز نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"جج .... جی پتا نہیں۔ آپ بیٹھیں میں آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں۔" اب اس سے کچھ چھپانا بیکار تھا اس لئے میں نے الف سے لے کر یے تک ساری کہانی فاریہ کو بتا دی اور جیب سے وہ خط بھی نکال کر اسے دے دیا۔

فاریہ کے چہرے کا وہ تناؤ ختم ہو گیا جو اندر داخل ہوتے وقت میں نے محسوس کیا تھا۔ وہ بڑے غور سے خط پڑھ رہی تھی۔

"کک .... کیا لکھا ہے جی؟" میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

وہ مسکرائی۔ اس نے بڑی گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا' سر سے پاؤں تک جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو یا جیسے کوئی قربانی کا بکرا خریدتے وقت گھوم پھر کر ہر طرف سے دیکھتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں اس انداز پر بوکھلا گیا۔

"تم بہت کام کے ہو مسٹر اقبال' اب بازی میرے ہاتھوں میں ہے۔ میں .... میں تمہیں خوش کر دوں گی.........."

"کیا ہو گیا جی .... میں سمجھا نہیں!؟"

"سب سمجھ جاؤ گے۔ چلو میرے ساتھ۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہم باہر آئے اور وہ مجھے لئے ہوئے کوٹھی کے اندرونی حصے میں آ گئی۔ اس کمرے میں' میں پہلی بار آیا تھا۔ کمرا کسی محل کا سا لگ رہا تھا۔ بہترین قالین اور قیمتی فرنیچر' دیواروں پر لگی بڑی بڑی تصویریں بہت خوبصورت تھیں کمرے کی ہر چیز ایسی تھی جو میں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ چوہدری کی حویلی میں بھی نہیں۔

"یہاں بیٹھو' میں ابھی آتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اندر چلی گئی۔ میں کمرے کی ہر چیز کو غور سے دیکھنے لگا۔ چند منٹ بعد ہی وہ واپس آ گئی بیگ صاحب بھی اس کے ساتھ تھے۔

"بھئی بات کیا ہے .... بات تو بتاؤ۔"

"آپ نے اقبال کو غور سے دیکھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

"یاد کریں' کوئی ایسی بات' کوئی ایسا چہرہ جو اقبال کے چہرے میں آپ کو نظر آئے۔"

بیگ صاحب مجھے غور سے دیکھنے لگے' ان کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔ میرے ہاتھوں میں پسینا آ گیا۔ میں عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھا۔ میں کسی تصویر کی طرح سامنے بیٹھا تھا اور ان دونوں کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

اچانک بیگ صاحب کی آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔

"اوہ .... تمہارا مطلب ہے کہ .... جمال؟"

"ونڈر فل .... میں نے آپ کو یہ بات اس لئے نہیں بتائی کہ ممکن ہے میرے بتانے سے آپ کی آنکھیں وہی دیکھنے لگیں جو میں نے کہا ہو مگر اب .... اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرا خیال صحیح تھا۔ حیرت ہے یہ خیال ہمیں پہلے کیوں نہیں آیا۔ سیماں سے پہلے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"سیماں کے ذہن پر تو وہ چہرہ سوار ہے' اس لئے وہ ...." بیگ صاحب بات ادھوری چھوڑ کر سوچنے لگے۔

"آپ بھی وہی سوچ رہے ہیں جو میں نے سوچا ہے۔ ہم اقبال کو بڑی آسانی سے جمال بنا سکتے ہیں اور یہ دیکھیے۔" اتنا کہہ کر فاریہ نے وہ خط بیگ صاحب کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے۔"

"خط .... سیماں کا' جو اس نے یعقوب کے ہاتھ اقبال کو بھیجا تھا۔" پھر فاریہ نے سیماں کے میرے کمرے میں آنے کا سارا واقعہ سنا دیا۔

بیگ صاحب نے واقعہ سن کر پُرسوچ انداز میں سرہلایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ بہادر ہمیں چیٹ کر رہا ہے۔ سیماں نے اتنا بڑا قدم اس کی مرضی کے خلاف نہیں اٹھایا ہوگا۔"

"ظاہر ہے .... اب بتایئے کہ کیا کرنا ہے؟"

"تم سوچو۔"

"میرے خیال میں ہم اقبال کو وہاں بھیجیں' ڈرامے کے سارے سین آہستہ آہستہ ہمارے سامنے آجائیں گے۔"

"مگر پہلے اسے ٹرینڈ تو کرو اس طرح تو یہ ...."

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ پندرہ دن میں سب کچھ سیٹ ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے اس کی ضرورتوں کا خیال رکھو۔ اسے شاید کچھ مانگنے اور کہنے کی عادت نہیں ہے۔"

میں اس ساری گفتگو کے دوران میں اپنے آپ کو قطعی بے وقوف لگ رہا تھا۔ ان کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ یہ سب کچھ کیا چکر ہے۔ سیماں کون ہے' اس نے جو کچھ کہا تھا وہ کیا تھا' جمال کون ہے اور فاریہ اور بیگ صاحب مجھے کس چکر میں استعمال کر رہے ہیں۔ کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

مجھے سیماں کا بھی ڈر تھا اگر وہ سامنے آگئی تو صبح گیٹ پر نہ پہنچنے پر کیا قیامت اٹھائے گی مگر ابھی تک سیماں یا بہادر صاحب نہیں آئے تھے۔ نہ ہی پورچ میں ان کی گاڑی نظر

آئی تھی۔

"مس فاریہ' مس سیماں نظر نہیں آئیں۔"

"وہ لوگ جا چکے ہیں۔ چلو تم ناشتا کر لو پھر ہمیں چلنا ہے۔ آج بہت سے کام نمٹانے ہیں۔" فاریہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

ہم کھانے کے کمرے میں آ گئے۔ ملازم ناشتا لگا چکے تھے۔ بیگ صاحب' میں اور فاریہ ناشتا کرنے لگے۔ اسی وقت ایک ملازم اندر داخل ہوا۔ اس نے بیگ صاحب سے کچھ کہا۔

"بلاؤ اسے ...." بیگ صاحب نے فوراً جواب دیا۔

میں خاموشی سے سرجھکائے ناشتا کر رہا تھا کہ چند منٹ بعد ملازم پھر اندر آیا اور اس نے دروازے کی طرف منہ کر کے کسی کو اندر آنے کو کہا۔

میں نے نگاہ اٹھائی اور دوسرے ہی لمحے اچھل پڑا۔ سامنے سلطان کھڑا تھا' وہی سلطان جسے راجہ نے اماں اور سوہنی کا حال پتا کرنے میرے گاؤں بھیجا تھا۔

"سلطان .... سلطان تم نے اتنے دن لگا دیئے .... اماں کیسی ہے' کہاں ہے اور ماسی میراں' سوہنی .... بولو نا؟"

میں فاریہ اور بیگ صاحب کی موجودگی کو فراموش کر چکا تھا۔

"اقبال' اسے بیٹھنے تو دو ...." بیگ صاحب کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"بالے .... تیری ماں........."

"کیا ہوا میری ماں کو .... بول نا؟" میں نے اس کی بات کو کاٹ کر پوچھا۔

"وہ دیوانی سی ہو گئی ہے۔ ماسی میراں کے پاس ہے' سوہنی اور ماسی میراں اس کا بہت خیال رکھتی ہیں۔ وہ ہر وقت تیرا اور صغرا کا انتظار کرتی ہے جبکہ گاؤں والوں کا خیال ہے تم دونوں مر چکے ہو۔ چوہدری بھی شاید اسی لئے مطمئن ہے اور شاید اسی وجہ سے اُس نے تیری ماں کو بے ضرر سمجھ کر چھوڑ رکھا ہے' وہ کسی کو کچھ بتانے کے قابل بھی نہیں اور بھلا بتا کر بھی چوہدری یا راجو کا کیا بگاڑ لے گی سارا گاؤں ان سے دبتا ہے اور گاؤں میں ایک لڑکا ہے نا......... وہ جو سپاہی ہے غلام رسول .... وہ کبھی کبھی اسے ملنے آتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ میں نے اسے تیرے بارے میں نہیں بتایا ورنہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چوہدری اور راجو کو بھی پتا چل جاتا اور ...."

"بالے .... تم رو رہے ہو؟" بیگ صاحب نے دھیرے سے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تب مجھے احساس ہوا کہ میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے جلدی سے آستین سے آنسو صاف کر لئے کن انکھیوں سے فاریہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر گہری اداسی تھی اور آنکھوں کے کنارے گیلے تھے۔

"بالے .... رونا مردوں کا کام نہیں ہے۔" سلطان نے کہا۔

"نہیں اقبال اب کبھی نہیں روئے گا۔" فاریہ نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ "میں جا کر اقبال کی ماں، ماسی اور سوہنی کو لاؤں گی۔"

اتنا سنتے ہی میرے ہونٹ پھیل گئے میرا جی چاہا کہ زور زور سے ہنسنے لگوں مگر میں نے اپنے آپ پر قابو رکھا۔ خوشی سے میرا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ فاریہ یہ کر سکتی ہے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ جو کچھ کہتی ہے اسے پورا کرنے کی ہمت بھی رکھتی ہے۔

"اقبال تم فکر نہ کرو، میں سلطان کے ساتھ جاؤں گی، اسی ہفتے .... آج یا کل اس لئے نہیں کہ ہمیں کچھ بہت ضروری کام ہیں اور پھر تمہارے لئے گھر کا انتظام بھی تو کرنا ہے نا .... ماں کو اور سوہنی کو کہاں رکھو گے؟"

خوشی سے میری بری حالت تھی۔ مجھ سے بولا بھی نہیں گیا۔

"ٹھیک ہے سلطان، تم ہاتھ منہ دھو کر کچھ دیر آرام کرو، کھانے پر ملاقات ہو گی۔" بیگ صاحب نے سلطان سے کہا اور یعقوب کو بلا کر سلطان کے لئے کمرا کھولنے کی ہدایت کی۔

سلطان یعقوب کے ساتھ چلا گیا۔

"ٹھیک ہے فاریہ تم جو مناسب سمجھو کرو، مگر ہر بات میرے علم میں رکھنا، تاکہ ...."

"پلیز نوٹ انکل .... فی الحال تو میں اقبال کے لئے فلیٹ کا بندوبست کرتی ہوں تاکہ وہ دل لگا کر مطمئن ہو کر میرے ساتھ کام کر سکے۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے۔ فاریہ نے مجھے تیار ہونے کو کہا، میں سیدھا کمرے میں گیا۔ سلطان کا کمرا بند تھا۔ شاید وہ سو رہا تھا۔ میں تیار ہو کر باہر آیا تو فاریہ گاڑی میں میرا انتظار کر رہی تھی۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ کچھ دیر بعد ہم ایک چوڑی سڑک سے گزر رہے تھے۔ جس کی دونوں اطراف میں اونچے اونچے درخت لگے ہوئے تھے۔ دھوپ تیز ہونے کے باوجود سڑک پر ٹھنڈک تھی۔

"مس فاریہ میں سیماں اور بہادر صاحب کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں اقبال، جو سوالات بھی تمہارے ذہن میں ہوں، پوچھ لو، میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم حالات کو اچھی طرح سمجھ لو۔ اس طرح تمہیں کام کرنے میں آسانی ہو گی۔ سیماں بہادر صاحب کی مرحوم بہن کی بیٹی ہے۔ سیماں کا باپ اس کے بچپن ہی میں اس کی ماں کو طلاق دے کر لندن چلا گیا تھا۔ اس نے سیماں کے لئے بہت کچھ چھوڑا تھا لیکن چلے جانے کے بعد اس نے کوئی تعلق نہ رکھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ سیماں کا اصل باپ نہیں تھا۔ بہادر صاحب کے پاس کچھ بھی نہ تھا وہ حیدر آباد میں رہتے تھے جہاں شہر سے دور ان کی کچھ زمین تھی اس پر ان کا گزارا تھا، پھر اچانک ان کی بہن یعنی سیماں کی ماں کو کسی نے قتل کر دیا۔ سیماں کہتی ہے کہ یہ قتل جمال نے کیا ہے۔ جمال سعدیہ کے دیور کا بیٹا تھا۔ جو سیماں سے محبت کرنے لگا۔ وہ سیماں سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر سعدیہ تیار نہ تھی شاید اسی وجہ سے اسے قتل کر دیا گیا۔ مگر .... اس کے قتل کی اصل وجہ میں جانتی ہوں۔ سیماں سے شادی نہ کرنے کی وجہ تو بظاہر ایک بہانہ تھا۔ بہرحال جمال ملک سے فرار ہو گیا۔ جمال ہو بہو تمہاری شکل کا تھا۔ اس لئے سیماں کو تم پر جمال کا دھوکا ہوا ہو گا۔ اس نے یہ بات بہادر صاحب کو بتائی ہو گی۔ بہادر صاحب اپنی بہن کی موت کے بعد لاہور چلے آئے حیدر آباد میں وہ خاصی مشکل زندگی گزار رہے تھے۔ یہاں آ کر جو ان کو عیش ملا اس کو چھوڑ کر جانا ان کے بس کی بات نہ تھی ویسے بھی سیماں کا دنیا میں ان کے سوا کوئی نہ تھا، وہ یہیں رہ گئے بلکہ انہوں نے اپنی فیملی کو بھی بلوا لیا۔ اب سیماں کی ساری دولت اور سعدیہ کا ناجائز کاروبار سب انہی کے ہاتھ میں ہے وہ یہاں کے بے تاج بادشاہ بن گئے۔ وہ معصوم سی سیماں جسے کبھی اس کی ماں نے اپنے کالے کاروبار کے بارے میں کچھ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نہیں بتایا تھا۔ اب بہادر صاحب کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی ہوئی ہے۔ وہ اپنی ماں سے زیادہ ذہین اور پھرتیلی ثابت ہوئی ہے اب وہ نہ صرف کاروبار کے بارے میں جانتی ہے بلکہ دولت کی ہوس نے اسے اندھا کر دیا ہے اور یہ سب بہادر کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

ہم نہیں چاہتے کہ سیماں ایسی معصوم لڑکی مزید اس خرانٹ بڈھے کے ہاتھوں برباد ہو مگر مشکل یہ ہے کہ سیماں یہ بات نہیں سمجھتی۔ بہادر نے اسے ہم لوگوں سے متنفر کر رکھا ہے وہ ہمیں اپنا حریف سمجھتی ہے ہم نے بھی اپنی صفائی پیش نہیں کی۔ ہمارا مطلب صرف اور صرف اسے بربادی سے بچانا ہے۔"

فاریہ خاموش ہوئی تو مجھے چونک جانا پڑا۔ ہم راوی کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ منظر بے حد خوبصورت تھا مگر میرا دھیان تو سیماں اور بہادر صاحب پر تھا۔ میں اس وقت لطف اندوز بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ فاریہ نے ایک گھنے درخت کے نیچے گاڑی کھڑی کر دی تھی۔

"مس فاریہ .... سیماں کی ماں کا کیا کاروبار تھا جسے اب بہادر صاحب چلا رہے ہیں!"

"وہ پاکستان سے ہیروئن اسمگل کرتی تھی اور قیمتی پتھروں کی خرید و فروخت کا کام کرتی تھی۔"

"ہیروئن؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا میں نے یہ نام پہلی مرتبہ سنا تھا۔ میرے گاؤں میں ایسی کسی چیز کے بارے میں شاید کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

"ہاں ہیروئن اقبال' یہ بہت خطرناک چیز ہے' زہر .... ایسا زہر جو قوموں کو کھوکھلا کر دیتا ہے اس کا عادی انسان دھیرے دھیرے موت کی طرف بڑھتا ہے وہ اپنا ضمیر بیچ دیتا ہے۔ چٹکی بھر ہیروئن کے لئے وہ اپنے بچے بھی بیچ دیتے ہیں۔"

میں حیرت سے سن رہا تھا۔ فاریہ نے ہیروئن کے بارے میں مجھے بڑی تفصیل سے بتایا مگر میں بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا میں کسی ایسی چیز کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"تمہیں یقین نہیں آ رہا نا! چلو میں تمہیں ایسے ہی ایک آدمی سے ملاتی ہوں جو ہیروئن کا عادی ہے جس کی بیوی اور بچے فاقے کرتے ہیں۔ سسک کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مگر وہ ضمیر فروش شخص گھر کے برتن تک فروخت کر دیتا ہے۔ میں اس کی بیوی سے ایک ہسپتال میں ملی تھی جو اپنا مرتا ہوا بچہ لئے ہسپتال کے گیٹ پر بیٹھی تھی۔ اس کے

پاس بچے کی دوا کے پیسے نہیں تھے میں نے اس کے بچے کا علاج کروایا۔ اسے دوا لے کر دی اور اس سے شوہر کے بارے میں پوچھا تو وہ مجھے اپنے گھر لے گئی' وہاں میں نے ہیروئن کی تباہ کاری کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ شخص جس کا بچہ مر رہا تھا جس کی بیوی ہسپتال کے گیٹ پر بیٹھی بھیک مانگ رہی تھی وہ گھر کے آنگن میں بیٹھا ہیروئن پی رہا تھا۔ مطمئن اور ہر چیز سے بے فکر' بیوی کو دیکھتے ہی اس نے اسے گالیاں دینا شروع کر دیں وہ اس سے پیسے مانگ رہا تھا۔ تاکہ مزید ہیروئن پی سکے۔

یہ زہر بہادر جیسے ضمیر فروش نہ صرف ملک سے باہر بھیج کر کثیر زرمبادلہ کما رہے ہیں بلکہ اپنے ملک کے ان معصوم بچوں اور لوگوں کو بھی اس کی لت ڈال رہے ہیں جو ہمارے ملک کے مضبوط ستون بن سکتے ہیں جو پاکستان کا مستقبل ہیں۔ کسی ماں کا بیٹا' کسی عورت کا سہاگ اور کسی بہن کا بھائی ان درندوں کی سفاکی سے محفوظ نہیں ہے۔ اقبال' میں ان کے منصوبوں کو خاک میں ملانا چاہتی ہوں۔ میں ان لوگوں کے خون آشام پنجوں سے اپنے ملک کے معصوم بچوں کو بچانا چاہتی ہوں۔ تم .... تمہیں اس کام میں میرا ساتھ دینا ہے' بولو میرا ساتھ دو گے؟"

"مس فاریہ آپ حکم کریں بس .... میں آپ کے ساتھ ہوں' موت ہی مجھے میرے عہد سے ہٹا سکتی ہے ورنہ دنیا کی کوئی طاقت مجھے میرے عہد سے نہیں ہٹا سکتی۔ میں وہی کروں گا جو آپ کہیں گی۔" میں نے پُرعزم لہجے میں جواب دیا۔

"تھینک یو مسٹر اقبال' مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اب سنو۔ سیماں تمہیں جمال بنا کر استعمال کرنا چاہتی ہے وہ جانتی ہے کہ تم جمال نہیں مگر وہ تمہیں بلیک میل کرے گی۔ تمہاری جمال سے مشابہت نے ہی اسے اس پلان پر عمل کرنے کا خیال دلایا ہو گا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اس سے ملو اس نے خط میں تمہیں ملنے کو لکھا ہے۔ ایڈریس بھی دیا ہے اور نمبر بھی۔ تم اس پر یہی ظاہر کرو گے کہ تم اس کی باتوں سے خوف زدہ ہو گئے ہو۔ وہ تمہارے بارے میں تفصیل سن چکی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ تم بڑی مصیبتوں سے گزرے ہو اور تمہیں ڈرا دھمکا کر اپنے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ وہ تم سے ہمارے بارے میں بہت سی باتیں کرے گی۔ ہمیں غلط ثابت کرنے اور تمہیں غیر محفوظ ہونے کا احساس دلائے گی۔ تمہیں اپنے لئے کام کرنے پر مجبور کرے گی' تم اس کی باتیں مان لینا۔ اس پر بالکل ظاہر نہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرنا کہ تم اس کے یا بہادر کے بارے میں سب کچھ جانتے ہو۔ اس طرح ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔ میں تم سے خود ہی مل لیا کروں گی۔ بس ایک بات یاد رکھو کہ ہمیں سیمال کے پلان کو تباہ کرنا ہے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈلوانا ہیں تاکہ وہ مزید معصوم لوگوں کو تباہ نہ کر سکیں۔"

"جیسا آپ کہیں گی ویسا ہی ہو گا مس!"

"شاباش' اب ایک بات اور' آج سے تمہاری ٹریننگ شروع۔ میں نے ایک خاتون کو آج شام بلایا ہے۔ وہ تمہیں انگریزی پڑھائے گی اور ڈرائیونگ سکھائے گی۔ کل ہم شاپنگ کریں گے۔ تمہارے لئے ضرورت کی چیزیں خریدنا ہیں۔ فلیٹ کا انتظام بھی کرنا ہے۔ وہ میں شام تک کر لوں گی۔ میں نے ایک جگہ بات کی ہوئی ہے شام تک مجھے جواب مل جائے گا۔ انشاء اللہ ہم کل رات کو وہاں جائیں گے۔ ٹھیک .... تم پڑھنے کے لئے تیار ہو نا؟"

"جی!" میں نے مختصر جواب دیا۔

"اوکے اس وقت تو ہم واپس گھر چلتے ہیں کل میں تمہیں مینا سے ملواؤں گی۔"

"مینا کون ہے جی؟"

"وہی ہیروئن پینے والے کی بیوی۔ بیچاری' محنت مزدوری کر کے بچوں کا پیٹ پالتی ہے۔"

یہ کہہ کر فاریہ نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ درمیان میں وہ ایک مرتبہ پھر اسی ریستوارن میں گئی تھی جہاں ہم نے اُس روز چائے پی تھی اور جہاں وہ انگریز فاریہ سے ڈر گیا تھا۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک اندر رہی پھر واپس آئی اور گاڑی اسٹارٹ کر کے گھر کی طرف چل پڑی

ہم آدھے گھنٹے بعد ہی گھر پہنچ گئے

میں اپنے کمرے میں گیا تو سلطان میرا منتظر تھا۔ مجھے بھی اس سے بہت سی باتیں کرنا تھیں۔ اسے دیکھ کر میں خوش ہو گیا۔ "بیٹھو سلطان۔ بیگ صاحب کے سامنے میں تم سے کچھ بھی نہیں پوچھ سکا تھا۔ اب مجھے ایک ایک بات بتاؤ۔ ایک ایک لمحے کی تفصیل تاکہ میرے دل کو قرار آ سکے۔" میں نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"ہاں بالے میں جانتا تھا۔ اس لئے تو آیا ہوں۔ تُو بتا .... وہ سب کہاں ہیں؟ راجہ کہاں گیا؟ اور تُو .... تُو یہاں کیوں ہے؟"

میں نے سلطان کو ساری بات سنائی۔

"بالے یار .... پتا نہیں کیا بات ہے پر مجھے یہ لوگ اچھے نہیں لگے۔ میں بیگ صاحب سے شاید تیسری بار ملا ہوں' مگر جانے کیوں مجھے اندر سے یہ احساس ہوتا ہے جیسے بیگ صاحب کے شفیق چہرے کے پیچھے کوئی خوفناک چہرہ ہے' جیسے یہاں سب غلط ہو رہا ہے۔"

"ارے' نہیں یار یہ تیرا وہم ہے .... یہ لوگ .... یہ لوگ تو فرشتے ہیں فرشتے۔ بیگ صاحب اور .... وہ مس فاریہ' وہ کہتی ہیں کہ اگلے ہفتے وہ خود تیرے ساتھ جا کر میری ماں اور سوہنی وغیرہ کو یہاں لے آئیں گی۔ سوچ تو سلطان بھلا میں نے انہیں کیا دیا ہے میرے لئے وہ سب کچھ کیوں کر رہی ہیں' کیا لالچ ہے انہیں ....! کچھ بھی نہیں' میرے پاس ہے ہی کیا جو میں انہیں دے سکتا ہوں۔ یہ سب کچھ وہ اللہ واسطے کر رہے ہیں۔ سلطان' اور اللہ واسطے وہی کرتا ہے جو خوفِ خدا رکھتا ہو' خدا کے بندے کو خوش رکھ کر آخرت میں اس کا صلہ چاہتا ہو' یہ لوگ اتنے امیر ہیں انہیں بھلا دنیا میں اور دولت لے کر کیا کرنا ہے۔"

سلطان نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ یوں جیسے میں کوئی دیوانہ ہوں۔ پاگل ہوں۔

"کیا دیکھ رہا ہے اس طرح؟"

"کچھ نہیں .... بالے خدا کرے تُو سچ کہتا ہو۔ معلوم نہیں راجہ کو کیا ہو گیا ہے۔ اسے تو آدمیوں کی بڑی پہچان تھی۔" اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"سلطان' تُو غلط سمجھ رہا ہے' چھوڑ ان باتوں کو۔ بتا ماں مجھے یاد کرتی ہے؟ سوہنی .... وہ کیسی ہے؟" میں نے اس کے قریب ہو کر پوچھا۔

"ماں تو ہر آہٹ پر دوڑتی ہے بالے' وہ سمجھتی ہے کہ تُو .... تُو صغرا کو لینے گیا ہے بس ابھی آ جائے گا۔ میں تیرا دوست بن کر گیا تھا مجھے بھی یہی کہہ کر بٹھالیا گیا تھا کہ بالا ابھی آتا ہے بہن کو لینے گیا ہے۔" میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ماں صغرا کا انتظار

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کر رہی ہے' اسے بیٹے پر کتنا مان ہے کہ وہ بہن کی حفاظت کرے گا مگر اسے کیا معلوم کہ اس کا پہاڑ سا بیٹا موت کے راستے میں بھربھری دیوار بن کر رہ گیا ہے "اور......... سوہنی.........؟"

"وہ .... وہ تو چپ چپ تھی۔ خاموش پتھرائی' اس کی آنکھوں میں ایک دیا سا ٹمٹماتا لگتا تھا' انتظار کا' یا آس کا' معلوم نہیں اس کے دل میں کیا ہے اس کے لب تو پتھرائے ہوئے تھے۔ بالے میں جتنی دیر وہاں بیٹھا اسے خاموش ہی دیکھا۔ ہاں البتہ ماسی میراں مجھے تجسس سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے .... میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ اس لئے کہ چوہدری وغیرہ تجھے مردہ سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ آئے تھے ماں کے پاس' سارے محلے کے سامنے تیرے جیل سے فرار ہونے اور پھر پولیس مقابلے میں کام آ جانے پر افسوس کرنے۔ وہ ماں اور ماسی میراں کو کچھ پیسہ بھی دے گئے تھے۔ ان کا یہ کردار بہت خوفناک ہے مگر گاؤں کے سادہ لوگ اسی خباثت کی وجہ سے انہیں دیوتا بنا کر پوجتے ہیں۔ وہ ان کی معصوم آنکھوں کو کیسا دھوکا دیتے ہیں۔"

"میں .... میں انہیں گاؤں والوں کے سامنے ہی کتا بنا دوں گا سلطان' ان کی سیہ کاریوں کا بھانڈا پھوڑ دوں گا۔ میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم دیکھ لینا........." غصے سے میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔

سلطان نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "میں تیرے ساتھ ہوں بالے۔ میں جو دکھ تیری ماں اور سوہنی کی آنکھوں میں دیکھ آیا ہوں اسے بھول جانا میرے بس میں ہی نہیں۔ میں دنیا میں اکیلا ہوں۔ ایک ماں کی خاطر میری جان بھی چلی گئی اور اسے خوشی مل گئی تو سمجھوں گا سب کچھ مل گیا۔ میں کرشن نگر میں رہتا ہوں بالے' تجھے گھر کا پتا لکھ کر دے رہا ہوں۔ وقت ملے تو میرے پاس ضرور آنا' مجھے اپنا بھائی سمجھ' تُو یہاں اکیلا نہیں ہے میں تیرے ساتھ ہوں۔"

"شکریہ سلطان .... میں .... میں تجھے ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ آؤں گا ضرور تیرے پاس۔"

سلطان کھڑا ہو گیا۔

"تُو جا رہا ہے؟"

"ہاں یار کچھ کام ہیں اور پھر اپنوں سے ملے زمانے ہو گئے ان سے بھی تو ملنا ہے نا۔"

"اپنے ....؟ ابھی تو تُو کہہ رہا تھا کہ ...."

"میرے اپنے وہ لوگ ہیں جو میرے چاروں طرف رہتے ہیں' میرے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں' یعنی محلے والے۔" وہ ہنس کر بولا۔

"اوہ .... سچ وہی لوگ تو اپنے ہوتے ہیں۔"

پھر سلطان چلا گیا۔ میرے ذہن میں ماں کا اداس اور منتظر چہرہ گھوم گیا' سوہنی کی غم ناک اور پتھرائی نگاہیں چھوڑ کر' میں بے دم سا لیٹ گیا۔ دن کے ڈھائی بجے یعقوب کھانے کے لئے کہنے آیا تو میں نے اپنا کھانا وہیں کمرے میں منگوا لیا۔ میں بہت تھکن اور بے چینی سی محسوس کر رہا تھا۔ کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جب ماں یہاں آ جائے گی اور مجھے یہاں اکیلا دیکھے گی تو اس کی کیا حالت ہو گی۔ اسے کیسے بتاؤں گا کہ صغرا اسے' مجھے اور ہم سب کو چھوڑ کر جا چکی ہے۔ کیسے بتاؤں گا کہ اس کے پاؤں کانٹوں سے زخمی تھے' وہ اس قابل ہی کہاں تھی کہ وہ زندگی کی اتنی لمبی مسافت طے کرتی؟ میں جانے کیا کیا سوچتا رہا اور وقت دیوار پر لگی اس شیشے کی گول چکی میں قید ہونے کے باوجود گزرتا رہا۔ کھڑکی کے پردے سے چھن کر آنے والی دھوپ کی تیزی میں کمی ہو گئی۔ پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں تیز ہو گئیں۔ میں یونہی بے سدھ بستر پر پڑا ماضی کے دکھتے لمحات کو سوچتا رہا۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک انگریز عورت کو اپنے سامنے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"مسٹر اقبال تم ہے؟" اس نے انگریزی لہجے میں پوچھا۔

"ج .... جی .... ہاں جی میں ہوں۔"

"بوائے ہم مسز مائیکل ہے۔ تم کو پڑھانا اور ٹرینڈ کرنا مانگتا ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

تب مجھے یاد آیا کہ مس فاریہ ان کا ذکر کر چکی تھیں۔ "آیئے......... اندر آیئے۔" میں نے انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔ اسی وقت مس فاریہ بھی آ گئیں۔

"مسٹر اقبال' انہی کا ذکر میں نے کیا تھا۔ یہ تمہیں پڑھائیں گی اور ڈرائیونگ بھی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سکھائیں گی۔ دیکھو اقبال' ان کا کہا ہوا ہر لفظ تمہارے علم میں اضافہ کرے گا۔ اس لئے تمہاری ساری توجہ انہی کی جانب ہونا چاہئے۔"

"جی مس فاریہ!"

"میں چلتی ہوں' یعقوب چائے لے آئے گا۔"

"تھینک یو مس فاریہ' چھائے اچھی چیز ہائے۔" مسز مائیکل نے مسکرا کر کہا۔

مسز مائیکل چونتیس پینتیس برس کی خوبصورت چہرے اور متناسب جسم کی مالک تھی۔ پہلے روز اس نے پڑھانے کی بجائے اِدھر اُدھر کی بہت سی باتیں کیں' کچھ مجھ سے پوچھا اور کچھ اپنے ملک اور لوگوں کے بارے میں بتایا۔ وہ ہر بات اور واقعے کو بڑی تفصیل سے اور ٹھہر ٹھہر کر بتا رہی تھی۔ اس کے بات کرنے کا انداز بہت اچھا تھا میں بہت جلد اس کی باتوں کو سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے لگا۔ اس کی باتوں اور قصوں میں بلا شبہ بڑا علم چھپا ہوا تھا۔ میں اس سے پہلے روز ہی مانوس ہو گیا۔ ہم نے ساتھ چائے پی۔ چائے پینے کے دوران میں اس نے مجھے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ٹوکا مگر اس کے ٹوکنے کا انداز بھی بڑا شفیق اور محبت آمیز تھا۔

رات کا کھانا بھی ہم نے ڈائننگ روم میں ساتھ ہی کھایا۔ تمام چیزیں ایسی تھیں جو چھری اور کانٹے' چمچے سے کھائی جاتی ہیں۔ پہلے تو میں کافی نروس ہوا پھر آہستہ آہستہ مجھ میں خود اعتمادی پیدا ہونے لگی۔ مسز مائیکل اور میرے درمیان جو جھجک تھی وہ بھی دور ہو گئی۔ وہ کسی بچے کی طرح ہی مجھے سمجھا رہی تھی۔

اگلے روز مس فاریہ مجھے بازار لے گئیں اور انہوں نے میرے لئے اتنا کچھ خریدا کہ میں خود کو ہواؤں میں اُڑتا محسوس کرنے لگا۔ اتنی بڑی بڑی دکانوں سے اتنا قیمتی سامان خریدنے کا تو میں خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس روز گھر آ کر میں نے نماز پڑھی اور سجدے میں گر کر خدا کا شکر بجا لایا جس نے مجھے زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا۔

پندرہ روز میں ہی میں نے اپنے اندر زمین و آسمان کا فرق محسوس کیا۔ اب میں بہت خود اعتمادی سے بات کرتا تھا۔ میری تو چال ہی بدل گئی تھی۔ لباس اور وضع قطع تو بالکل ہی بدل گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اب اگر میں اپنے گاؤں چلا جاؤں تو شاید کوئی بھی مجھے

پہچان نہ سکے۔ سوہنی بھی نہیں شاید ماں بھی ایک لمحے کو دھوکا کھا جائے اور اگر چوہدری یا راجو مجھے اس حال میں دیکھ لے تو ان کی تو گھگھی بندھ جائے گی۔

مس فاریہ بہت خوش تھیں۔ انہیں میرے اتنی جلد بدل جانے کی توقع نہ تھی۔

"اقبال تم نے کمال کر دیا۔ سچ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم .... تم میں اتنی کوالٹی ہے۔"

"تھینک یو میڈم!" میں نے سر کو ذرا سا خم کر کے جواب دیا۔

وہ میرے اس انداز پر بڑی دیر تک ہنستی رہی۔ "تمہارے ساتھی اور تمہارے گاؤں والے تمہیں پہچاننے سے انکار کر دیں گے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے میڈم۔ ویسے سارا کریڈٹ مسز مائیکل کو جاتا ہے جنہوں نے مجھ پر اتنی محنت کی۔"

"مجھے یقین تھا .... میں انہیں جانتی ہوں۔ اچھا جناب اب آپ ذرا تیار ہو جائیں۔ ہمیں جانا ہے۔"

"کہاں میڈم؟"

"ایک جگہ .... ضروری تو نہیں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں!"

"سوری میڈم .... رئیلی آئی ایم ویری سوری۔"

"سو آل رائٹ!" انہوں نے بڑی خوشی سے جواب دیا۔

میں ان سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ پندرہ منٹ بعد تیار ہو کر باہر نکلا تو مس فاریہ میری منتظر تھیں۔

"غالباً گاڑی تم ڈرائیو کرو گے!"

"نو میڈم .... میں آپ کے سلسلے میں رسک نہیں لے سکتا۔ فی الحال میں جب تنہا ہوتا ہوں تو ڈرائیو کرتا ہوں لیکن بہت جلد میں آپ کو خود ڈرائیو کر کے لے جاؤں گا۔ میرا مطلب ہے گاڑی میں ڈرائیو کروں گا۔ مگر آج نہیں پلیز..........."

"اوکے .... مگر اس کام کو بھی جلد نمٹا دو۔" اس نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"جی میڈم!" میں دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مس فاریہ نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"اب خود کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"بہت ہلکا پھلکا .... خود اعتمادی پیدا ہو گئی ہے مجھ میں۔ میرا خیال ہے کہ میں بہت کچھ سیکھ سکتا ہوں۔"

"ویری گڈ' میں یہی سننا چاہتی تھی۔ اقبال آج تمہیں سیماں کو فون کرنا ہے۔ اسے بتانا کہ اتنے دن تم خوفزدہ ہونے کی وجہ سے فون نہیں کر سکے اور تم سوچ رہے تھے کہ تمہیں فون کرنا چاہیے یا نہیں' تمہیں میرا اور بیگ صاحب کا ڈر تھا۔ آج تم نے اسے فون کر لیا تو ظاہر ہے وہ تمہیں آنے کو کہے گی تم اس سے وعدہ کر لینا کہ تم ضرور آؤ گے۔ مگر ایک شرط پر کہ وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گی یعنی مجھے یا بیگ صاحب کو' گویا تم سب سے چھپ کر اس سے ملنا چاہتے ہو۔ پھر تم وہاں جانا وہ مزید تمہیں خوفزدہ کرنے کی کوشش کرے گی۔ ممکن ہے اپنی ماں کا قاتل بنا کر تمہیں پکڑوانے کی دھمکی بھی دے۔ اس کا مقصد تمہیں خوفزدہ کرنا ہے اور تم ہو جاؤ گے۔ وہ جو کچھ آفر کرے اسے کچھ پس و پیش کے بعد قبول کر لینا اور اس پر یہی ظاہر کرنا کہ ہم نے تمہیں گھریلو ملازم کی حیثیت سے رکھا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم میری بات سمجھ رہے ہو؟"

"جی میڈم بہت اچھی طرح .... فون مجھے کب کرنا ہو گا؟"

"آج رات' گھر سے۔ بات جلدی جلدی اور گھبرا کر کرنا جیسے تم موقع مل جانے پر گھر سے ٹیلی فون کر رہے ہو اور تمہیں ڈر ہے کہ کوئی آ نہ جائے۔ کہہ دینا کہ ہم لوگ باہر گئے ہوئے ہیں۔ ٹھیک ....!"

"اوکے میڈم ...."

اچانک اس نے گاڑی روک دی۔ وہ ایک اونچی رہائشی عمارت تھی' جس کے گراؤنڈ فلور پر دکانیں تھیں۔ "آؤ........."

میں اتر گیا۔ ہم دونوں عمارت کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں سیڑھیاں تھیں اور سیڑھیوں کی دائیں جانب لفٹ تھی۔ فاریہ نے لفٹ کا بٹن دبایا۔ چند منٹ بعد ہی لفٹ نیچے آ گئی۔ لفٹ میں ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ جو فاریہ پر نگاہ پڑتے ہی کھڑا ہو گیا۔ اس نے ادب سے سلام کیا اور ایک طرف ہو کر ہمیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"یہ بلڈنگ انکل کی ہے۔" فاریہ نے کہا۔

مجھے حیرت ہوئی۔ یہ بہت بڑی بلڈنگ تھی۔ ہم ساتویں منزل پر لفٹ سے باہر آ گئے۔ غالباً یہ عمارت کی آخری منزل تھی۔ لفٹ کے باہر ایک خوبصورت سادہ دروازہ تھا جس پر پیتل کا ایک بڑا سا کنڈا لٹک رہا تھا فاریہ اس دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ فاریہ نے بڑھ کر کنڈا ہلایا۔

چند منٹ بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ سامنے سفید کپڑوں میں ملبوس ایک پندرہ بیس برس کا لڑکا کھڑا تھا فاریہ کو دیکھتے ہی وہ ذرا سا جھکا اور ایک طرف ہو گیا۔

ہم آگے پیچھے اندر داخل ہو گئے۔ فلیٹ اندر سے بے حد خوبصورت تھا۔ اندر قیمتی فرنیچر رکھا ہوا تھا اور ہمارے پیروں کے نیچے دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ فلیٹ کی سجاوٹ قابل دید تھی۔

"مسٹر اقبال .... یہ آپ کا فلیٹ ہے۔" مس فاریہ نے مسکرا کر کہا۔

"جی......... مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ میں گھوم گھوم کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ "مم .... مس فاریہ .... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں .... آپ مذاق ...."

"جی نہیں .... میں مذاق کے موڈ میں کم ہی ہوتی ہوں۔ یہ سچ ہے کہ یہ آپ کا ہی فلیٹ ہے۔ یہاں آپ رہیں گے۔ چند دن بعد یہاں ٹیلی فون بھی لگ جائے گا۔ اس لڑکے کا نام شاہد ہے۔ یہ آپ کا ملازم ہے۔ آپ کی ضرورتوں کا خیال رکھنے کے علاوہ کھانا پکانا بھی اس کا کام ہے اور دوسری خوشخبری یہ بھی ہے کہ آپ کل صبح فیکٹری بھی جا رہے ہیں۔ آپ کو فیکٹری کا کام بھی تو سمجھنا ہے نا؟"

فاریہ نے مجھے پورا فلیٹ دکھایا۔ فلیٹ میں تین بیڈ رومز تھے۔ ایک میرا اور ایک شاہد کا اور ایک بیڈ روم خالی تھا۔ فاریہ نے کہا کہ یہ تمہاری ماں کا بیڈ روم ہے۔ یہ اس وقت تک بند رکھنا ہے جب تک تمہاری ماں نہ آ جائے۔

میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں فاریہ کے قدموں میں گر کر شکریہ ادا کروں مگر میں جانتا تھا کہ فاریہ اس ادا کو پسند نہیں کرے گی۔ خوشی کے مارے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ میں نے برداشت کیا اور اٹھ کر باتھ روم چلا گیا۔ میں نے وہاں خدا کا شکر ادا کیا اور

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اور منہ پونچھتا ہوا باہر آ گیا۔

شاہد چائے کا سامان لے آیا تھا۔ ہم نے چار کرسیوں والی چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر چائے پی۔ چائے پیتے ہی فاریہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اقبال! چلو' تمہیں کل شام تک یہاں شفٹ ہو جانا چاہیے۔"

ہم وہاں سے چلے آئے۔ بیگ صاحب سے ملاقات ہوئے تین دن گزر چکے تھے۔ اب جو ہم گھر پہنچے تو بیگ صاحب لان میں ٹہل رہے تھے۔ ہماری گاڑی دیکھتے ہی لپک کر ہمارے قریب آ گئے۔ فاریہ نے انہیں دیکھ کر گاڑی وہیں روک دی بیگ صاحب کے ہاتھ میں اخبار تھا۔

"کیا بات ہے انکل؟ آپ پریشان ہیں!؟"

"یہ .... یہ دیکھو۔" اتنا کہہ کر انہوں نے اخبار فاریہ کے سامنے کر دیا.........

اخبار پر سامنے ہی اس انگریز آدمی کی تصویر تھی جسے میں فاریہ سے خوفزدہ ہو کر بھاگتے دیکھ چکا تھا۔ اس ریستوارن میں جہاں میں نے پہلی بار فاریہ کے ساتھ چائے پی تھی۔

"کیا ہوا اسے؟" فاریہ نے اطمینان سے پوچھا۔

"مر گیا......... بلکہ مار ڈالا گیا۔" بیگ صاحب نے بھرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"آپ نے مارا ہے؟" فاریہ نے اسی اطمینان سے پوچھا۔

"کک .... کیا کہہ رہی ہو .... میں کیوں ماروں گا اسے........." وہ گھبرا کر ایک دم پیچھے ہٹ گئے۔

"تو پھر آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ موت آئی تھی مر گیا' یہاں ہزاروں آدمی روز مرتے ہیں یا مار ڈالے جاتے ہیں۔ آپ کس کس پر پریشان ہوں گے۔"

"فاریہ تم .... تم سمجھ نہیں رہی ہو .... یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے' ہم پر بات آ سکتی ہے۔"

"اندر جائیے آپ .... میں وہیں آ رہی ہوں۔" اس کے لہجے میں تحکم تھا۔

میرے بدن میں جانے کیوں سرد سی لہر دوڑ گئی۔ شاید اس کے لہجے میں چھپی سفاکی سے۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میری پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر آئے ہوں۔ میں نے بے اختیار ہتھیلی سے پیشانی رگڑی۔ فاریہ نے ایک دم گاڑی چلا دی۔ بیگ صاحب اچھل کر

پیچھے ہٹ گئے تھے ورنہ وہ گاڑی سے ٹکرا کر گر جاتے۔

فاریہ نے گاڑی پورچ میں کھڑی کی۔ میں فوراً ہی اتر کر باہر کھڑا ہو گیا۔ میرا خیال تھا وہ کچھ کہے گی' مگر اس کا موڈ بہت خراب ہو چکا تھا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں چنگاریاں سے سلگتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ کچھ کہے بنا برآمدے کی طرف بڑھ گئی۔ بیگ صاحب تیز قدموں سے اس کی طرف لپکے ان کا چہرہ سفید ہو رہا تھا اور وہ کافی بوکھلائے ہوئے لگ رہے تھے۔

میں چند منٹ وہیں کھڑا رہا پھر الجھے ذہن کے ساتھ کمرے میں آ گیا۔ وہ شخص مر گیا بلکہ مار ڈالا گیا تھا جسے چند روز پہلے ریستوران میں جیتے جاگتے دیکھا تھا جو مضبوط مرد ہونے کے باوجود فاریہ جیسی نازک اندام لڑکی سے خوفزدہ ہو گیا تھا۔ وہ فاریہ سے خوفزدہ کیوں تھا؟ یہ سوال سانپ بن کر میرے ذہن میں پھنکاریں مارنے لگا تھا۔

میں کمرے میں آ کر کپڑے بدلے بغیر ہی بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ مجھے اس کی موت کی خبر سن کر دکھ ہوا تھا۔ بیگ صاحب کو بھی دھچکا لگا تھا۔

مگر فاریہ اتنی مطمئن کیوں تھی؟ اسے دکھ کیوں نہیں ہوا .... اور .... بیگ صاحب کہہ رہے تھے کہ ہم پر بھی بات آ سکتی ہے۔ یہ خیال آتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُس روز فاریہ کے ساتھ میں بھی تھا۔ جب وہ ریستوران میں ہم سے ملا تھا۔ بہت سے لوگوں نے ہمیں دیکھا ہو گا اور اب جبکہ وہ قتل ہو چکا ہے اس کے قتل کی تفتیش کی جائے گی اور .... پھر ریستوران کے لوگ بتائیں گے کہ وہ اس روز ....

میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس سے آگے سوچنے کی مجھے ہمت ہی نہ ہوئی۔

"یارب .... خیر کرنا .... جانے میں کن چکروں میں پڑ گیا ہوں۔ الٰہی پروردگار مجھ پر رحم کرنا۔" میں نے دل سے دعا کی۔ میرا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ میں بھاگ جاؤں' اپنے گاؤں جہاں سکون تھا' چین تھا' اپنا گھر اور گھر کی خوشیاں تھیں مگر......... اب تو وہاں بھی امان نہیں ہے' وہ گھر اور گھر کی خوشیاں تو جانے کب کی تباہ ہو چکی تھیں۔ وہ پُرسکون لمحے میری دسترس سے بہت دور جا چکے تھے۔ گھبراہٹ اتنی بڑی کہ میں اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

مسز مائیکل کی آمد نے طبیعت کی بے چینی کو کچھ کم کر دیا۔ ورنہ لگتا تھا جیسے طوفان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سا ہے جو مجھے بہا کر کہیں دور لے جائے گا۔ مسز مائیکل حسبِ سابق اپنا سبق لے کر بیٹھ گئیں کچھ دیر تو طبیعت اس طرف مائل ہی نہ ہوئی مگر رفتہ رفتہ میں نے پڑھائی میں دلچسپی لینا شروع کر دی دو گھنٹے کے بعد ہم ڈرائیونگ کے لئے نکل گئے۔ مسز مائیکل بڑے دھیمے لہجے میں بات کر رہی تھیں۔ ذہن کو تھپکنے والے انداز میں، کچھ ہی دیر بعد میں نے اس ٹینشن سے نجات پالی جو مجھے بے چین کئے ہوئے تھی۔

آج مسز مائیکل مجھ سے بہت خوش تھیں کہ میں نے ڈرائیونگ میں کوئی غلطی نہیں کی تھی جس پر انہیں ٹوکنا پڑتا۔ ”اوہ بوائے ابھی تم ایک دم پرفیکٹ ہے۔“

”تھینک یو.......... میں روزانہ ایک گھنٹا تنہا گاڑی ڈرائیو کرتا ہوں مسز مائیکل۔“

”اوہ رئیلی؟ تم بہت انٹیلی جنٹ ہے بوائے۔ بہت بہترین لائف گزارے گا تم۔“

”خدا کرے ایسا ہو مسز مائیکل۔ مجھے تو لگتا ہے کہ زندگی مجھے گزار دے گی۔“ میں نے لمبی سانس لے کر کہا۔

”وھاٹ؟“

”کچھ نہیں!“ میں نے مختصر سا جواب دیا۔

”دیکھو بوائے تم بہت اپ سیٹ ہے، یہ لائف ہے، یہاں تم اکیلا نہیں ہے، دوسرا لوگ بھی ہے، سب اپنا اسٹائل میں لائف گزارتا ہے کبھی کبھی دوسرا لوگ بھی تو اپ سیٹ ہوتا ہے۔“

میں چونک اٹھا۔ اس نے صحیح کہا تھا۔ جس طرح میں دوسروں کی وجہ سے پریشان ہوں بالکل اسی طرح بہت سے لوگ میری وجہ سے بھی تو پریشان ہوں گے پھر میں.......... میں کیوں اپ سیٹ ہوں؟

”ویل مسٹر اقبال ہم کو یہاں ڈراپ کرو۔“ مسز مائیکل نے اچانک ہی کہا۔

میں نے گاڑی روک دی۔

”اوکے سی یو ٹو مورو۔“

”اوکے سی یو۔“ میں نے جواباً کہا اور مسز مائیکل کو وہاں اتار کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ گھر جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا ابھی صرف سات بجے تھے۔ ایک گھنٹا میرے پاس تھا، میں یونہی بے مقصد سڑکوں سے گزرتا رہا۔ اچانک ایک جگہ چوراہے پر میری نگاہ پڑی

جہاں گھاس میں سلطان لیٹا سڑک پر گزرنے والے ٹریفک کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

میں نے گاڑی ایک کنارے روک دی۔ اس کارنر پر لسی والے کی دکان تھی میں نے لسی کا ایک گلاس بنوایا اور آہستہ آہستہ پینے لگا۔ اسی وقت سلطان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر انگڑائی لی اور چوراہے کی دائیں جانب جانے والی پتلی سے گلی میں مڑ گیا۔ میں نے جلدی سے لسی کے پیسے دیئے اور خود بھی اسی طرف چل دیا۔ مگر میرے قریب پہنچنے تک وہ غائب ہو چکا تھا۔ لوگوں سے معلوم کرنے پر پتا چلا کہ میں کرشن نگر میں کھڑا ہوں۔ سلطان نے اپنے گھر کا ایڈریس دیا تھا، مگر اس وقت وہ پرچی میری جیب میں نہیں تھی جس پر مکان نمبر وغیرہ لکھا تھا۔ میں نے ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی ساڑھے سات بجے تھے۔ اس وقت اس کا گھر تلاش کرنا بیکار تھا۔ ظاہر ہے کہ مجھے اس کے پاس بیٹھنا بھی پڑتا اور اتنا وقت میرے پاس تھا نہیں۔ میں واپس گاڑی کے پاس آ گیا۔ میں نے دروازہ کھولا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

گاڑی آہستہ رفتار سے چلاتا ہوا میں کوٹھی پہنچ گیا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ فاریہ کا موڈ اب کیسا ہے، بیگ صاحب سے اس کی کیا بات ہوئی اور سیماں کو فون کرنے کا پروگرام ہے یا نہیں۔ مگر میں اپنے وقت پر گھر پہنچ گیا تھا۔ فاریہ کی گاڑی پورچ میں موجود تھی۔ میں بہت تھک گیا تھا اس لئے سیدھا کمرے میں چلا آیا۔ کمرے میں آ کر میں نے کپڑے تبدیل کئے اور لیٹ گیا۔ شاید مجھے تھکن کی وجہ سے نیند آ گئی۔ ساڑھے آٹھ بجے یعقوب نے مجھے اٹھایا اور بتایا کہ مس فاریہ ڈائننگ روم میں میرا انتظار کر رہی ہیں۔

میں ڈائننگ روم میں داخل ہوا تو وہاں فاریہ اکیلی تھی۔ میں نے اس کے چہرے سے اس کے موڈ کا اندازہ لگانا چاہا مگر میں اپنی کوشش میں ناکام رہا، وہ اس وقت کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ میں خاموشی سے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ فارغ ہو گئی۔

”کیسے ہو؟“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”ٹھیک ہوں اور آپ؟“

”میں بھی.......... آج تمہیں فون کرنا ہے۔“

”جی میں منتظر تھا۔“

وہ اٹھی اور اس نے کارنر ٹیبل پر رکھا فون سنٹرل ٹیبل پر رکھ دیا۔ ”میں نمبر ملاتی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوں۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

میں قریب سرک آیا۔ اس نے نمبر ملایا اور ریسیور میرے ہاتھ میں دے دیا۔ دوسری طرف رِنگ جا رہی تھی۔

"ہیلو!" کچھ دیر بعد دوسری طرف سے ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

"ہیلو جی! وہ .... مس سیماں ہیں؟"

"آپ کون ہیں؟" آواز پھر آئی۔

جی............ وہ .... میں جی اقبال ...."

"اوہ ہولڈ کرو۔"

میں انتظار کرنے لگا۔ فاریہ مجھے گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد سیماں کی مترنم آواز سنائی دی۔ "کون بول رہا ہے؟"

"میں جی اقبال ہوں۔ آپ نے کہا تھا نا جی فون کرنے کو .... اس روز .... میں ڈر گیا تھا جی اس لئے نہیں آیا۔"

"بے وقوف ہو تم۔ ان چوہوں سے کیا ڈرنا' خیر کیسے ہو تم؟"

"اچھا ہوں جی۔ میں بند کر رہا ہوں جی وہ لوگ آ جائیں گے۔"

"ارے بند نہ کرنا۔ تم میرے پاس کب آ رہے ہو۔ دیکھو اقبال مجھے تم سے بہت سی ضروری باتیں کرنا ہیں۔ تمہارے فائدے کی باتیں ہیں۔ نہیں آؤ گے تو بہت بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔"

"آؤں گا جی پر ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب چھٹی ملے گی تو آؤں گا۔"

"سنو میں پرسوں تمہارا انتظار کروں گی۔ شام کو۔ کسی طرح بھی آ جانا۔"

"اچھا جی میں بس بند کر رہا ہوں۔ گاڑی آئی ہے جی شاید وہ لوگ آ گئے۔" یہ کہہ کر میں نے خدا حافظ کہے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"ونڈر فل .... اچھی ایکٹنگ تھی۔ ایک دم جاہل لگ رہے تھے۔" فاریہ ہنس دی۔ "کیا کہہ رہی تھی؟"

میں نے فون پر ہونے والی ساری باتیں اسے بتا دیں۔

"تم پرسوں نہیں کل ہی شام کو پہنچ جانا۔ کہہ دینا کہ چھٹی مل گئی ہے اسی لئے میں آ

گیا۔ پتا نہیں پھر چھٹی ملتی ہے یا نہیں۔ ٹھیک؟"

"جی بہتر۔"

فاریہ کھڑی ہو گئی۔ "مجھے اب کچھ کام ہیں تم آرام کرو۔" یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔

میں پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ بستر پر لیٹا تو پھر نیند آ گئی۔ ایسا سویا کہ دوسرے دن آٹھ بجے اٹھا۔ یعقوب نے بتایا کہ وہ کھانا لے کر آیا تھا مگر میں نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور مجھے سوتے سے اٹھانا بہتر نہیں سمجھا۔ یہ اس نے اچھا ہی کیا۔ کیسی گہری نیند تھی۔ تمام رات ٹوٹ کر سویا تھا۔ شاید اس لئے طبیعت بڑی ہلکی پھلکی تھی۔ منہ دھو کر ناشتے کی ٹیبل پر پہنچ گیا۔ بیگ صاحب موجود تھے۔ مگر بڑے پژمردہ سے چہرہ اترا ہوا تھا ان کا۔ مجھے دیکھ کر کسی خاص گرم جوشی کا اظہار نہیں کیا۔ میرے سلام کا جواب دے کر چائے کی چسکیاں لینے لگے۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھے۔ میں خاموشی سے ناشتا کرنے لگا۔

"ارے تم .... اقبال' تم یہاں بیٹھے ہو فاریہ تمہارا فیکٹری میں انتظار کر رہی ہو گی۔" ایک دم انہوں نے چونکتے ہوئے کہا۔ "اوہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ وہ مجھ سے کہہ کر گئی تھی کہ تمہیں جلد از جلد فیکٹری بھیج دوں۔" میں چائے چھوڑ کر اٹھ گیا۔ تیز قدموں سے کمرے میں آ گیا اور تین منٹ میں تیار ہو کر آ گیا۔ بیگ صاحب کا ڈرائیور تیار تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ہم پندرہ منٹ میں ہی فیکٹری پہنچ گئے۔

گیٹ پر موجود ایک شخص نے اپنی رہنمائی میں مجھے فاریہ کے کمرے تک پہنچا دیا۔ وہ میری منتظر تھی۔ "تم لیٹ ہو گئے ہو؟"

اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"جی مجھے علم نہیں تھا کہ یہاں پہنچنا ہے۔ جیسے ہی بیگ صاحب نے بتایا میں فوراً چلا آیا۔"

"کیا ہو گیا ہے انکل کو۔ بالکل لاپرواہ ہو گئے ہیں۔ جن باتوں کو سیریس لینا چاہئے انہیں نہیں لیتے۔" وہ بڑبڑائی۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔ وہ مختلف فائیلوں پر دستخط کر رہی تھی۔ ایک صاحب انہیں فائل اٹھا کر دے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ فارغ ہو گئی۔

"چلو ....!" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہم کچھ دیر بعد ایک ہال نما کمرے میں پہنچ گئے' جہاں بہت سے لوگ تھے' بڑی بڑی دیو ہیکل مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ چمڑے کے گٹھر پڑے ہوئے تھے۔ کچھ عجیب عجیب سی سلائی کی مشینیں تھیں کچھ لوگ چمڑے کو کاٹ رہے تھے اور کچھ لوگ سلائی کر رہے تھے۔ سلائی کرنے والوں میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔

فاریہ مجھے ایک ایک چیز کے بارے میں بتا رہی تھی۔ جب ہم سلائی کرنے والوں کے قریب آئے تو میری نگاہ انتہائی دائیں جانب رکھی مشین کو چلانے والی لڑکی پر پڑی اور میں اچھل پڑا۔

یہ وہی لڑکی تھی جو مجھے بس میں ملی تھی اور جس نے چلتے ہوئے کاغذ کا ایک پُرزہ میرے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ میں نے وہ کاغذ راجہ کو دیا تو پتا چلا کہ وہ عورت اور مرد اسے ہیرا منڈی میں بیچنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی ہم نے اسے چاروں طرف تلاش کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر جا چکی تھی۔ یہاں اسے دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی۔ اب میں بہت کچھ جانتا تھا اور یہی بات مجھے حیران کر رہی تھی کہ اگر وہ مرد عورت اسے بیچنے کے لئے لے گئے تھے تو یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟ میں اسے پہچان گیا تھا مگر اس نے مجھے نہیں پہچانا۔ ظاہر ہے اُس وقت کے بالے اور اس وقت کے اقبال میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ مجھے اور مس فاریہ کو اپنے قریب دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"اقبال یہ عذرا ہے۔ ہماری بہترین ورکر.......... میں اس کے بارے میں پھر کبھی بتاؤں گی فی الحال اتنا کافی ہے کہ یہاں تمہیں جو کچھ کرنا ہے اس کے بارے میں عذرا ہی تمہیں سب کچھ بتائے گی۔ گویا فیکٹری کے معاملات میں یہ تمہاری مدد کرے گی۔"

اس نے دھیرے سے سر جھکا کر مجھے سلام کیا۔ فاریہ اس سے میرا تعارف کرانے لگی مگر میرا ذہن کچھ اور سوچ رہا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد تھا اس لڑکی نے پرچے میں اپنا نام سکینہ لکھا تھا اور اب یہ عذرا تھی .... بات الجھن کی تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ مجھے دھوکا ہوا ہو' جتنے قریب سے میں اسے اس وقت دیکھ رہا تھا اتنے ہی قریب سے میں نے اسے بس میں بھی دیکھا تھا۔

"چلو اقبال .... میں تمہیں کمرا دکھا دوں۔"

میں چونک پڑا۔

"جی .... ضرور۔" اتنا کہہ کر میں نے عذرا سے پھر ملنے اور کام کے بارے میں بات چیت کرنے کو کہا اور مس فاریہ کے ساتھ چل پڑا۔ فاریہ اس ہال نما کمرے سے نکل کر پھر اسی جانب چل پڑی جہاں اس کا کمرا تھا۔ فاریہ کے کمرے کے برابر والے کمرے کے دروازے پر کھڑا ملازم ہمیں دیکھ کر مئودب ہو گیا۔ فاریہ کے اشارے پر اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ بے حد خوب صورت کمرا تھا۔ گہرے سرخ رنگ کا دبیز قالین اور سرخ ہی ویلوٹ کے پردے۔ سامنے ہی سیاہ رنگ کی بڑی سی ٹیبل تھی جس کے پیچھے اونچی سی موونگ چیئر نظر آ رہی تھی۔

"مسٹر اقبال' یہ آپ کا کمرہ ہے۔ یہ چیئر آپ کی ہے' فی الحال آپ آفس مینیجر کی حیثیت سے یہاں کام کریں گے۔ کام کے بارے میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ عذرا آپ کو سب کچھ بتا دے گی۔ اب آپ اس چیئر پر تشریف رکھیں۔ کچھ دیر بعد عذرا آپ سے مل لے گی۔ اور ہاں اس اوپر کی دراز میں آپ کے وزیٹنگ کارڈ رکھے ہیں۔ او کے سی یو.........."

میں یوں مدہوش کھڑا تھا جیسے کسی نے مجھے پتھر کا بنا دیا ہو۔ بابا کی سرگوشیاں چاروں طرف گونجتی محسوس ہو رہی تھیں کہ میں شہر جا کر تجھے پڑھا لکھا کر بابو بناؤں گا جہاں تو سرکاری دفتر میں بڑی سی میز کے پیچھے بیٹھ کر کام کرے گا۔ کاش وہ زندہ ہوتا اور دیکھتا کہ میں اس کے تصور سے کسی بڑے دفتر اور بڑی میز کے پیچھے بیٹھا ہوں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے بابا کی اور صغرا کی روح میرے گرد ناچ رہی ہے' خوش ہو رہی ہے۔ میں دھیرے سے آگے بڑھا۔ میرے پاؤں من من بھر کے ہو رہے تھے۔ میں کرسی پر بیٹھا تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ زندگی کیسے کیسے سکھ اور دکھ دیتی ہے۔ دکھ اور سکھ کا یہ امتزاج میری روح کو زخمی کئے دے رہا تھا۔ میں دیوانہ سا ہو گیا' میرا جی چاہا کہ اپنی چاروں طرف کی ساری خوب صورتی بگاڑ دوں' ہر چیز توڑ پھوڑ دوں' کپڑے پھاڑ ڈالوں اور جنگلوں میں نکل جاؤں' انہی جنگلوں میں جہاں میں اکیلا ہو گیا تھا۔ جہاں صغرا سے پہلے بابا اور ماں نے ساتھ چھوڑ دیا اور پھر زندگی کی آخری رعنائی صغرا کی صورت میں مجھ سے جدا ہو گئی تھی۔

اس سے پہلے کہ مجھ پر جنونی کیفیت طاری ہو جاتی میں نے خود کو سنبھال لیا۔ مجھے راجو اور چوہدری کا خیال آ گیا جو مجھ سے میری رعنائیاں چھیننے کے ذمے دار تھے۔ ان کا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خیال آتے ہی دکھ غصے میں ڈھل گیا اور میری تمام جنونی کیفیت گویا میری مٹھی میں سمٹ آئی اور بند مٹھی کو میں نے اتنی طاقت سے میز پر مارا کہ باہر کھڑا چپراسی فوراً ہی اندر آ گیا۔

"یس سر!"

"آں ...." میں چونک اٹھا۔

وہ میرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی چونک گیا۔ "سر آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"آں ....؟ ہاں .... پانی پلاؤ۔" میں نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔

وہ تیزی سے باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد آیا تو اس کے ہاتھ میں ٹھنڈے پانی کا گلاس تھا جسے میں ایک ہی گھونٹ میں پی گیا۔ وہ میرے سامنے مئودب کھڑا رہا۔ میں نے گلاس اس کی جانب بڑھا دیا۔

"سر........... آپ کی طبیعت ...."

"ٹھیک ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "چائے مل سکے تو ...."

"کیوں نہیں سر .... ابھی لیجئے۔" وہ پھرتی سے باہر چلا گیا۔

پانی پی کر میری کیفیت کچھ بہتر ہو گئی تھی۔ شاید اس لئے بھی کہ ان قاتل سوچوں سے چھٹکارا مل گیا تھا۔ میں نے خود کو قابو میں کر لیا تھا۔ چپراسی جلد ہی چائے لے آیا۔ میں چائے کی چسکیاں لے رہا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"کم اِن!" میں نے اونچی آواز میں کہا۔

دروازہ کھلا اور چپراسی اندر آ گیا۔ "سر! مس عذرا آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"ہاں انہیں اندر بھیج دو .... اور سنو' ان کے لئے بھی چائے لے آؤ۔"

"اوکے سر!" وہ الٹے قدموں گھوما اور اس نے دروازہ کھول کر عذرا کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"ہیلو مس عذرا .... آیئے۔" میں کھڑا ہو گیا۔

"تھینک یو۔" وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اور کیا ایکٹیوٹیز ہیں آپ کی؟"

"بس کام اور .... کام اور کام۔" وہ ہنس کر بولی۔

"ہوں .... گویا آپ چوبیس گھنٹے کام کرتی ہیں۔"

"جی .... ہاں یوں ہی سمجھ لیجئے۔ یہاں سے جا کر بھی بہت سے کام میرے منتظر ہوتے ہیں۔"

"کہاں جا کر؟"

"گھر اور کہاں؟"

"گھر........... آپ کا گھر؟"

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا' شاید میرے لہجے کی چبھن محسوس کر لی تھی اس نے۔

"جی ہاں .... میرا گھر' ویسے آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"مس عذرا سوری' آپ میری بات کا مطلب غلط نہ لیں۔ میرا مطلب تھا کہ عورت کا گھر تو وہی ہوتا ہے جو اس کا اپنا ہو' غالباً آپ شادی شدہ نہیں ہیں؟"

"اوہ ...." وہ ہنس دی۔ "آپ کے سوال کا انداز عجیب تھا۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں' وہ میرا گھر نہیں ہے۔ میں اپنی خالہ کے ساتھ رہتی ہوں۔ میرے ماں باپ بھی نہیں ہیں۔"

"اوہ سو سیڈ ...."

"تھینک یو میڈم!" عذرا نے جواباً کہا۔ "مجھے اجازت دیں تو ...."

"ہاں ضرور مجھے تمہاری یہی بات اچھی لگتی ہے کہ تم وقت کو ضائع نہیں کرتیں' ایسے لوگ ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں۔" عذرا کے جانے کے بعد فاریہ نے مجھے غور سے دیکھا۔

"اقبال تمہاری آنکھیں تمہارے چہرے کے تاثرات کا ساتھ نہیں دے رہیں۔ لگتا ہے الجھے ہوئے ہو' کیا بات ہے؟"

"میڈم' آپ عذرا کے متعلق بتانا چاہتی تھیں اگر کچھ بتا دیں تو شاید میری الجھن رفع ہو جائے۔"

"کیا مطلب؟ کیا یہ الجھن عذرا سے متعلق ہے؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"جی میڈم .... آپ نے جب سے میری ملاقات عذرا سے کروائی ہے میں الجھن میں ہوں۔ میں آپ کے قریب کسی بھی ایسے شخص کو دیکھنے کا خواہش مند نہیں ہوں جو جھوٹ بولتا ہو۔"

"کیا تم عذرا کو جانتے ہو؟" اس نے چونک کر مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"شاید ...."

"کیسے؟"

پھر میں نے فاریہ کو بس والا واقعہ سنا دیا۔ "اس کا نام عذرا ہے یا سکینہ .... میں نہیں جانتا مگر مجھ سے جھوٹ بولنا ضروری نہیں تھا۔ میں اس کے لئے ایک اجنبی شخص تھا۔ اس کا نام کچھ بھی ہو مجھے اس سے غرض نہ تھی۔ شاید اس نے آپ سے جھوٹ بولا ہو۔"

"ہوں .... تو وہ تم تھے ...." فاریہ نے لمبی سانس لے کر کہا۔

"جی؟"

"عذرا نے مجھے بتایا تھا۔ ویسے تمہاری بات پر خوشی ہوئی کہ تم میرے قریب کسی جھوٹ بولنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ عذرا نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا ہے اقبال۔ اس نے جو کچھ بتایا ہے اس کی میں تصدیق کر چکی ہوں۔ یہ سچ ہے کہ اس عورت اور مرد سے اس کا کوئی تعلق نہیں سوائے اس کے کہ وہ انہیں بچپن سے دیکھتی چلی آ رہی ہے۔ انہی لوگوں نے اسے پالا پوسا اور پڑھایا لکھایا ہے مگر دل پر شیطان کا قبضہ ہوتے کتنی دیر لگتی ہے۔ کسی نے اس عورت کو جسے عذرا ماں سمجھتی تھی بھڑکایا کہ اتنی خوبصورت لڑکی کو لئے ٹوٹے پھوٹے گھر میں کیوں بیٹھی ہو۔ اس کی خوبصورتی تو تمہیں بنگلا اور گاڑی تک دے سکتی ہے۔ اسی لالچ میں وہ عورت اسے یہاں لے آئی۔ وہ یہاں اس سے پیشہ کرانا چاہتی تھی مگر یہ اتفاق تھا کہ پہلے روز ہی میری ملاقات ہو گئی۔ عذرا کی تمام رام کہانی سن کر میں نے اس کی مدد کا وعدہ کر لیا اور اس کی ماں سے کہہ دیا کہ عذرا تمہیں اتنا کما کر دے دے گی کہ تم عیش سے زندگی گزار سکو مگر اسے اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرنے کی کبھی کوشش نہ کرنا ورنہ میں دونوں کو جہنم رسید کر دوں گی۔ وہ دونوں ڈر گئے اور اب عذرا ہر ماہ تین ہزار روپے ان کی ہتھیلی پر رکھ دیتی ہے۔ ابھی اسے دوسری تنخواہ

ہی ملی ہے مگر وہ لوگ اب خوش ہیں۔"

فاریہ خاموش ہوئی تو سناٹا چھا گیا۔

"مس فاریہ اگر وہ عورت مس عذرا کی کوئی نہیں تو پھر اس کے ماں باپ ....؟"

"ان کے بارے میں عذرا نہیں جانتی جب چھوٹی تھی تبھی سے یہ عورت اور مرد اس کے ساتھ ہے۔ اسی عورت نے بتایا تھا کہ وہ اس کی مرحوم بہن کی بیٹی ہے مگر اس بات پر نہ مجھے اعتبار ہے اور نہ عذرا کو مگر وہ عورت اس کے سوا کچھ نہیں بتاتی۔ خیر وقت ملا تو اصل بات بھی اگلوا لیں گے۔ بہر حال عذرا ان دونوں کی اتنی ہی عزت کرتی ہے جتنی ماں باپ کی' کی جانی چاہئے۔"

مجھے عذرا کے اکیلے پن کا شدت سے احساس ہوا شاید اس لئے کہ اس عذاب سے میں بھی گزر رہا تھا۔

اسی وقت چپراسی نے دروازے پر دستک دی۔ میرے اجازت دینے پر وہ چائے کی ٹرے لئے اندر آ گیا۔ چائے کے ساتھ سموسے بھی تھے جنہیں دیکھتے ہی مجھے بھوک محسوس ہونے لگی۔ میں نے ناشتا پوری طرح کیا ہی کب تھا کہ بیگ صاحب نے یہاں بھیج دیا۔

ہم چائے پینے کے دوران میں باتیں کرتے رہے۔ عذرا نے میرے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بہت جلد کام کی باتیں کرنے لگی۔ اس نے مجھے بتایا کہ یہاں روزانہ پچاس ہزار جیکٹ اور پینٹ تیار کی جاتی ہیں جن کا حساب کتاب رکھنا اور انہیں باہر بھیجنا اب میری ذمے داری ہے۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ قدم قدم پر میری مدد کرے گی۔ پھر اس نے اپنے ساتھ لائی ہوئی فائل کھول کر مجھے وہ آرڈر دکھائے جو ہماری فیکٹری کو باہر سے ملے تھے۔ زیادہ تر مال جرمنی بھیجا جا رہا تھا دوسرے نمبر پر امریکہ اور تیسرے نمبر پر انگلستان تھا۔ عذرا ہی سے مجھے معلوم ہوا کہ فیکٹری میں تین ہزار ورکرز کام کرتے ہیں جبکہ باہر ممالک میں بھی ہمارے نمائندے موجود ہیں جو آرڈر لینے اور یہاں سے بھیجا ہوا مال ریسیو کر کے پارٹیز کو دینے کا کام کرتے ہیں۔

عذرا تقریباً دو گھنٹے وہاں بیٹھی مجھے ایک ایک بات بتاتی رہی جسے میں غور سے سنتا اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی یادداشت پر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ وہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کسی کمپیوٹر کی طرح بول رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے فیکٹری سے متعلق ہر بات اس کمپیوٹر میں فیڈ کر دی گئی ہو۔

مجھے یہ سب سن کر حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی کہ یہ لوگ اس قدر امیر کبیر ہوتے ہوئے بھی کس قدر سادہ اور شفیق تھے۔ عذرا نے بھی فاریہ کی بے حد تعریف کی۔ اس نے بتایا کہ فاریہ‘ عذرا کو سگی چھوٹی بہنوں کی طرح چاہتی ہے اور اس کا خیال رکھتی ہے۔ میں جو بیگ صاحب اور فاریہ سے پہلے ہی بہت متاثر تھا یہاں آ کر مزید متاثر ہو گیا تھا۔

عذرا تقریباً دو گھنٹے بعد چلی گئی تھی۔ اس کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد انٹر کام بول اٹھا۔

”ہیلو!“

”اقبال کیا کھانے کا پروگرام نہیں ہے؟“ دوسری طرف فاریہ تھی۔

”کیوں نہیں ویسے آپ کا کیا پروگرام ہے؟“

”چلے آؤ میں نے کھانے کا آرڈر دے دیا ہے۔“

”اوکے .... آئی ایم جسٹ کم اِنگ۔“

میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

میں فاریہ کے کمرے میں پہنچا تو وہاں فاریہ کے علاوہ عذرا بھی موجود تھی۔ کھانا آ چکا تھا اور وہ لوگ میرا ہی انتظار کر رہے تھے۔ کھانے کے دوران میں مکمل خاموشی رہی۔ میں جانتا تھا کہ فاریہ خاموشی کے ساتھ کھانے کی عادی ہے شاید عذرا بھی اس بات سے واقف تھی‘ اس نے بھی اس دوران میں کوئی بات نہیں کی۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو چائے آ گئی۔

”ویل مسٹر اقبال؟“ فاریہ نے تولئے سے ہاتھ منہ پونچھتے ہوئے کہا۔ ”یہاں آ کر کیسا لگا؟“

”اچھا .... بہت اچھا‘ میرا خیال ہے کہ کچھ روز کی محنت اور توجہ کے بعد میں ایکسپرٹ ہو جاؤں گا۔“

”میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ عذرا نے جو کچھ سمجھایا ہے اسے ذہن نشین کر لیا

نا؟“

”جی ہاں میرا خیال ہے کہ میں ذہن نشین کر چکا ہوں۔“

”ویری گڈ .... اقبال‘ عذرا میری بہت اچھی ساتھی ہے گو اس ساتھ کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا میرے خیال میں جس روز تم سے ملاقات ہوئی شاید اسی روز عذرا سے بھی ملاقات ہوئی ہے۔ عذرا بھی تم جیسی ذہین اور مخلص ہے اور میں ذہین اور مخلص لوگوں کی قدر کرتی ہوں۔ یہ ایسے لوگ نہیں ہوتے جنہیں ضائع کر دیا جائے۔ تم چاہو تو گھر جا سکتے ہو۔ میری گاڑی لے جاؤ۔ میں دیر سے آؤں گی۔“

”تھینک یو میڈم۔ آپ کو پرابلم تو نہیں ہو گی؟“

”نہیں میں آفس کی گاڑی میں آ جاؤں گی۔“ یہ کہہ کر اس نے دراز میں سے گاڑی کی چابی نکال کر میری جانب بڑھا دی۔

”اوکے .... خدا حافظ میڈم۔“

”خدا حافظ۔“ اس نے جواب دیا اور میں باہر آ گیا۔ ابھی ساڑھے تین بجے تھے۔ مسز مائیکل حسبِ سابق رات آٹھ بجے آتیں اس لئے میرے پاس بہت وقت تھا۔ میں فیکٹری کے باہر آیا تو موسم بے حد دلکش ہو رہا تھا۔ آسمان پر گہرے بادل تھے‘ ہوا میں عجیب سی فرحت انگیزی تھی جس نے مجھے فریش کر دیا۔ میں یونہی بے مقصد ایک سڑک پر مڑ گیا۔ کچھ دیر بعد ہی بوندیں پڑنے لگیں۔ گویا موسم اور خوبصورت ہو گیا۔ میں بے خیالی میں کرشن نگر پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر میں نے جیبیں ٹٹولیں۔ سلطان کا دیا ہوا ایڈریس میرے پرس کی چھوٹی جیب میں موجود تھا۔ میں نے پاس سے گزرنے والے ایک لڑکے کو روک کر ایڈریس کی پرچی اس کی طرف بڑھا دی۔

”جی یہ سامنے والی گلی ہے نا اس میں چلے جائیں آگے جا کر گلی دائیں طرف مڑ جاتی ہے بس اسی موڑ پر ایک لال بلڈنگ ہے۔ وہاں سے آپ کو ان کے گھر کا پتا چل جائے گا۔ وہ اسی بلڈنگ کے ایک حصے میں رہتے ہیں۔“

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور سامنے والی تپلی سے گلی میں مڑ گیا۔ گلی بہت تپلی تھی۔ گاڑی لے جانا بہت دشوار لگ رہا تھا مگر موڑ پر سے گلی چوڑی ہو گئی تھی۔ میں نے گاڑی ایک طرف پارک کر دی اور پیدل اس بلڈنگ کی طرف بڑھ گیا۔ بلڈنگ بہت خستہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حالت میں تھی مگر تھی بہت بڑی۔ اس کے بڑے سے دروازے پر ایک عورت مل گئی جو غالباً اپنے بچے کو آوازیں دے رہی تھی۔ میں نے اس سے سلطان کے بارے میں پوچھا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے! ادھر سے اوپر جاؤ۔ تیسرا کمرا اس کا ہے۔" اس نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ میں اس طرف بڑھ گیا۔ اوپر پہنچ کر میں نے سلطان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"اوئے کون اے؟" اندر سے سلطان کی بھرائی ہوئی آواز آئی' میں نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو سامنے سلطان کھڑا آنکھیں مل رہا تھا۔ غالباً وہ سو کر اٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی مجھ سے لپٹ گیا۔ اسے شاید توقع نہیں تھی کہ میں اس سے ملنے آؤں گا۔

"آؤ بادشاہو.........." وہ خوش ہو کر بولا۔

میں اندر داخل ہوا۔ چھوٹا سا کمرا تھا' صاف ستھرا سا۔ ایک طرف ایک تخت پڑا تھا جس پر صاف ستھری چادر بچھی تھی۔ تخت کے پاس ہی کرسی رکھی تھی۔ سلطان نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مجھے یقین نہیں تھا کہ تم آؤ گے۔"

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا پھر کیوں نہ آتا۔"

بالے تُو بہت بدل گیا ہے بالکل نہیں لگتا کہ تُو وہی بالا ہے جو ہمارے ساتھ یہاں تک آیا تھا۔" اس نے سر سے پاؤں تک مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وقت سب کچھ بدل دیتا ہے سلطان .... میں نے شہر آنے اور یہاں محنت کرنے کے خواب دیکھے تھے مگر جس طرح یہ سب کچھ میرے سامنے آیا ہے وہ ناقابلِ یقین اور غیر متوقع ہے۔ سلطان .... یوں لگتا ہے جیسے میں کسی آبشار میں گر گیا ہوں جس کا تیز بہاؤ مجھے تنکے کی طرح پہاڑوں' صحراؤں اور کھیتوں سے بہاتا ہوا انجانی سمت لے جا رہا ہے۔ اتنے سے دنوں میں مجھ پر صدیوں کی تھکن طاری ہو گئی ہے مگر .... میں یوں بہے جانے پر مجبور ہوں' کچھ بھی نہیں کر سکتا' نہ معلوم میری قسمت مجھے کہاں لے جا رہی ہے۔"

"تُو بیٹھ میں ابھی آتا ہوں۔" اچانک وہ اٹھ کھڑا ہوا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے باہر

نکل گیا۔

سلطان سے مل کر مجھے اپنا ماضی یاد آ جاتا تھا۔ راجہ وغیرہ کو گئے اتنے دن ہو چکے تھے مگر انہوں نے پلٹ کر میری خبر بھی نہ لی تھی۔ اب تو میں ان لوگوں کا انتظار کر کر کے تھک چکا تھا بلکہ اب تو مجھے یوں لگتا تھا جیسے مجھے کسی کا بھی انتظار نہیں کرنا چاہئے۔ میں کسی کھونٹے کی طرح فاریہ اور بیگ صاحب کے آنگن میں گڑ کر رہ گیا ہوں۔

میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ سلطان چائے کے برتن لئے اندر داخل ہوا' ساتھ ہی پلیٹ میں گرم گرم سموسے بھی تھے۔

"یار بارش میں گرم گرم سموسے بہت مزے کے لگتے ہیں۔" اس نے تخت پر ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔

"سلطان تم یہاں کیا کرتے ہو؟"

"میں .... میں مستقل تو کچھ نہیں کرتا۔ آج کل چوڑیوں کے کارخانے میں کام کر رہا ہوں۔ تم بتاؤ' تم آج کل بڑے بابو بن گئے ہو کیسے اور کیوں؟"

"میں بیگ صاحب کی فیکٹری میں ملازمت کر رہا ہوں۔ وہ لوگ بہت اچھے ہیں سلطان' انہوں نے مجھے پڑھایا لکھایا ہے' گاڑی چلانا سکھایا ہے اور آج فیکٹری میں میرا پہلا دن تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں یہ کام بھی جلد سمجھ لوں گا۔"

"کیا کام؟" اس نے سوال کیا۔ اس کی آنکھوں میں شبہ تھا۔

میں نے اسے فیکٹری کے کام کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتا رہا۔

"یہ لوگ تیرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں.......... یہاں ہزاروں ایسے لوگ ہیں جو پڑھے لکھے ہیں' ڈگریاں ہیں ان کے پاس' نوکریاں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ لوگ واپس کر دیتے ہیں پھر.......... تجھ پر اتنی محنت کیوں کر رہے ہیں۔ آخر کیوں .... یہ بات میرے حلق سے نہیں اترتی بالے کہ وہ سب کچھ تیری ہمدردی میں کر رہے ہیں۔ یہاں کی کچی بستیاں نہیں دیکھیں تُو نے' وہاں گرمی سے جھلستے ہوئے' بھوکے پیاسے بچے نہیں دیکھے' بارش اور آندھی سے ٹوٹی ہوئی چھتیں نہیں دیکھیں۔ ان لوگوں سے ہمدردی کیوں نہیں ہے ان لوگوں کو..........؟" اس کا لہجہ بہت زہریلا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جھلتا ہوا............ آگ اگلتا ہوا۔

میں خاموشی سے سنتا رہا۔ نہ معلوم کیوں وہ بیگ صاحب اور فاریہ سے اتنا متنفر تھا۔ اسے میری کسی بھی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ ہر مرتبہ صرف یہی ایک بات کہتا تھا کہ بالے کچھ گڑ بڑ ہے .... دال میں کچھ کالا ہے۔ تجھے محتاط رہنا چاہئے۔

جہاں تک محتاط رہنے والی بات تھی وہاں تک تو وہ ٹھیک تھا۔ میں خود بھی محتاط رہنا چاہتا تھا مگر گڑ بڑ والی بات میرے حلق سے نہیں اترتی تھی۔ بیگ صاحب اور خصوصاً فاریہ کو مشکوک سمجھنا میرے بس سے باہر تھا۔ حالانکہ کچھ باتیں ایسی ہو چکی تھیں جن سے مجھے بھی شک ہوا تھا مثلاً وہی انگریز والی بات‘ جو بعد میں قتل کر دیا گیا مگر میں فاریہ سے جس قدر قریب ہو رہا تھا اتنا ہی اس کی ذات میں میرا اعتماد بڑھتا جا رہا تھا اور جب سے اس نے سیماں اور بہادر والا قصہ سنایا تھا اور ان کے خلاف مجھ سے تعاون کا وعدہ لیا تھا اس وقت سے تو میں اس کی انسان دوستی سے اتنا متاثر ہوا تھا کہ بیان مشکل ہے۔

سلطان کو جواب دینا بھی میرے بس میں نہیں تھا۔ وہ بھی ٹھیک کہتا تھا مگر ایک بات میں جانتا تھا کہ انسان پہلے اس کے لئے کچھ کرتا ہے جسے وہ جاننے لگے‘ میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا‘ بیگ صاحب اور فاریہ مجھے جان گئے تھے۔ میری داستان سن چکے تھے شاید اسی لئے یا ....

”تمہارے پاس جواب نہیں ہے نا ان باتوں کا .... میں جانتا تھا۔ کسی کے پاس بھی ان باتوں کا جواب نہیں ہو گا۔“ اس نے نفرت سے جواب دیا۔

”مگر سلطان ....“

”چھوڑ بالے .... کوئی اور بات کر............ بس میں صرف ایک بات کہوں گا کہ اپنا خیال رکھنا‘ تیری ماں تیرا بڑی شدت سے انتظار کر رہی ہے اور سوہنی .... جو کسی کی بھی نہیں صرف تیری ہے‘ وہ ابھی جوان ہے بالے‘ اسے تیرا انتظار ہے‘ اتنی دیر نہ کر دینا کہ وہ راکھ ہو جائے۔“

سلطان کے ان دو جملوں نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ ایک دم میں گھبرا کر اٹھا۔ یوں لگا جیسے اس کوٹھڑی میں ذرا دیر اور رہا تو مر جاؤں گا۔ میں کھڑا ہو گیا۔

”کہاں جا رہا ہے‘ ابھی تو آیا ہے۔“

”نہیں دوست .... میں پھر آؤں گا۔“

سلطان مجھے غور سے دیکھتا رہا۔ رک جانے کے لئے زیادہ اصرار نہ کیا۔ میں اس سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ تیزی سے سیڑھیاں عبور کیں اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ بوندیں اب بھی پڑ رہی تھیں مگر موڈ تباہ ہو چکا تھا۔ گھبراہٹ اب بھی طاری تھی۔ میں تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے ہوئے کوٹھی پہنچ گیا۔ گاڑی پورچ میں روک کر میں نے چوکیدار کو چابیاں دے دیں اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

سلطان کی باتوں نے مجھے ڈیپریس کر دیا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ میں سب کچھ چھوڑ کر ماں کے پاس پہنچ جاؤں۔ سوہنی کے پاس جو میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ جس کی ویران آنکھیں خالی دروازے کو تک رہی ہوں گی۔ میں کپڑے بدل کر برآمدے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ یعقوب نے چائے کے لئے پوچھا مگر میں نے منع کر دیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا اور میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ آج فاریہ سے اس موضوع پر کھل کر بات کروں گا۔ اسے صاف کہہ دوں گا کہ ماں کے بنا میرا دل نہیں لگتا۔ اگر وہ چاہتی ہے کہ میری تمام تر توجہ کام کی طرف ہو تو اسے ماں کو یہاں لانا پڑے گا۔ یہ فیصلہ کر کے میں مطمئن ہو گیا۔

آسمان پر اب بھی بادل تھے۔ کسی کسی وقت بوندیں پڑتیں اور پھر معدوم ہو جاتیں‘ اب اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ مسز مائیکل ایسے موسم میں بھی ٹھیک وقت پر پہنچ گئیں۔

”اے بوائے تم ٹھیک ہو نا؟“

مجھے ان کی قیافہ شناسی پر حیرت ہوئی۔ حالانکہ میں ان سے مسکرا کر ملا تھا پھر بھی انہوں نے نے بھانپ لیا تھا کہ میں اداس ہوں‘ ڈیپریس ہوں۔ میرا جی چاہا کہ میں مسز مائیکل کو سب کچھ بتا دوں مگر جانے کیا سوچ کر میں خاموش ہو گیا۔ مسز مائیکل اپنا سبق لے کر بیٹھ گئیں۔ ہم حسبِ معمول دو گھنٹے تک بیٹھے پڑھتے رہے پھر مسز مائیکل اٹھ کھڑی ہوئیں۔ میں نے انہیں ڈراپ کرنے کی آفر کی جسے انہوں نے بڑی محبت سے قبول کر لیا۔ میں کپڑے بدلے بغیر انہیں چھوڑنے چلا گیا۔

مسز مائیکل کو ڈراپ کر کے واپس آیا تو چوکیدار نے مجھے فاریہ کا پیغام دیا۔ وہ ڈرائنگ روم میں میری منتظر تھی۔ میں سیدھا ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اقبال، آج تمہیں سیماں کے پاس جانا تھا۔"

"اوہ میں تو بالکل بھول گیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں، مگر کوشش کرنا کہ یادداشت کمزور نہ ہو۔ بیٹھو ہمیں بہت سی باتیں طے کرنا ہیں۔" میں اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اقبال، اگر تم کل سیماں کے پاس جاتے ہو اور وہ تمہیں روکنے کی کوشش کرے تو ...."

"اس معاملے میں ہر فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ایسا کرتے ہیں کہ تم کل وہاں جاؤ۔ پھر جو کچھ بھی وہ کہے اس کے مطابق فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کل تم وہاں نہیں رکو گے۔ اصولاً تمہیں واپس آ کر اپنا سامان وغیرہ لینا ہو گا۔ وہ کبھی نہیں چاہے گی کہ ہمیں اس بات کا پتا چلے کہ تم یہاں سے اس کے پاس چلے گئے ہو۔ اس لئے وہ کوئی ایسی ترکیب کرے گی جس سے وہ محفوظ رہ سکے۔"

"میڈم، میں نہیں جانتا کہ کل کیا ہو گا اس لئے اس بارے میں پہلے سے کچھ طے کرنا یا فیصلہ کرنا غیر مناسب ہے۔ بس ایک بات طے ہے کہ میں وہی کروں گا جو آپ چاہیں گی۔"

"ٹھیک کہتے ہو تم، پہلے سے کچھ بھی طے نہیں کیا جا سکتا۔ اوکے کل پھر تم صبح فیکٹری جانے کی بجائے سیدھے وہاں جاؤ۔ ایک بات کا خیال رکھنا کہ اپنے پرانے کپڑے پہن کر جانا۔ اسے شبہ نہ ہو کہ تم پہلے والے اقبال نہیں ہو چپل بھی غالباً تمہارے پاس ہیں وہی پرانے ...."

"جی ہاں۔ سب کچھ ہے وہ پرانی چیزیں میرے لئے بہت قیمتی ہیں میڈم، وہ کپڑے میری ماں نے سی کر دیئے تھے، اس کی خوشبو آتی ہے ان سے۔"

"اوہ .... اقبال میں اس ہفتے بہت مصروف ہوں ورنہ تمہاری ماں کو ...."

"کوئی بات نہیں میڈم .... پھر سہی .... مگر میرا دل نہیں لگتا اس کے بغیر۔"

"میں جانتی ہوں بالے۔ وہ سب بھی جانتی ہوں جو تم نہیں کہہ پاتے۔ یقین کرو مجھے

تمہاری ماں کی اتنی ہی فکر ہے جتنی کہ تمہیں ہے۔"

"تھینک یو میڈم۔"

"اچھا اور کچھ؟"

"جی ہاں۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ سیماں سے ملنے کے بعد میں فیکٹری کیسے جا پاؤں گا۔ کیا معلوم وہ مجھ سے کیا چاہے۔ ممکن ہے وہ مجھے اپنے پاس رکھنے کو کہے، اپنے ساتھ کام کرنے کی آفر کرے۔ ایسی صورت میں آپ کے دیئے ہوئے فلیٹ میں شفٹ ہونا یا فیکٹری آنا ممکن ہو سکے گا؟"

"یہ کوئی بات ہی نہیں ہے اقبال، اگر وہ تمہیں اپنے ساتھ کام کرنے کی آفر کرے تو فوراً قبول کر لینا۔ یوں سمجھو کہ وہ کام فیکٹری کے کام سے زیادہ منافع بخش ہے۔ اسی طرح ہم جان سکیں گے کہ ان کا طریقہ کار کیا ہے۔ جو کچھ معاوضہ سیماں دے گی اس کا ڈبل میں تمہیں دوں گی۔ ہمارا پہلا مقصد اس زہر کی سپلائی کو روکنا ہے۔ فیکٹری کا کام تو یوں بھی چل رہا تھا۔"

"مجھے معاوضے کی فکر نہیں ہے میڈم۔ آپ نے جو کچھ میرے لئے کیا ہے وہ میری توقع اور کام سے کہیں بڑھ کر ہے۔"

"باقی باتیں اس سے ملنے کے بعد طے کر لی جائیں گی۔ وہ فلیٹ تمہارا ہے تم چاہے ابھی جاؤ یا سال بھر بعد۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"ٹھیک ہے میڈم غالباً ہماری ملاقات کل شام ہی کو ہو گی؟"

"نہیں .... تم جیسے ہی وہاں سے واپس آؤ گے مجھے فون کر لینا۔ میں پہنچ جاؤں گی۔"

"اوکے ...." میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"بالکل ٹھیک۔ اب میں انگریزی پڑھنے کے علاوہ لکھ بھی سکتا ہوں۔"

"ویری گڈ۔ اچھا ٹھیک، پھر کل ملاقات ہو گی۔" وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ میں وہاں سے سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا۔ شام والی کیفیت قدرے بہتر ہو گئی تھی۔ رات کا کھانا میں نے کمرے ہی میں کھایا اور لیٹ گیا۔ اب پھر بھیانک سوچوں کے سوا میرے پاس کچھ بھی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھا۔ وہ سوچیں جو مجھے لمحہ لمحہ تنہائی کا شدت سے احساس دلاتی تھیں۔ میں کل کے بارے میں خاصا پریشان تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آنے والی کل مجھے بہا کر کہاں لے جائے گی۔ مجھے اپنے غیر محفوظ ہونے کا بھی شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ جانے کل کیا ہونے والا تھا؟

میں سوچوں کے بھنور میں بہتا ہوا جانے کب نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔ صبح سویرے ہی آنکھ کھل گئی۔ میں دروازہ کھول کر باہر آیا۔ آسمان پر اب بھی گہرے بادل تھے' بارش شاید رات بھر ہوئی تھی' میرے سامنے زمین گیلی تھی اور سوندھی سوندھی خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ میں پلٹ کر کمرے میں واپس آ گیا۔ مجھے سیماں کے پاس جانا تھا۔ اس لئے میں نے الماری کھول کر پرانے کپڑے نکال لئے۔ جنہیں دھلوا کر میں نے بڑے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ پوتھین بیگ میں لپٹے ہوئے چپل بھی تھے جن کے تلووں پر میرے گاؤں کی مٹی کے ذرے چپکے ہوئے تھے جن سے مجھے میرے اپنوں کی خوشبو آتی محسوس ہوئی۔

میں نہا دھو کر تیار ہو گیا۔ اب میں پھر سے وہی پرانا بالا بن گیا تھا۔ میں نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ بنے ہوئے بالوں کو ہاتھوں سے بکھیر دیا اور یعقوب کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد یعقوب میرا ناشتا لے آیا۔ میں نے ناشتا کیا اور سیماں کے گھر کا ایڈریس لے کر باہر آ گیا۔ فاریہ نے مجھے بتا دیا تھا کہ مجھے وہاں کس طرح پہنچنا ہے۔ میں نے مین روڈ سے گلبرگ جانے والی بس پکڑ لی اور سیدھا گلبرگ پہنچ گیا۔ بہادر صاحب کا گھر ڈھونڈنا بہت مشکل نہ لگا کیوں کہ میں نے جس پہلے شخص کو ایڈریس والا پرچہ تھمایا اسی نے مجھے کوٹھی کے دروازے تک پہنچا دیا۔ بہادر صاحب غالباً اس علاقے کے مشہور شخص تھے۔ ان کی کوٹھی بے حد خوبصورت اور بیگ صاحب کی کوٹھی سے کہیں زیادہ بڑی تھی۔ گیٹ پر ایک چھوٹا سا کمرا بنا ہوا تھا جس کا دروازہ اندرونی جانب تھا مگر ایک چھوٹی سے کھڑکی باہر کی جانب کھلی ہوئی تھی۔ اندر تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے قریب جاتے ہی ایک شخص کھڑکی کے قریب آ گیا۔ اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور بولا۔ ”کیا بات ہے؟“

”جی وہ .... بہادر صاحب سے ملنا ہے۔“ میں نے کھسیانے کے سے انداز میں جواب دیا۔

”ہوں .... کیا نام ہے؟“

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

”بالا۔“

”بالا .... یہ کیا نام ہوا؟“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پھر اس نے سامنے رکھے فون پر اندر کسی کو میری آمد کی اطلاع دی۔ چند منٹ بعد ہی اس نے گیٹ کھولنے کا اشارہ کیا اور میں اندر چلا گیا۔ ایک شخص میری رہنمائی کرتا ہوا اندر کوٹھی میں لے گیا۔ کوٹھی اندر سے بلاشبہ خوبصورت تھی۔ ہم ایک ایسے کمرے میں پہنچ گئے جو غالباً ملاقاتیوں کے لئے مخصوص تھا۔ یہ ایک ہال نما کمرا تھا جس میں تین صوفہ سیٹ اور چھ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ درمیان میں سینٹرل ٹیبل رکھی تھیں اور اس پر مختلف رسالے اور اخبارات رکھے تھے۔

وہ شخص مجھے وہاں بٹھا کر اندر چلا گیا۔ پندرہ منٹ تک کمرے میں کوئی نہ آیا۔ میں بہت سویرے آ گیا تھا۔ ممکن ہے سیماں ابھی سو کر نہ اٹھی ہو یا بہادر صاحب موجود نہ ہوں۔ بہرحال پندرہ منٹ کے انتظار کے بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور سفید کپڑوں میں ملبوس سیماں میرے سامنے آ گئی۔ وہ اس وقت اتنی معصوم اور اتنی پیاری لگ رہی تھی جیسے آسمان سے اتری ہوئی کوئی حور ہو۔ مجھے فاریہ کی بتائی ہوئی کہانی جھوٹی لگنے لگی۔ ایسی معصوم اور کم سن لڑکی لوگوں میں زندگی تو بانٹ سکتی ہے' ان کے اندر زندہ رہنے کی خواہش کو شدید کر سکتی ہے مگر زہر بانٹنا یا موت کے پروانے تقسیم کرنا .... مجھے ناممکن لگا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

”اوہ .... اوہ تم آ گئے .... مجھے یقین تھا تم آؤ گے۔ میں تمہیں دوبارہ نہیں کھو سکتی۔ یقین کرو جب میں تم سے ملی تھی آج تک چین نصیب نہیں ہوا۔ ہر پل دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں تم پھر مجھ سے دور نہ ہو جاؤ۔“ اس نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے بے تابانہ انداز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لئے بے پناہ پیار تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا اور حالات کچھ اور ہوتے تو شاید میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش نصیب ترین آدمی سمجھتا کہ اتنی حسین لڑکی کی آنکھوں میں کسی کے لئے پیار ہونا بہت بڑی بات ہے مگر میں ایسی پوزیشن میں نہ تھا۔

میں اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے خود پر خوف اور گھبراہٹ سی طاری کر لی۔

”بی بی میں بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچتا ہوں۔ آپ نے تو شام کو بلایا تھا مگر مجھے آج

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دن بھر کی چھٹی ملی تھی اس لئے سویرے آ گیا۔"

"اچھا کیا اقبال.......... بہت اچھا کیا تم نے ورنہ صبح سے شام کرنا میرے لئے بہت دشوار ہو جاتا۔ یہ دو دن بھی بہت مشکل سے گزرے ہیں۔"

میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے آج مجھے جمال نہیں کہا تھا۔

"ناشتا کیا ہے تم نے؟" اس نے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

"ہاں جی.......... شکریہ۔"

"میرے ساتھ چائے پیو گے نا؟"

"جی.......... جیسی آپ کی مرضی۔" میں نے سر جھکا کر جواب دیا۔

اس نے صوفے کے نیچے لگا بٹن پاؤں سے دبایا کچھ دیر بعد ایک ملازم سفید وردی میں اندر آ گیا۔ سیماں نے اسے ناشتا لانے کو کہا اور اس کے جانے کے بعد مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "ان لوگوں نے تمھیں کوئی تکلیف تو نہیں دی نا؟"

"نہیں جی.......... تکلیف تو نہیں دی پر.........." میں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"پر کیا؟"

"وہ جی.......... میں تو شہر اس آس پر آیا تھا کہ کوئی ایسا کام کروں گا جس سے بہت سا پیسہ کما سکوں اور پھر گاؤں جا کر اپنی ماں کو شہر لے آؤں مگر وہاں تو مجھے اوپر کے کام پر رکھا گیا ہے.......... اب آپ ہی سوچئے اوپر کے کام سے بھلا کیا کماؤں گا۔"

"ان لوگوں سے اس سے زیادہ کی توقع بھی بیکار ہے' کنجوس لوگ ہیں اور ان کے پاس ہے ہی کیا جو تمھیں دیں گے۔" اس نے نفرت سے منہ سکیڑتے ہوئے جواب دیا۔

میں خاموش رہا۔ وہ کچھ دیر سوچتی رہی اور گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔ "اب تم کیا کرو گے' تمھارا کیا ارادہ ہے؟"

"میں سوچتا ہوں یہاں گیراج پر کام کر لوں۔ میرا ایک جاننے والا ہے یہاں اس کا گیراج ہے۔ گاڑیوں کی مرمت ہوتی ہے وہاں' یہاں سے سیدھا اس کے پاس جاؤں گا اس سے بات کروں گا کہ روزانہ دو تین گھنٹے وہ مجھے کام سکھا دے اس طرح میں کسی قابل ہو جاؤں گا۔ ہنر آ جائے گا میرے ہاتھ میں۔"

وہ پہلے تو سنجیدگی سے میری باتیں سنتی رہی پھر زور سے ہنس پڑی۔

"بہت معصوم ہو تم.......... تم سمجھتے ہو کہ اس طرح تم کافی کما لو گے! پگلے گیراج پر بھی تم صرف اتنا ہی کماؤ گے کہ بس اپنا پیٹ بھر لو۔ یہاں تو پڑھے لکھے لوگ اتنا ہی کما پاتے ہیں اور تم تو جاہل ہو۔"

"پھر..........؟" میں ہونقوں کی طرح اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"ایک بات ہو سکتی ہے اگر تم میرے پاس آ جاؤ تو میں تمھیں ایسی نوکری دوں گی کہ تم لکھ پتی بن جاؤ گے بولو.......... میرے ساتھ کام کرو گے؟"

"جی.......... لکھ پتی.......... کیا.......... کیا کام؟" میں نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"کام بعد میں سمجھا دوں گی پہلے بتاؤ' بیگ اور فاریہ کو چھوڑ کر میرے پاس آ سکتے ہو؟"

"ہاں جی.......... وہ کون سے میرے سگے ہیں جی.......... مجھے تو پیسا کمانا ہے جی' کیوں نہیں آؤں گا۔"

"شاباش ۔ اب تم فوراً اپنا سامان لے کر یہاں آ جاؤ۔ بلکہ سامان بھی چھوڑو' یہاں میں تمھیں اتنا کچھ دے دوں گی کہ تمھارے تصور میں بھی نہ ہو گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے جی پر وہ میرا بہت ضروری سامان ہے۔ میری ماں کی نشانیاں ہیں۔ میری بہن کی نشانیاں ہیں۔ انھیں میں کہیں نہیں چھوڑ سکتا میں کل آپ کے پاس آ جاؤں گا۔"

"لیکن میں نہیں چاہتی کہ فاریہ کو اس بات کا علم ہو کہ تم وہاں سے میرے پاس آ رہے ہو۔"

"نہیں معلوم ہو گا جی....... میں کہہ دوں گا کہ اپنے گیراج والے دوست کے پاس جا رہا ہوں۔"

"ہاں....... یہ ٹھیک رہے گا۔ میں کل تمھارا انتظار کروں گی۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

میں بھی کھڑا ہو گیا۔ وہ گیٹ تک مجھے چھوڑنے آئی۔ اس نے مجھے گاڑی میں ڈراپ کرنے کی آفر بھی کی تھی مگر خود ہی یہ آفر واپس لے لی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

فاریہ کو پتا چلے کہ میں یہاں آیا تھا۔ اس آفر پر میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ یہاں سے بس سیدھی جاتی ہے اور میں راستہ جان گیا ہوں اس لیے مجھے کوئی دشواری نہیں ہو گی۔

میں حسبِ سابق مطلوبہ بس میں بیٹھ کر اپنی منزل پر اتر گیا۔ ابھی دن کے صرف گیارہ بجے تھے۔ میں نے گھر پہنچتے ہی فاریہ کو فون کر دیا۔ پھر میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر لیٹا حالات پر غور کرتا رہا بیس منٹ بعد ہی یعقوب نے بتایا کہ فاریہ میرا انتظار کر رہی ہے۔ میں ڈرائنگ روم میں آیا تو وہ بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔

"کیا ہوا اقبال؟" اس نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔

میں نے اپنی اور سیماں کی ملاقات کی تمام تفصیل اسے بتائی۔ وہ میری اداکاری پر بہت خوش ہوئی اور اس نے مجھے فوراً اجازت دے دی کہ میں جب چاہوں سیماں کے پاس چلا جاؤں۔ اس نے مجھے بے حد محتاط رہنے کی تلقین کی اور ہدایت کی کہ میں موقع ملتے ہی فون کر لیا کروں۔ فاریہ سے وہاں جانے کی اجازت مل جانے کے بعد میں نہ معلوم کیوں اداس ہو گیا۔ یہ تیسرا مقام تھا جہاں سے میرا دانہ پانی اٹھا تھا۔ جدائیاں میری قسمت میں کتنی تیزی سے آ رہی تھیں کہ کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

میں بوجھل قدموں سے اپنے کمرے میں چلا آیا اور برآمدے میں کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔ آسمان پر تیرتے بادلوں کو دیکھتے دیکھتے ہی وقت گزر گیا۔ فاریہ نے کھانے کے کمرے میں بلایا تو وہاں بیگ صاحب بھی موجود تھے۔

"کیسے ہو بیٹا؟" انھوں نے شفقت سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں بیگ صاحب....." میں نے مختصر جواب دیا پھر فاریہ انھیں میرے بارے میں بتانے لگی۔ کھانے کے دوران میں بھی فاریہ مجھے اونچ نیچ سمجھاتی رہی۔ اس نے مجھے ہدایت کی کہ میں وہاں رہ کر ہر آنے جانے والے پر نگاہ رکھوں اور حتی الامکان اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کروں بلکہ ہو سکے تو ان کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی سنتا رہوں۔ اس کے علاوہ بھی اس نے مجھے بہت سی باتوں کی ہدایت کی اور پانچ ہزار روپے کی خطیر رقم مجھے ایک لفافے میں لپیٹ کر دی اور بولی۔ "یہ رقم چھپا کر رکھنا۔ وہ لوگ تمھارے سامان کی تلاشی لیں گے اور ہر لمحہ تم پر نگاہ رکھیں گے' ہر وقت محتاط رہنا۔ ا

تمھیں کچھ ہی عرصے تک کرنا پڑے گا۔ ان کا اعتماد حاصل ہوتے ہی تم آزاد ہو جاؤ گے۔ شروع میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ خود کو ذہین مگر معصوم ظاہر کرنا اور کسی بھی خطرے کو محسوس کرتے ہی وہاں سے نکل کر میرے پاس آ جانا۔ ویسے میرا ایک آدمی ہر لمحہ تمھارے تعاقب میں رہے گا محض تمھاری حفاظت کے خیال سے' اس سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اس کا نام طاہر ہے۔ میں آج ہی اسے تم سے ملا دوں گی تاکہ تم اسے پہچان سکو۔"

مجھے اس ساری گفتگو کے دوران میں یوں لگ رہا تھا جیسے میں کسی محاذ پر بھیجا جا رہا ہوں۔ ایک نامعلوم سا خوف مجھے اندر سے دبوچے ہوئے تھا۔ میں خاموش بیٹھا تھا۔ فاریہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ مجھے انتظار کرنے کو کہہ گئی تھی۔ بیگ صاحب اِدھر اُدھر کی گفتگو کرتے رہے مگر میرا ذہن کہیں اور تھا۔ کچھ دیر بعد فاریہ واپس آئی تو ایک لفافہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ پھر میرے بالکل سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے لفافہ میرے سامنے رکھ دیا۔

"اسے رکھو' اس کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔" اس نے لفافہ سرکاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ہے؟"

میرے سوال کا اس نے جواب نہیں دیا بلکہ ہاتھ بڑھا کر لفافہ اٹھایا اور دوسرے ہی لمحے ہاتھ نکالا تو اس میں ایک چھوٹا سا ریوالور تھا۔ میرے بدن پر چیونٹیاں سی رینگ گئیں۔ مجھے یوں لگا جیسے میں بالکل پہلے کی طرح سپاہی غلام رسول کا ریوالور لیے غیر ہموار پہاڑیوں پر ننگے پاؤں چڑھ رہا ہوں۔ میری سانس پھولی ہوئی اور میرے پاؤں زخمی ہیں۔

"یہ بتیس بور کا ریوالور ہے۔ اس کا استعمال تمھیں آتا ہو گا' نہیں آتا تو میں ابھی سکھائے دیتی ہوں مگر یہ تمھارے لیے بہت ضروری ہے' اسے صرف اپنی جان بچانے کے لیے استعمال کرنا۔" اس نے شاید میری آنکھوں میں الجھن پڑھ لی تھی۔

وہ مجھے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "اقبال اپنی جان بچانا ہر شخص کا حق ہے۔ میں تمھیں کسی تکلیف اور پریشانی میں نہیں دیکھنا چاہتی۔ یہ انتہائی ضرورت کے وقت استعمال کرنا ورنہ نہیں۔"

جن حالات کی خوفناکی کی وجہ سے میں نے راجہ وغیرہ کا ساتھ چھوڑا تھا وہی حالات

مجھے یہاں بھی پیش آ رہے تھے۔ میں عجیب شش و پنج میں تھا۔

"اگر تم میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو چھوڑو' ان مجرموں کے لیے میں اکیلی ہی کافی ہوں۔ تم سے ذرا مجھے سہولت ہو جاتی' میرا کام آسان ہو جاتا مگر......" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ وہ شاید میرے چہرے سے ایک ایک بات پڑھنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں میڈم......" میں نے جلدی سے کہا۔ "حالات کی تبدیلی انسان کے جذبات اور احساسات میں کچھ کھلبلی تو مچا ہی دیتی ہے' اور نیچرل ہے مجھے یہاں ایسے حالات کی توقع نہیں تھی اور اب سے پہلے آپ نے بھی کبھی اس جانب اشارہ نہیں کیا تھا ورنہ شاید ان سب باتوں کے لیے پہلے سے تیار ہوتا۔"

میں نے سمجھانے کے سے انداز میں جواب دیا۔

وہ دھیرے سے مسکرائی۔ "تمھارے اندر ایک اور صلاحیت ہے اقبال جس کا انکشاف ابھی ابھی مجھ پر ہوا ہے کہ تم بات کو جس طرح محسوس کرتے ہو اسے اسی طرح بیان کرنے کا ملکہ بھی رکھتے ہو۔ ایسا بہت کم لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ اپنے احساسات کو الفاظ نہیں دے پاتے جبکہ تم ایسا کر سکتے ہو اور دوسرے کو بہت جلد قائل کر لینے کی صلاحیت بھی رکھتے ہو۔ تم نے بالکل ٹھیک کہا' میری کم علمی تھی کہ میں ایسا نہیں محسوس کر پائی۔"

"تھینک یو میڈم' آپ ہدایات جاری رکھیں' میں متوجہ ہوں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ میں نے خود کو بہت جلد سنبھال لیا تھا۔ گویا خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ صرف ایک خدا کی ذات تھی جس سے میں پُر امید تھا اور بس۔

ہم تقریباً دو ڈھائی گھنٹے وہاں بیٹھے اس موضوع پر باتیں کرتے رہے' فاریہ مجھے باریکیاں سمجھاتی رہی اور میں اس کی ایک ایک بات ذہن نشین کرتا رہا۔

"پھر تم کب جا رہے ہو؟"

"کل صبح۔"

"ٹھیک ہے' وش یو گڈ لک۔ ایک بار پھر کہوں گی کہ خطرہ محسوس کرتے ہی واپس آجانا۔ دوسری صورت میں خود کو محاذ پر محسوس کرنا تمہیں اپنے ملک و قوم کو ان زہریلے لوگوں سے بچانا ہے۔ ان معصوم بچوں کو زندگی دینا ہے جو دھیرے دھیرے موت کے منہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں جا رہے ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ایسا کرتے ہوئے میں اپنی جان کی پرواہ بھی نہیں کروں گا۔"

"نہیں اقبال .... تمھاری جان بھی تو قیمتی ہے' تمھارے پاس امانت ہے خدا کی اسے خواہ مخواہ ضائع نہ کرنا پلیز......!"

"اوکے میڈم' میں کوشش کروں۔"

"اوکے اقبال' میں اور انکل تمھارے لیے دعاگو ہیں۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ لمحہ بھر کو اس کے چہرے پر اداسی پھیل گئی تھی۔

"بیگ صاحب راجہ آئے تو اسے مجھ سے کیا ہوا وعدہ ضرور یاد دلایئے گا۔ اسے کہیئے گا کہ اسے میرا انتقام لینا ہے۔ اگر میں نہ رہوں تو بھی۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو بیٹا........ خدا تمھاری حفاظت کرے گا' ایسی مایوس کن باتیں نہ کرو' میرا جی گھبرانے لگتا ہے۔"

"بس آپ اسے میرا پیغام دے دیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

"پھر خدا حافظ۔"

"ابھی تو تم سے رات کو ملاقات ہو گی اقبال۔"

"نہیں میڈم' میں کھانا باہر کھانا چاہتا ہوں۔ کچھ عرصہ باہر کی آزاد فضاؤں میں گھومنا چاہتا ہوں۔ رات میں دیر سے آؤں گا اور صبح سویرے ہی سیماں کے گھر چلا جاؤں گا' اگر آپ اجازت دیں تو.......؟"

"کیوں نہیں' جیسا تمھارا جی چاہے کرو۔" فاریہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تھینک یو میڈم اور خداحافظ۔" اتنا کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا۔ میں نے گاڑی نکالی اور چوکیدار کو مسز مائیکل کے لیے پیغام لکھ کر دے دیا کہ آج بھی اور شاید آئندہ بھی میں ان سے نہیں مل سکوں گا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ وہ میرے بارے میں مس فاریہ سے تفصیل معلوم کر سکتی ہیں۔ اصل وجہ میں نے اس لیے نہیں لکھی کہ نہ معلوم فاریہ انھیں کیا بتانا چاہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یہ پیغام دے کہ میں وہاں سے چلا آیا۔ اس روز میں شاید لاہور کی ایک ایک گلی اور ایک ایک سڑک سے گزرا‘ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ میرے اندر کوئی تھا جو بار بار مجھے یہ احساس دلا رہا تھا کہ یہ رات میری آزادی کی آخری رات ہے۔ آج جیسا ہلکا پھلکا میں پھر کبھی نہ رہ سکوں گا۔ میں بلا مقصد سڑکوں پر گھومتا رہا‘ پھر اچانک ایک خیال بڑی سرعت سے میرے ذہن میں کوندا میں ماں‘ ماسی میراں اور سوہنی کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ جو کچھ میں ان حالات میں کر سکتا تھا وہ سب کچھ کرنا چاہتا تھا۔ یہ خیال آتے ہی دوسری تمام باتیں میرے ذہن سے نکل گئیں۔ میں انار کلی بازار کے بالکل قریب تھا۔ میں نے وہیں گاڑی پارک کی اور بازار میں سجی دکانوں کی طرف بڑھ گیا۔

پھر تو لگتا تھا جیسے میں ہوش کھو بیٹھا ہوں۔ میری جیب میں فاریہ کی دی ہوئی خطیر رقم موجود تھی۔ میں نے ماں‘ ماسی میراں اور سوہنی کے لیے بہت سی چیزیں خریدیں۔ ہار‘ بندے‘ کپڑا‘ چوڑیاں‘ پازیبیں‘ گھر کی ضرورت کی مختلف چیزیں جوتے‘ چپل اور جانے کیا کیا کچھ۔ یہ سب خریدنے کے بعد میں سیدھا سلطان کے گھر پہنچ گیا۔ اس کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ میں سیڑھیاں عبور کر کے‘ لدا پھندا اس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ سلطان مجھے اس طرح دیکھ کر حیران رہ گیا۔

”یہ..... یہ سب کیا ہے بالے؟“ اس نے پیکٹ میرے ہاتھوں سے لیتے ہوئے کہا ورنہ شاید وہ سب میرے ہاتھوں سے گر جاتے۔

”سامان ہے‘ ماں کے لیے‘ سوہنی اور ماسی میراں کے لیے!“ میں نے پیکٹ تخت پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا تُو گاؤں جا رہا ہے؟“ اس نے خوش ہو کر پوچھا۔

”نہیں..... سلطان میری قسمت میں شاید گاؤں جانا نہیں لکھا۔“ میں نے نڈھال لہجے

میں کہا اور کرسی پر ڈھے گیا۔

”پھر..... یہ سب.....؟“

”یہ سب تُو گاؤں لے جائے گا۔“

”کیا مطلب؟“

”ہاں سلطان‘ تجھے میرا یہ کام کرنا ہو گا۔ یہاں صرف ایک تُو ہی تو ہے میرا دوست جو میرے سب دکھ درد بانٹتا ہے‘ میرا گاؤں اور میری ماں کو پہچانتا ہے۔“

”مگر..... میں.....“

”پلیز سلطان! میں نے بڑے مان سے یہ فیصلہ کیا تھا اور اسی فیصلے کی بنا پر یہ سب کچھ خریدا تھا کہ تُو.....؟“

”مگر یار بات کیا ہے..... یہ خیال اچانک کیسے آ گیا..... اور پھر اتنا پیسا؟“ وہ اب حیران تھا۔

اب میں نے اس سے کچھ چھپانا بیکار ہی سمجھا۔ پھر کوئی تو ایسا ہوتا جسے میرے بارے میں حقیقت معلوم ہوتی‘ کیا پتا فاریہ وغیرہ کسی کو میرے بارے میں حقیقت سے آگاہ کریں بھی یا نہیں؟

سلطان ہی ایسا آدمی تھا جو راجہ کو میرے بارے میں بتا سکتا تھا۔ میری کسی بھی معاملے میں مدد کر سکتا تھا۔ یہی سوچ کر میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ وہ حیران اور خاموش بیٹھا میری داستان سنتا رہا۔ کبھی اس کے چہرے پر دکھ پھیل جاتا اور کبھی وہ حیرت سے آنکھیں پٹپٹانے لگتا۔

میں نے بات ختم کی تو وہ خلاؤں میں گھورنے لگا۔ میں نے سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس وقت میں خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

”بالے..... کچھ ہونے والا ہے بالے..... میں کہتا تھا نا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اس وقت تُو نے میری بات نہیں سنی۔“

”مگر تُو تو فاریہ کو گڑبڑ کہتا تھا۔ گڑبڑ وہاں نہیں ہے سیماں اور بہادر گڑبڑ ہیں۔“ میں نے جھلا کر جواب دیا۔

”مگر یہ گڑبڑ بھی تو فاریہ سے شروع ہوئی نا! وہ نہ ہوتی تو.....؟“

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اچھا اب چھوڑ تُو بتا گاؤں جائے گا نا؟"

"بالے میرے گاؤں جانے سے تیری ماں کے دل پر لگا زخم تو نہیں بھرے گا نا...... تُو........تو خود کیوں نہیں جاتا بالے، چھوڑ دے یہ سب، وہ دکھ اچھا ہے بالے جس پر تسلی دینے والے پاس ہوں۔ اکیلے آدمی کو تپ چڑھ جائے تو وہ خود کو موت کے منہ میں محسوس کرتا ہے، چلا جا بالے............. چلا جا......"

"سلطان...... میں وہاں بھی اکیلا ہوں، ظلم کے خلاف آواز اٹھانے والا وہاں بھی کوئی نہیں ہے میرے دوست اور میرا وجود ان تینوں کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے، انہیں اگر سکھ نصیب ہے تو صرف اس لیے کہ چوہدری اور راجو کے خیال میں مَیں مر چکا ہوں۔ تُو کیا سمجھتا ہے میرا دل نہیں چاہتا کہ میں اپنے اندھے آنگن میں دیا روشن کروں، اپنی ماں کے دل پر لگے زخموں پر مرہم رکھوں...... نہیں دوست........ تیری سوچ غلط ہے، میں وہاں جانا چاہتا ہوں، ماں کے پاس، سوہنی کے پاس مگر تجھے معلوم نہیں سلطان، وہاں جلاد بستے ہیں، میری کمر پر پڑے نشان ان کی سفاکی کا ثبوت ہیں اور یہ........ یہ دیکھ میری پنڈلی......" میں نے اپنی پنڈلی کا وہ زخم سلطان کے سامنے کر دیا جو تھانیدار کے بوٹوں کا مرہون منت تھا اور خراب ہو کر اپنا نشان چھوڑ گیا تھا۔

کمرے میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ شاید سلطان میں بولنے کی سکت نہیں رہی تھی۔

"تُو گاؤں چلا جا سلطان، یہ پیسے رکھ۔" میں نے جیب سے لفافہ نکال کر ایک ہزار روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ "ان پیسوں میں سے جو بچ جائیں وہ ماں کو دے دینا۔ اس سے کہنا کہ .... کہ تیرا بیٹا شہر میں بہت بڑا افسر لگ گیا ہے اور یہ بھی کہنا کہ...... کہ میں اسے جلد بلالوں گا۔"

"اگر یہ سب کہہ دیا تو چوہدری اور راجو........؟"

"نہیں نہیں...... اسے کچھ نہ کہنا.........." میں نے ایک دم اس کی بات کاٹ دی۔

"میں تو بھول ہی گیا تھا کہ میری موت کی خبر ہی تو ان کی آزادی کا پروانہ ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پیسے لے لیے۔ "میں یہ پیسے ماں کو دے دوں گا بالے۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں جواب دیا۔

"اوہ شکریہ سلطان...... شکریہ، میں تیرا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

"مگر بالے.......... تُو ان لوگوں کے چکر میں مت پڑ۔"

"پھر ملوں گا سلطان، اب اجازت دے، باقی باتیں پھر ہوں گی!" میں نے سلطان کی بات کا جواب دیے بغیر کہا اور فوراً ہی وہاں سے نکل آیا۔

میں جانتا تھا کہ اگر میں کچھ دیر اور رکا تو سلطان مجھے اکسانے کی کوشش کرے گا۔ میں فاریہ اور بیگ صاحب کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ وہاں سے نکلا تو دس بجے تھے۔ بھوک بالکل نہیں لگ رہی تھی۔ میں ایک ہوٹل میں جا بیٹھا اور چائے کا آرڈر دے کر پھر حالات پر غور کرنے لگا۔

میں تقریباً ایک گھنٹہ بلا مقصد ہوٹل میں بیٹھا، وہاں آنے جانے والوں کو دیکھتا رہا۔ بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو بل کاؤنٹر پر دے کر باہر چلا آیا۔ گھر پہنچا تو فاریہ منتظر تھی۔ وہ وہیں برآمدے کے آگے ٹہل رہی تھی۔

"اقبال......... تم پریشان تو نہیں ہو نا؟"

"نہیں میڈم، پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"آؤ میں تمہیں کسی سے ملوانا چاہتی ہوں۔" وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بولی۔ مجھے حیرت ہوئی۔ رات کے گیارہ بجے.......... ایسا کون تھا جسے ملوانا ضروری تھا؟ میں نے دل میں سوچا مگر پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ میرا خیال تھا کہ آنے والا ڈرائنگ روم میں ہو گا مگر جب فاریہ نے ڈرائنگ روم کا دروازہ عبور کیا تو مجھے مزید حیرت ہوئی۔ اب ہم کوٹھی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ عبور کرنے کے بعد ہم ایک ہال نما کمرے میں پہنچ گئے۔ اس ہال نما کمرے کے دائیں اور بائیں دو دو دروازے تھے جو اس وقت بند تھے۔ میں کوٹھی کے اندرونی حصے میں پہلی بار آیا تھا ورنہ اس سے پہلے یا تو ڈرائنگ روم میں آیا تھا یا ڈائننگ روم جو ڈرائنگ سے متصل تھا۔

اب حیرت کے ساتھ ساتھ میرے بدن میں سنسنی بھی دوڑ رہی تھی۔ فاریہ کا چہرہ سپاٹ تھا جیسے میرے ساتھ چلنے والی کوئی جیتی جاگتی ہستی نہ ہو بلکہ پتھر کا کوئی بت ہو۔ جس کے چہرے پر یا آنکھوں میں کوئی تاثر نہ تھا۔ اچانک فاریہ ایک دروازے پر ٹھہر گئی۔ اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے دروازے پر ہولے سے دستک دی میں دم سادھے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ چند لمحوں بعد کسی نے دروازہ کھول دیا۔ اندر بہت ہلکی روشنی تھی۔ فاریہ نے مجھے آنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھ گئی۔

میں نے دروازہ کھولنے والے کی طرف دیکھا۔ یہ چالیس پینتالیس برس کی بوڑھی عورت تھی جس کے چہرے پر عسرت اور مفلسی کی جھریاں پڑی محسوس ہوتی تھیں جو فاریہ کو دیکھ کر مؤدب ہو گئی تھی۔

”کیا حالت ہے؟“ فاریہ نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

”جی ابھی ابھی سوئی ہے۔ دوا دی ہے میں نے‘ ورنہ تو تڑپتی رہتی۔“ اس کی آواز میں بے پناہ دکھ تھا۔”بی بی مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی آپ یہاں کسی اور کو رکھ لیں۔“ اس نے ایک دم فاریہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

”اب کچھ ہی دن کی بات ہے‘ حمیدہ بی بی ....“ فاریہ نے جواب دیا‘ اس کی آواز بھرائی ہوئی محسوس ہوئی۔

میں حیرت سے گنگ کھڑا تھا۔ کمرا بے حد تاریک سا لگ رہا تھا۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر گہرے رنگ کے پردے پڑے تھے۔ کمرے میں روشنی بھی کم تھی بلکہ کمرے کا ایک حصہ تو بالکل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جس دروازے سے ہم اندر داخل ہوئے تھے اس کی پیشانی پر لگا بلب کمرے کو پوری طرح روشن کرنے میں ناکام رہا تھا۔

”کیا سو گئی ہے‘ تم نے اطمینان کر لیا ہے؟“ فاریہ نے کمرے کے تاریک گوشے کی طرف دیکھتے ہوئے اس عورت سے پوچھا۔

”جی بی بی ......“ اس نے مختصر جواب دیا۔ اس دوران میں مَیں آنکھیں پھاڑے اس تاریک حصے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں کسی بیڈ کا ہیولا اب کچھ واضح ہو گیا تھا۔ بیڈ پر غالباً کوئی لیٹا تھا۔ غالباً نہیں بلکہ یقیناً کیوں کہ فاریہ اور اس بوڑھی عورت کے درمیان شاید اسی ہستی کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ!“ نادیہ نے اس عورت سے کہا۔

وہ عورت دوپٹے کے پلو سے آنکھیں خشک کرتی ہوئی وہاں سے باہر نکل گئی۔ میں

ہونق بنا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ نادیہ دھیمے قدموں سے اس تاریک حصے کی طرف بڑھی پھر شاید اس نے بیڈ کے قریب رکھی ٹیبل پر رکھے لیمپ کو روشن کر دیا۔ وہ حصہ روشن ہوتے ہی میں چونک اٹھا۔ بیڈ پر ایک لڑکی لیٹی تھی۔ اس کی عمر بہ مشکل بیس بائیس برس ہو گی۔ وہ فاریہ سے بہت مشابہ تھی مگر بہت کمزور مدقوق! وہ شاید بیمار تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے تھے۔ شاید وہ کبھی خوب صورت بھی رہی ہو گی مگر اس وقت تو اس کے چہرے پر موت کا بھیانک سایہ تھا جس نے اسے بدصورت بنا دیا تھا۔

”اقبال یہ زاریہ ہے...... میری چھوٹی بہن......“ فاریہ کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

میں اس کے قریب آ گیا۔ فاریہ نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے دیوار سے لگی کرسی کو بیڈ کے قریب کر لیا اور بیٹھ گیا۔

”یہ بہت صحت مند تھی۔ بہت خوب صورت............ بی اے پارٹ ون کی تیاری کر رہی تھی۔ زندگی سے بھرپور زاریہ کے قہقہوں نے اس پوری کوٹھی میں زندگی پھیلا دی تھی۔ اس کی معصوم شرارتوں میں زندہ رہنے اور زندہ رکھنے کی امنگ تھی۔ میں تو اسے دیکھ کر ہی جیتی تھی اقبال‘ ممی پاپا کے بعد میرے لیے دنیا میں صرف یہی ایک ہستی تھی جو مجھے زندہ رہنے پر مجبور کیے ہوئے تھی یا انکل‘ جنھوں نے میرے اندر حوصلہ پیدا کیا۔ پاپا کا کاروبار سنبھالا اور مجھے زمانے کی اونچ نیچ سکھائی۔ زاریہ نے اسی زمانے میں میٹرک کا امتحان دیا تھا۔ اس کی کچھ کلاس فیلوز اسلام آباد میں سیٹ ہو گئیں۔ کچھ وہاں کالج میں ایڈمیشن لے کر ہوسٹل میں رہنے لگیں‘ زاریہ نے بھی اسلام آباد جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مجھ میں اس کی کسی خواہش کو رد کرنے کی ہمت نہیں تھی‘ کاش اس وقت میں نے اس کی خواہش کو ماننے سے انکار کر دیا ہوتا۔“ وہ لمحہ بھر کو رکی۔ کمرے میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ میں بھی سانس روکے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ فاریہ چند لمحے بیڈ پر بے خبر سوئی ہوئی زاریہ کو دیکھتی رہی پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز سارے کمرے میں گونجنے لگی۔

”میں نے زاریہ کی خواہش پر اسے اسلام آباد بھیج دیا۔ وہیں ہاسٹل میں اس کے رہنے کا انتظام بھی کر دیا۔ زاریہ ہر ماہ چھٹیوں میں یہاں آتی تو اس ویران کوٹھی میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اچانک زندگی دوڑ جاتی۔ خوب شرارتیں کرتی۔ انکل کے ساتھ جا کر شاپنگ کے پروگرام بناتی' یوں سمجھو کہ سب کچھ تلپٹ کر دیتی تھی' ساری ترتیب بگاڑ دیتی یوں لگتا جیسے زاریہ نہ آئی ہو کوئی خاندان آ گئے ہوں۔ گھر کا ہر شخص' تمام نوکر سب مصروف ہوتے' بھگدڑ مچی ہوتی تھی' مگر یہ بے ترتیبی اچھی لگتی تھی۔ زندگی محسوس ہوتی تھی۔ پھر......... اچانک یہ ہنگامے کم ہو گئے۔ زاریہ ہر ماہ کی بجائے ہر دو تین ماہ میں آنے لگی اور آتی بھی تو اسے جانے کی جلدی ہوتی۔ جتنا عرصہ رہتی عجیب سی رہتی' اکیلی اکیلی' ہمارے قریب بھی زیادہ نہ رہتی' یا تو اپنے کمرے میں گھسی رہتی یا اکیلی اِدھر اُدھر پھرتی رہتی اس کے قہقہوں میں جو ایک چھنک تھی' زندگی سے پیار کا احساس تھا وہ بھی کم ہو گیا بلکہ کبھی کبھی تو یوں ہوتا کہ وہ قہقہہ لگائے بغیر ہی چلی جاتی۔ خاموشی سے .... چپ چپ' یہ تبدیلی رفتہ رفتہ آئی تھی اس لئے شروع میں تو ہمیں محسوس نہ ہوا مگر جب اس خاموشی اور تنہائی پسندی کے ساتھ ساتھ اس کی صحت بھی گرنے لگی تو مجھے تشویش ہوئی۔ میں نے بہت چاہا کہ اسے ڈاکٹر کو دکھا دوں مگر وہ تیار نہ ہوئی۔ کہتی تھی میں ٹھیک ہوں بجیا!

میرا کاروبار اس قدر پھیل گیا تھا کہ میں بے پناہ مصروف ہو گئی۔ ادھر انکل نے آہستہ آہستہ کاروبار میں دلچسپی کم کر دی اور سارا بوجھ مجھ پر پڑ گیا۔ زاریہ آتی بھی تو میری اور اس کی ملاقات کم ہوتی۔ میں دن بھر فیکٹری میں رہتی اور وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں۔ رات کو کبھی ملاقات بھی ہوتی تو صرف کھانے کی ٹیبل پر' میں اس کی صحت کو دیکھ کر فکر مند ہو جاتی اسے علاج کے لئے کہتی اور وہ ٹال جاتی' پھر یوں ہونے لگا کہ زاریہ نے یہاں آنا کم کر دیا۔ ہماری فون پر بات ہوتی۔ میں اسے آنے کے لئے کہتی تو وہ پڑھائی اور امتحان کی تیاری کا بہانہ بنا کر ٹال جاتی۔

اسی طرح تقریباً ڈیڑھ برس گزر گیا۔ یہ پچھلے ماہ کی بات ہے۔ میں فیکٹری میں تھی کہ اچانک انکل کا فون آیا۔ انہوں نے مجھے فوراً گھر پہنچنے کو کہا۔ ان کے لہجے میں تشویش تھی۔ انہوں نے فون پر کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ میں سیدھی گھر پہنچی تو معلوم ہوا کہ زاریہ آئی ہوئی ہے۔ بلکہ لائی گئی ہے۔ اس کی حالت بہت خراب ہے۔ انکل نے ڈاکٹر کو بلا لیا تھا۔ زاریہ کے ساتھ اس کے کالج کی پرنسپل بھی تھیں۔ میں زاریہ کی حالت دیکھ کر پاگل ہو گئی۔ وہ بری طرح تڑپ رہی تھی۔ تب ڈاکٹر نے یہ بھیانک انکشاف کیا کہ زاریہ

ہیروئن کی عادی ہے۔

یہ سن کر میں سناٹے میں رہ گئی۔ اس کی پرنسپل سے بات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ زاریہ بہت عرصے سے ہیروئن پی رہی تھی۔ پرنسپل کے علم میں بات آئی تو انہوں نے نہ صرف اسے سمجھایا بلکہ ہمیں بتانے کی دھمکی بھی دی مگر زاریہ نے ان سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ نہیں پیئے گی مگر وہ ہمیں کچھ نہ بتائیں۔ پرنسپل نے اس کے وعدے پر اعتبار کر لیا مگر زاریہ اس زہر سے نجات حاصل نہ کر سکی۔ اس نے چھپ کر ہیروئن پینا شروع کر دی اور وہ جھوٹ بھی بولنے لگی۔ جب بھی پرنسپل اسے بلاتی اور پوچھتی تو وہ قسمیں کھاتی اور بتاتی کہ اب وہ ہیروئن نہیں پیتی۔ یہ سلسلہ بہت عرصے تک چلتا رہا۔ اس کی گرتی ہوئی صحت اور اس میں پیدا ہونے والی تبدیلی سے سبھی پریشان تھے مگر یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ اب بھی ہیروئن پیتی ہے یا نہیں۔ پھر ایک دوبار ایسا ہوا کہ وہ گھر آنے کے لئے وہاں سے روانہ ہوئی مگر یہاں نہیں پہنچی' پرنسپل نے گھر فون کر کے پوچھا تو معلوم ہوا کہ زاریہ یہاں نہیں آئی۔ یہاں نہ پہنچنے کی اطلاع انہیں انکل نے دی تھی مگر یہ بات انہوں نے مجھے نہیں بتائی۔ ان کا خیال تھا کہ میں پریشان ہو جاؤں گی۔ پھر ایک روز اس کے کمرے سے چیخوں کی آواز سن کر وارڈن نے پرنسپل کو اطلاع کی۔ پرنسپل نے آ کر دیکھا تو وہ بری طرح تڑپ رہی تھی۔ اس کا جسم اکڑا ہوا تھا۔ آنکھیں ابل کر باہر آ گئی تھیں اور وہ بے حال تھی۔ ان لوگوں کو دیکھتے ہی اس نے ہاتھ جوڑ دیئے اور پرنسپل وغیرہ سے گڑگڑا کر ہیروئن مانگنے لگی۔ وہ کہتی تھی میں مرجاؤں گی مجھے ایک کش دے دو۔ اس کی حالت بہت بگڑی تو پرنسپل اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ اسے یہاں لے آئیں۔ میں اس کا علاج کرا رہی ہوں اقبال مگر......... یہ لمحہ لمحہ موت سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ جانے کب یہ مجھ سے بچھڑ جائے گی......... اور یہ احساس کہ کوئی کسی بھی لمحہ ہمیشہ کے لئے بچھڑنے والا ہے کتنا خوفناک ہوتا ہے اس کا شاید تمہیں احساس نہ ہو اس لئے کہ تمہاری بہن جب تم سے جدا ہو رہی تھی تو تمہیں گمان بھی نہ تھا۔ تم نے تو اسے سونے کے لئے کہا تھا' آرام کرنے کے لئے .... اگر تمہیں اس وقت معلوم ہو جاتا کہ وہ تم سے بچھڑنے والی ہے تو......... تو تم کیا کرتے اقبال.........؟ اسے موت کے بھیانک پنجے سے کیسے آزاد کراتے .... کہاں چھپاتے اسے.........؟ بولو......... بولو......... اقبال

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں زاریہ کو کہاں چھپاؤں .... موت جو دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھ رہی ہے اسے کیسے روکوں .... کیا میں مر کر بھی اسے بچا سکتی ہوں ....؟ نہیں .... دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکتی...........

مگر میں اور تم ان بہت سی معصوم بچیوں کو بچا سکتے ہیں اقبال‘ جو ابھی زندہ ہیں‘ جو ابھی اس مہلک زہر سے واقف نہیں ہیں مگر ایک نہ ایک دن بہادر اور سیماں جیسے ضمیر فروش انہیں بھی یہ زہر پینے پر مجبور کر دیں گے‘ وہ بچے میرے بھی ہو سکتے ہیں اقبال اور تمہارے بھی .... کیا ہماری قوم کے ہر بچے کی قسمت میں اسی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا لکھا ہے ....؟ ہاں اقبال اگر کسی نے اس زہر کے خوفناک آتش فشاں کو نہ بجھایا تو ایسا ہی ہو گا........... ایسا ہی ہو گا اقبال .... ایسا ہی ہو گا...........“ وہ اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میں سر سے پاؤں تک کانپ اٹھا۔ لرزنے لگا۔ مجھے زاریہ کے معصوم چہرے پر موت رقص کرتی محسوس ہوئی اور یوں لگا جیسے فاریہ کی صورت میں زندگی اس کے سرہانے بیٹھی بَین کر رہی ہو۔

”ایسا .... ایسا نہیں ہو گا میڈم...........“ میں نے گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

”ہاں میڈم‘ ایسا نہیں ہو گا۔ میں ان ضمیر فروشوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ زندہ نہیں چھوڑوں گا انہیں۔“ میں نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے جواب دیا۔

”نہیں اقبال .... یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ یہ کام تو میں بھی کر سکتی تھی‘ سیماں کو اور بہادر کو جان سے مروا دینا کچھ مشکل نہیں ہے مگر ان کی موت سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ یہ کام صرف سیماں اور بہادر کو ختم کر دینے سے ختم نہیں ہو جائے گا۔ یہ پورا گینگ ہے جو ملک کے چپے چپے پر چھایا ہوا ہے۔ بہت منظم گروہ ہے جو نہ صرف ان پودوں کی کاشت کرتا ہے جس سے نشہ آور چیزیں بنتی ہیں بلکہ ان نشہ آور چیزوں کی تیاری بھی کرتا ہے اور انہیں ملک میں اور غیر ممالک میں اسمگل کر کے خود لاکھوں ڈالر کما رہا ہے اور دنیا بھر میں موت بانٹ رہا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے پاکستان کا نام بدنام ہو رہا ہے۔ ساری دنیا پاکستان کے ہر فرد کو محض منشیات کے اسمگلر کی

حیثیت سے جانتی ہے۔ ہمیں نہ صرف اس کی کاشت کو تباہ کرنا ہو گا بلکہ منشیات کی تیاری کو اور اس زہر کی اسمگلنگ کو بھی روکنا ہو گا۔ ہمیں پاکستان کی پیشانی پر لگے اس بدنما داغ کو مٹانا ہو گا اقبال‘ اپنے لئے تو ہر شخص جیتا ہے مگر دوسروں کے لئے زندہ رہنا بڑے ظرف کا کام ہے .... بہادر کو مار دینا کافی نہیں ہے‘ بہادر مر گیا تو اس گروہ کا کوئی اور ضمیر فروش بہادر بن جائے گا اور ان کا مذموم کاروبار اسی طرح روز افزوں ترقی کرتا رہے گا۔ پوری دنیا اس زہر سے پریشان ہے‘ لوگ چیخ رہے ہیں‘ مگر یہ ایسے طاقتور لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جن کی طاقت کے آگے بڑے بڑے سورما تھرا اٹھتے ہیں مگر ہم خدا کی ذات پر مکمل ایمان رکھتے ہیں‘ ہم جانتے ہیں کہ خدا ظلم کے خلاف جہاد کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے‘ مجھے یقین ہے اقبال کہ خدا میرا بھی ساتھ دے گا۔ خدا نے کائنات بنائی ہے کہ یہاں زندگی پھلے پھولے مگر لوگ اسے موت کی وادی میں تبدیل کر رہے ہیں۔ ہم ان لوگوں کے خلاف جہاد کریں گے اقبال .... اگر تم .... میرا ساتھ دینا چاہو تو میری ہدایت پر عمل کرو ورنہ مجھے یہ حق نہیں کہ تمہیں تمہاری مرضی کے بغیر استعمال کروں۔“

”میں سمجھتا ہوں میڈم .... اب سے پہلے میرے دل میں انجانا سا خوف تھا .... مگر اب .... اب میں خوفزدہ نہیں ہوں‘ میں آپ کے ساتھ ہوں میڈم .... میں .... زاریہ کو بھی مرنے نہیں دوں گا۔ میں اس کے اور موت کے درمیان آہنی دیوار بن جاؤں گا میڈم .... اپنی جان بھی قربان کر دوں گا۔“

”نہیں اقبال‘ تم جیسے مضبوط لوگ اگر یوں ضائع ہو جائیں گے تو ان لوگوں کے خلاف کون لڑے گا۔ ہمیں بہت سوچ سمجھ کر‘ پلاننگ کر کے ان لوگوں کو چوہوں کی طرح پھانسنا ہو گا۔ ہم انہیں بلوں سے نکلنے پر مجبور کر دیں گے۔ انہیں آپس میں لڑا دیں گے‘ ان کی طاقت کو توڑ دیں گے اقبال‘ یوں ایک دم ان کے سامنے جانا بہتر نہ ہو گا۔ تمہیں وہ انگریز یاد ہے جس سے ہماری ملاقات اس ریستوران میں ہوئی تھی اور جو کچھ روز بعد مارا گیا تھا؟“

اس کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔ ”جی میڈم .... اور سچی بات یہ ہے کہ اس واقعے نے میرے دل میں بھی کئی شک و شبہات پیدا کر دیئے تھے۔“

”میں جانتی ہوں .... مجھے اندازہ تھا اقبال مگر میں اس وقت تمہیں یہ سب

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بتانے یا اس چکر میں الجھانے کو تیار نہ تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ میں صرف یہ چاہتی تھی کہ تم فیکٹری کا کام سمجھ کر میرا یہ بوجھ ہلکا کر دو مگر سیماں سے تمہاری ملاقات اور اس کی تم میں دلچسپی نے مجھے اس انداز میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ پھر میں نے تم میں کچھ حیرت انگیز صلاحیتیں دیکھیں جس نے تمہیں بے حد مضبوط بنا کر پیش کیا اور میں تمہیں اپنے ساتھ ملانے کے بارے میں سوچنے لگی۔" وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا اور ایک ہی گھونٹ میں گلاس خالی کر دیا پھر بولی۔

"وہ انگریز .... میری فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ بے حد ذہین اور پھرتیلا تھا' اسے میں نے اپنے ساتھ اس مشن میں شامل کر لیا مگر .... مگر اس نے مجھے ڈبل کراس کرنے کی کوشش کی تھی اقبال' وہ لالچ میں آ گیا تھا' ان لوگوں کے ساتھ مل گیا تھا اور اس نے میرا ایک پلان تباہ کر دیا تھا میں اسے معاف کرنے کو تیار نہ تھی' میں کسی بھی ایسے آدمی کو معاف کرنے کو تیار نہیں ہوں جو اس زہر کے خلاف کام کرنے کی بجائے اس کے فروغ کی کوشش کرے۔ میں نے .... میں نے اسے مروا دیا۔ ایسے وفادار لوگ ہیں میرے پاس جو میرے ایک ایک اشارے پر کسی کی بھی جان لے سکتے ہیں یا اپنی جان دے سکتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ وہ ذہن استعمال کرنے کے قابل نہیں' ذہانت نہیں ہے ان کے پاس' وہ صرف اور صرف لڑنا جانتے ہیں مگر تم ...."

"میں ہر طرح آپ کے ساتھ ہوں میڈم .... میں نے خیالات کی حد تک جو بددیانتی کی اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔"

"مجھے تم پر فخر ہے اقبال .... رئیلی اقبال' میں نے ایسا آدمی اب سے پہلے نہیں دیکھا' میں تمہیں کسی بھی حال میں کھونا نہیں چاہتی۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

مجھے فاریہ کی خوشی نے بڑی طمانیت بخشی۔

"آں .... ہوں ...."

اس آواز سے ہم اچھل پڑے۔ زاریہ شاید اٹھ گئی تھی۔ نادیہ اس پر جھک گئی۔

"زاری .... میری جان .... کیا حال ہے' کیسی ہو تم زاری ....؟"

"بب .... بجو .... بجیا میرا حلق خشک ہو رہا ہے' پانی ...."

اس پر بے حد نقاہت طاری تھی۔ وہ لمحہ بھر کو آنکھیں کھولتی اور بند کر لیتی۔ فاریہ

نے فوراً گلاس میں پانی انڈیل کر اس کے منہ سے لگا دیا' دوسرے ہاتھ سے وہ اسے سہارا دے کر اوپر اٹھائے ہوئے تھی۔ مجھے اس کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نظر آ رہے تھے۔

پانی پی کر وہ نڈھال ہو کر بستر پر گر گئی۔ میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ فاریہ آہستہ آہستہ اس کا سر دبانے لگی۔ وہ دھیمے لہجے میں اس سے باتیں کر رہی تھی اسے لے کر لمبی ڈرائیو پر جانے کے پروگرام بنا رہی تھی۔ اسے سمندر پر لے جانے کی باتیں کر رہی تھی۔ اسے بتا رہی تھی کہ پورے چاند کی راتوں میں سمندر جب سرکش ہوتا ہے تو انسان میں کیسی فرحت انگیزی پیدا کر دیتا ہے' ہلچل سی مچا دیتا ہے' وہ اس سے کہہ رہی تھی کہ اسے جلد ٹھیک ہو جانا چاہئے اس لئے کہ چاند کی راتیں شروع ہو گئیں ہیں اور پورے چاند کی رات میں صرف نو دن باقی ہیں۔ اس نے زاریہ کو یہ بھی بتایا کہ آج بارش ہوئی تھی' کل سے مسلسل ہو رہی ہے۔ پورا شہر نکھرا نکھرا لگ رہا ہے اور .... اور جانے کیا کیا .... وہ زندگی کی طرف بلانے والی تمام باتیں کر رہی تھی۔ اسے زندہ رہنے پر اکسا رہی تھی مگر زاریہ .... اس کی پھیلی ہوئی خالی آنکھوں میں کچھ بھی نہ تھا۔ نہ زندگی سے پیار نہ جینے کی امنگ' نہ سمندر پر جانے کی خواہش نہ بارش میں بھیگنے کی تمنا' کچھ بھی تو نہیں تھا اس کی آنکھوں میں .... اس کے چہرے پر' وہ ویران آنکھوں سے چھت کو تک رہی تھی۔ فاریہ کا منہ کھولنے والا انداز میرے دل پر برچھیاں چلا رہا تھا۔

"بجو .... پلیز .... پلیز بجو' دیکھو میرا بدن ٹوٹ رہا ہے .... میں مر رہی ہوں بجو' صرف .... صرف ایک مرتبہ .... پھر میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی' میں زندگی کی طرف لوٹ آؤں گی بجو .... تم دیکھنا بس پانچ منٹ میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔" وہ سسک سسک کر کہہ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں التجا کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"بیٹا .... میری جان .... تو زندہ رہے گی زاری .... تجھے زندہ رہنا ہو گا۔ میرا تو تیرے سوا کوئی بھی نہیں ہے زاری .... میں تجھے مرنے نہیں دوں گی بیٹا۔" فاریہ بے ساختہ رو پڑی۔

میری آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔ میں نے ایسا رقت آمیز منظر اب سے پہلے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نہیں دیکھا تھا۔ یہ کیسا خوفناک احساس تھا کہ مرنے والے کو بھی معلوم ہو کہ وہ مر رہا ہے اور پاس بیٹھے لوگوں کو بھی کہ .... وہ مر جائے گا۔

"تو پھر .... مجھے دے دو بجو .... بس ایک کش .... صرف ایک کش بجو' اگر تم مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو .... اف .... میرا بدن .... میں مر رہی ہوں .... مجھے .... مجھے بچالو .... بچالو نا ....!" اس نے تڑپ کر کہا۔

اس کا بدن اکڑنے لگا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے عضلات کھنچ گئے ہوں۔ وہ ہاتھ پیروں کو بار بار اکڑا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر شدید درد کے آثار تھے رنگ سفید پڑ گیا تھا اور وہ سر کو تکیئے پر پٹخنے لگی تھی۔ میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ مجھ سے اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

"اقبال ڈاکٹر کو ...." فاریہ نے چیخ کر مجھ سے کہا مگر میں اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی دروازے کی طرف لپک پڑا۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ بوڑھی عورت سامنے ستون سے لگی رو رہی تھی۔ زاریہ کے چیخنے اور التجائیں کرنے کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ میں نے اسے ڈاکٹر کو بلانے کو کہا۔ وہ بھاگتی ہوئی باہر کی طرف نکل گئی۔ میں بوکھلاہٹ میں کچھ دیر تو وہیں کھڑا رہا' اندر سے زاریہ کے چیخنے کی آوازیں اور فاریہ کے تسلی دینے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میرا وہاں کھڑا رہنا دوبھر ہو گیا۔ جی چاہتا تھا کہ بھاگ جاؤں۔ ان کرب ناک آوازوں سے کہیں دور .... مگر ایسا کرنا بھی میرے لئے ناممکن تھا۔

میں بے چینی سے برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد دور سے آتے ہوئے قدموں کی آواز نے مجھے اسی جانب متوجہ کر لیا۔ وہ بیگ صاحب تھے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ مجھے وہاں دیکھ کر وہ لمحہ بھر کو ٹھٹکے پھر تیزی سے زاریہ کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے اندر چلا گیا۔ وہ زاریہ کے بیڈ کی طرف لپکے جو بری طرح تڑپ رہی تھی۔ فاریہ اسے سنبھالنے میں ناکام ہو گئی تھی۔

"بیٹا .... بیٹا .... زاریہ .... ہوش میں آؤ زاریہ .... ڈاکٹر آ رہا ہے' کچھ برداشت کرو بیٹا۔" بیگ صاحب نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔

"انکل .... انکل میں مر رہی ہوں انکل .... مجھے بچالیں .... ایک دفعہ

.... صرف ایک مرتبہ انکل .... میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ میں بہت .... تکلیف میں ہوں انکل .... بجو .... مجھے دے دو .... دے دو بجو ...." وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔

فاریہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے قیامت آ گئی ہو۔ فاریہ رو رہی تھی۔ بیگ صاحب رو رہے تھے' وہ بوڑھی عورت رو رہی تھی اور .... اور زاریہ یوں تڑپ رہی تھی جیسے کوئی دھیرے دھیرے اس کے بدن سے اس کی روح کھینچ رہا ہو۔

میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔ کنپٹیاں سلگنے لگیں' کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ مجھ سے وہاں زیادہ دیر کھڑا نہ رہا گیا۔ میں خود پر قابو پانے کی کوشش میں ناکام ہو کر کمرے سے باہر چلا آیا۔ باہر فاریہ دیوار سے لگی آنسو بہا رہی تھی۔

"میڈم ...."

"اقبال .... وہ مر جائے گی اقبال .... میں اسے ہیروئن کیسے دے دوں .... اپنے ہاتھوں سے اسے زہر کیسے پلا دوں؟"

"صبر کیجئے میڈم .... گو صبر کرنا آسان نہیں ہے' میں جانتا ہوں صبر کرنا کیسا اذیت ناک فعل ہے خصوصاً ان حالات میں مگر .... ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟"

اس سے پہلے کہ فاریہ میری بات کا جواب دیتی تیز قدموں کی آہٹ نے ہمیں اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ وہ حمیدہ اور ڈاکٹر تھے۔ ڈاکٹر دوڑنے کے سے انداز میں چل رہا تھا۔ وہ ہمارے قریب رکے بغیر سیدھا کمرے میں چلا گیا۔ ہم دونوں بھی ان کے پیچھے اندر داخل ہو گئے۔

زاریہ اب بھی تڑپ رہی تھی۔ بیگ صاحب بے بسی سے اسے تڑپتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

"ڈاکٹر .... کیا تم بھی اسے نہیں بچا سکتے؟" انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ڈاکٹر نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنا بیگ کھول کر انجکشن بنانے لگا۔ ڈاکٹر کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا بس آنکھوں میں تشویش تھی۔ وہ انجکشن تیار کر کے آگے بڑھا۔ زاریہ کو قابو کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا فاریہ نے اور بیگ صاحب نے اسے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سنبھالا تب جا کر ڈاکٹر انجکشن لگانے میں کامیاب ہوا۔ زاریہ کے چہرے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ منہ کھلا ہوا تھا اور وہ لمبی لمبی سانس لے رہی تھی۔

انجکشن لگانے کے بعد ڈاکٹر نے بیگ صاحب کو باہر آنے کا اشارہ کیا اور اپنا بریف کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔ زاریہ نڈھال سی بیڈ پر پڑی تھی۔ فاریہ اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کی پیشانی سے پسینا صاف کرنے لگی۔ میں اس کرسی پر بیٹھ گیا جو زاریہ کے بیڈ کے قریب رکھی تھی۔ میری نگاہیں زاریہ کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں جو اب بے سُدھ ہو گئی تھی۔ اس کی حالت معمول پر آ رہی تھی۔ چہرے پر درد کی شدت کم ہو گئی تھی۔ پھر شاید آہستہ آہستہ وہ نیند یا غشی کی حالت میں چلی گئی جس کمرے میں شدت کا شور تھا وہاں اب گہرا سناٹا طاری تھا۔

کچھ دیر میں اور فاریہ وہاں خاموش بیٹھے اسے دیکھتے رہے پھر فاریہ دھیرے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں بھی آہستہ قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ہم باہر آئے تو وہاں ڈاکٹر صاحب اور بیگ صاحب کھڑے تھے۔ "ڈاکٹر.......... اس کا کیا ہو گا؟"

ڈاکٹر نے خاموش نگاہوں سے اسے دیکھا اور سر جھکا لیا۔ "مس فاریہ، ہم جو کچھ اس کے لئے کر سکتے ہیں وہ کر رہے ہیں۔ آپ.......... صرف دعا کریں۔"

فاریہ کا چہرہ لمحہ بھر کو سفید پڑ گیا مگر اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔

"آؤ اقبال۔" اس نے مجھ سے کہا اور ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑی۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس نے حمیدہ بی بی کو زاریہ کا خیال رکھنے کو کہہ دیا تھا اور وہ سر جھکا کر پلو سے آنکھیں پونچھتی ہوئی کمرے میں چلی گئی تھی۔

ہم دونوں ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ فاریہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں بھی ایک طرف بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔ اس کے چہرے سے دکھ کا تاثر معدوم ہو چکا تھا۔ مجھے اس کی جرأت پر حیرت ہوئی۔ میرا دل اب بھی زور زور سے دھڑک رہا تھا اور مجھے یقین تھا کہ پچھلے واقعات کا عکس اب بھی میرے چہرے پر عیاں ہو گا۔

"اقبال.......... تم.......... کل نہ جاؤ۔ میں خود کو اس وقت بہت کمزور محسوس کر رہی ہوں۔ تم کل اسے فون کر کے کہہ دو کہ تم.......... کچھ روز میں اس تک پہنچ جاؤ

گے۔"

"صحیح فیصلہ کیا ہے آپ نے میڈم.......... میں بھی خود کو ابھی اس قابل نہیں پا رہا ہوں کہ وہاں جاؤں۔ میرا خیال ہے کہ میں بہادر اور سیماں کو دیکھ کر خود کو قابو نہ رکھ سکوں گا۔ یہ دکھ کچھ کم ہو جائے تو.........."

"ہوں.......... تم ٹھیک کہتے ہو۔ اقبال.......... میں نے خود کو بے حد مضبوط بنایا ہوا ہے مگر کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری حیثیت ریت کی کسی بھربھری دیوار سی ہو جو لمحہ بھر میں ڈھیر بن جائے گی یا کسی اٹھنے والے طوفان کا ایک ریلا ہی مجھے بڑھ کر فنا کر دے گا۔ میں.......... میں بہرحال ایک عورت ہوں۔ تنہا اور کمزور.......... کاش میں مرد ہوتی تو.......... تو اس وقت ساری دنیا کو آگ لگا دیتی۔ مجھ سے زاریہ کا دکھ اور اس کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔"

"میڈم مجھے تو آپ کی جرأت اور ہمت دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ میں اس سلسلے میں آپ سے بے حد مرعوب ہوں۔ آپ یہ سب محسوس کرنے کے باوجود بہت مضبوط ہیں۔ آپ خود کو تنہا نہ سمجھیں میڈم.......... میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میری تمام طاقت آپ ہیں اور آپ کی ساری طاقت میں ہوں۔ مجھے آپ کسی بھی معاملے میں کمزور نہیں پائیں گی۔"

"تھینک یو اقبال.......... تھینک یو۔ مجھے تم سے بہت بڑا سہارا ہے۔ اب.......... تم چاہو تو جا سکتے ہو، تھک گئے ہو گے۔"

"جی میڈم، میرا خیال ہے کہ آپ بھی آرام کریں۔ آپ صبح سے مصروف تھیں۔ اب تو بہت رات ہو چکی ہے۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ فاریہ بھی شاید اپنے کمرے میں جانے کو کھڑی ہو گئی۔ میں اسے شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کپڑے بدلے اور بستر پر ڈھے گیا۔ آج کا دن میرے ذہن پر کچھ اچھا اثر نہ ڈال سکا تھا۔ میں خود کو بے حد تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ آج مجھے جو جذباتی جھٹکے لگے تھے اس نے میرے اعصاب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔

آج سے پہلے فاریہ اور بیگ صاحب کے بارے میں جو کچھ بھی میرے ذہن میں تھا وہ سب کا سب الٹ پلٹ ہو گیا تھا۔ اس بے ترتیبی نے ہی مجھے کافی تھکا دیا تھا پھر سلطان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

کی باتیں اور پھر زاریہ کا وجود .... یہ تمام ہی ایسی باتیں تھیں جنھوں نے میرے اعصاب جھنجھنا کر رکھ دیئے تھے۔ حالات جو اب تک نظر آئے تھے وہ یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔ میرا ذہن خالی تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ذہن میں صرف آندھی سی چل رہی ہو بے پناہ شور سا تھا مگر کوئی خیال' کوئی بات واضح نہ تھی۔ میں اس وقت کچھ سوچنے کے قابل بھی نہیں تھا مگر نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ میں خاموشی سے لیٹا رہا۔ وقت کب اور کیسے گزر گیا بالکل احساس نہ ہوا۔ حیرت مجھے اس وقت ہوئی جب گھڑی نے جب چھ گھنٹے بجائے۔

صبح ہو گئی۔ وقت کسی تیز لہر کی طرح بہہ گیا۔ میں اٹھ بیٹھا۔ میری عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ مجھے کتنے روز کے بعد نماز کا خیال آیا۔ میں نے وضو کیا اور خدا کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔ نماز پڑھ کر میں نے خدا سے دعا مانگی۔ دعا کی کہ وہ مجھے میرے مشن میں کامیاب کرے' مجھ میں حوصلہ اور جرأت پیدا کر دے کہ میں ان خبیث اور ضمیر فروشوں کو نیست و نابود کر سکوں۔ میں نے اس سے گڑگڑا کر زاریہ کی زندگی کی دعائیں بھی مانگیں' میں بہت دیر تک سجدے میں گرا روتا رہا۔ میں نے ماں' ماسی میراں اور سوہنی کی خیریت کی بھی دعا مانگی تھی' پھر میں نے جاء نماز تہہ کر کے الماری کے اوپر رکھ دی اور خود دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ باہر آسمان پر ملگجا سا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ آسمان کا مشرقی کنارہ اجلا ہو گیا تھا مگر باقی آسمان پر تاریکی کی چادر سی پڑی تھی۔ میں بہت دیر کھڑا اس اجالے کو دیکھتا رہا جو دھیرے دھیرے چھاتا جا رہا تھا۔ آسمان پر چمکنے والے ستارے دھیمے دھیمے اپنی روشنی سے محروم ہوتے جا رہے تھے۔

"اقبال۔ خدا بڑا کریم ہے' اسی طرح اندھیرے میں اجالا پھیلاتا اور اجالے کو اندھیروں میں تبدیل کر دیتا ہے' قدرت رکھنے والی یہ عظیم ہستی ظلم اور ظالم کے خلاف بھی اسی طرح عمل کرتی ہے۔ وہ ایک نہ ایک روز ظلم کو ختم کر دیتی ہے' ظالم کو فنا کر دیتی ہے۔ اس عظیم ہستی سے مدد مانگے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ تیری مدد نہ کرے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ تو اجالے کی طرح دنیا میں پھیلتا چلا جائے اور ظلم کے جاہ و جلال کو فنا کر دے۔"

میرے اندر سے سرگوشی ابھری۔ پھر جانے کیا ہوا کہ پھیلتے ہوئے اجالے کے ساتھ ساتھ میری کیفیت بھی بدلتی چلی گئی۔ میں نے خود کو زیادہ مضبوط اور بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ مجھے لگا جیسے دھیرے دھیرے پھیلنے والا یہ اُجالا مجھ میں اتر گیا ہو۔ میرے دل و دماغ پر چھائی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوئی تاریکی اور میرے بدن میں پھیلی ہوئی مایوسی ختم ہو گئی ہو۔ میں کمرے میں لوٹ آیا۔ میں نے نہا کر کپڑے بدلے اور کوٹھی کے سامنے والے حصے میں چلا آیا۔ میرا خیال تھا کہ گھر کے سب افراد ابھی سو رہے ہوں گے مگر لان میں فاریہ کو گم صم بیٹھے دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکائے خلا میں گھور رہی تھی۔ اس نے کپڑے بھی نہیں بدلے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ سرے سے بستر پر لیٹی ہی نہیں۔

میں دبے قدموں اس کی جانب بڑھا۔ وہ مجھ سے بے خبر' ویسے ہی بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ مجھے اس کی حالت پر بہت افسوس ہوا مگر یہ ہونا ہی چاہئے تھا۔ میرا تو زاریہ سے کوئی خونی رشتہ بھی نہ تھا مگر میں ساری رات جاگتا رہا پھر وہ تو زاریہ کی سگی بہن تھی۔ اس کی زندگی کا تو لمحہ لمحہ اس کی رفاقت میں گزرا تھا' بھلا وہ کیسے سو پاتی؟

میں نے کھنکار کر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ وہ اچھل پڑی۔

"سوری میڈم۔" میں خجل سا ہو گیا۔

"اوہ تم .... آؤ بیٹھو۔" وہ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

میں اس کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"تم بھی نہیں سو پائے؟"

"جی میڈم' بس نیند نہیں آئی۔"

"نیند نے شاید اس کوٹھی میں قدم رکھنا ہی چھوڑ دیا ہے اقبال .... مجھے یاد نہیں کہ زاریہ کے یہاں آنے کے بعد میں کب سوئی تھی۔"

"نیچرل سی بات ہے میڈم .... مگر .... آپ کو سنبھلنا ہو گا۔"

"ہاں مجھے احساس ہے کہ اس طرح میں مزید کمزور ہو جاؤں گی۔ مجھے سنبھلنا چاہئے۔" وہ خاموش ہو کر نچلے ہونٹ کو دانتوں سے کاٹنے لگی۔

"آپ نے چائے پی؟"

"ہوں .... نہیں .... منگواؤ۔"

میں اٹھ کر یعقوب کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ یعقوب دوسرے کاموں کے علاوہ باورچی کا کام بھی کرتا تھا۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ شاید وہ سو رہا تھا میں نے آگے بڑھ کر اس کے دروازے پر دستک دینا چاہی اسی لمحے اندر سے ابھرتی سرگوشی سنائی دی۔ میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ٹھٹک کر رک گیا۔ میں نے اپنا کان دروازے سے لگا دیا۔

"یہ اسے دے دینا .... یہ بہت ضروری ہے یعقوب .... کسی بھی طرح ...." عجیب سی آواز تھی۔ اندازہ نہ ہوا کہ بولنے والی عورت ہے یا مرد۔ میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ میں نے مزید کچھ سننے کی کوشش کی۔ اندر سے یعقوب کی آواز آئی تھی مگر جملہ سمجھ میں نہ آیا۔ پھر کوئی آہٹ ہوئی جیسے کوئی دروازے کی طرف آ رہا ہو۔ میں لپک کر دیوار کے پیچھے ہو گیا۔

"کل مجھ سے فون پر بات کرنا۔" آواز کسی عورت کی تھی۔

"ٹھیک ہے مگر .... تم اس طرف سے نہ جاؤ۔ اس طرف خطرہ ہے۔ پچھلے دروازے سے نکل جانا۔" یعقوب کی آواز میں اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اس کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

میں نے آہستہ سے سر آگے بڑھا کر جھانکنے کی کوشش کی مگر فوراً ہی پیچھے ہو گیا۔ میں اس وقت کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں وہیں دبکا کھڑا رہا غالباً وہ عورت چلی گئی۔ یعقوب نے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔ اسے شاید توقع نہیں ہو گی کہ ہم اس وقت جاگ رہے ہوں گے۔ اس کے کمرے میں جاتے ہی میں کوٹھی کے بیرونی گیٹ کی طرف لپکا۔ لان میں بیٹھی فاریہ مجھے حیرت سے باہر کی جانب جاتے دیکھ رہی تھی مگر میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں اسے ساری سچویشن سے آگاہ کرتا۔ میں کسی بھی طرح کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف جانا چاہتا تھا کہ اس عورت کی صورت دیکھ سکوں۔ میں تیز قدموں سے گیٹ کی طرف جا رہا تھا چوکیدار نے شاید مجھے اس جانب آتے دیکھ لیا تھا۔ میں نے اسے دور ہی سے گیٹ کھولنے کا اشارہ کیا۔ گیٹ پر تالا پڑا تھا چوکیدار نے پھرتی سے تالا کھول دیا۔

فاریہ مجھے باہر جاتا دیکھ کر کھڑی ہو گئی مگر میں نہیں رکا۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہی میں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ میں برابر کی پتلی گلی سے ہوتا ہوا کوٹھی کی پچھلی جانب پہنچ گیا مگر پچھلی سڑک سنسان تھی۔ دور دور تک کوئی نہ تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ اتنی جلد کوئی وہاں سے غائب ہو سکتا ہے۔ کوٹھی سے نکلنے والے کو مین روڈ تک پہنچنے میں کم از کم تین چار منٹ تو لگتے ہی جبکہ میں اس سے بھی کم وقت میں وہاں پہنچ گیا تھا۔

ممکن ہے وہ ابھی کوٹھی ہی میں ہو۔ یہ خیال آتے ہی میں گلی میں کوٹھی کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ میں وہیں اس کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔ میرا مقصد صرف اس عورت کی صورت دیکھنا تھا۔ کوٹھی سے چند قدم آگے ایک کار کھڑی تھی مگر اس کی حالت ایسی تھی جیسے کئی برسوں سے وہیں کھڑی ہو۔ دھول میں اٹی ہوئی۔ میں نے سوچا کہ میں اس کار تک پہنچ کر اس کی آڑ لے لوں تاکہ دروازے سے نکلنے والے کو صاف طور پر دیکھ سکوں مگر جانے کیوں میں نے ایسا نہ کیا اور وہیں دم سادھے کھڑا رہا۔

مجھے وہاں کھڑے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ اچانک گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ میں چونک کر آگے بڑھا۔ مجھ سے چُوک ہو گئی تھی۔ وہی مردہ گاڑی تیز رفتاری سے آگے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اسے کوئی عورت ڈرائیو کر رہی تھی۔ میں نے جھلا کر گھونسا دیوار پر مارا اور دور جاتی گاڑی کو دیکھنے لگا۔

مجھے تو گمان بھی نہ تھا کہ آنے والی اس قدر چالاک ہو گی جو ایسی گاڑی میں آئے گی جسے دیکھ کر کسی کو احساس بھی نہ ہو گا کہ یہ گاڑی چل بھی سکتی ہے۔ اسے دیکھ کر تو میں یہ سمجھا تھا کہ وہ کسی کی ناکارہ کار ہے جو جانے کب سے یہاں کھڑی ہے۔

میں نہیں جانتا تھا کہ وہ عورت کون تھی اور یعقوب سے اس کا کیا تعلق تھا مگر اس واقعے سے ایک بات واضح ہو گئی تھی کہ یہاں، کوٹھی کے اندر بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو عمارت کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ مجھے اس عورت کا جملہ یاد تھا۔ اس نے یعقوب کو کوئی چیز دی تھی جو یعقوب کو کسی تک پہنچانا تھی۔ وہ کیا چیز تھی .... وہ عورت کون تھی۔ وہ چیز کس کے لئے تھی؟ یہ وہ سوالات تھے جو کسی تیز رفتار چکّی کی طرح میرے ذہن میں گھوم رہے تھے۔

میں تھکے تھکے قدموں سے واپس لوٹ آیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے یعقوب پر گہری نگاہ رکھنا ہے۔ میں گیٹ کے پاس پہنچا تو فاریہ کو حیران وہاں کھڑے پایا۔

"اقبال .... کیا ہوا؟ کہاں گئے تھے؟" اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

"آیئے میڈم .... بیٹھ کر بات کریں گے۔" میں نے لان کی طرف اشارہ کیا۔ وہ الجھی الجھی سی لان کی طرف چل دی۔

ہم وہاں بیٹھ گئے۔ میں سوچنے لگا کہ فاریہ کو یہ سب بتانا چاہئے یا نہیں، وہ اس وقت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ویسے ہی بہت پریشان تھی۔ یہ واقعہ اس کی پریشانی میں اضافہ کر دیتا۔ میرے لئے یہ بھی پریشانی کی بات تھی کہ اگر یہ سب اسے نہ بتاؤں تو اپنے یوں باہر جانے کی کیا وجہ بتاؤں۔

"اقبال .... تم بولتے کیوں نہیں .... تم تو چائے کے لئے گئے تھے ناپھر .... اس طرح بھاگ کر باہر جانا .... کیا بات ہے' بتاتے کیوں نہیں؟"

"میڈم سوری .... میری ایک بے وقوفی کی وجہ سے آپ کو پریشانی ہوئی۔ بات تو کچھ خاص نہ تھی۔ میں جب یعقوب کے کمرے کی طرف گیا تو جانے کیوں مجھے ایسا لگا جیسے کوئی کہیں کودا ہو۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اس دیوار کی طرف دیکھا جو پچھلی گلی اور کوٹھی کے درمیان تھی۔ نہ معلوم کیوں میں .... باہر چلا گیا۔ بس ایسا لگا تھا جیسے کوئی اسی دیوار سے پچھلی جانب کودا ہو مگر گلی میں کچھ بھی نہ تھا۔ سنسان تھی پوری گلی۔ شاید میرا وہم تھا۔ ان حالات نے شاید مجھے بہت کنفیوز کردیا ہے۔ آئی ایم رئیلی سوری میڈم۔"

"وہ بے یقینی سے مجھے دیکھ رہی تھی شاید میرے لہجے کے کھوکھلے پن نے اسے مشکوک کر دیا تھا۔"

"اقبال .... کیا تم سچ بول رہے ہو؟"

"جی میڈم .... میں .... سچ بول رہا ہوں۔ آپ سے جھوٹ بولنے کا جواز بھی نہیں۔" میں نے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے جواب دیا' ایسا کرنے کے لئے مجھے خاصی محنت کرنا پڑی۔

وہ کچھ دیر مجھے خالی خالی نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر لمبی سانس لے کر اس نے سر کو پھر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔

"زندگی' کائنات اور اس میں ہونے والی ہر حرکت کتنی بے یقینی ہوتی ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔

"تم نے چائے کے لئے نہیں کہا؟"

"اوہ سوری .... اس چکر میں بھول ہی گیا۔ میں کہتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں یعقوب کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

میں نے یعقوب کا دروازہ کھٹکھٹایا جو فوراً ہی کھل گیا۔ یعقوب اتنی سویرے مجھے دیکھ

کر حیران ہو گیا۔ وہ تو سوا آٹھ بجے مجھے خود آ کر اٹھایا کرتا تھا۔

"سر آپ؟" وہ گھبرایا ہوا سا لگا۔

"یعقوب مس فاریہ لان میں ہیں۔ میری اور ان کی چائے وہیں لے آؤ۔" میں نے نارمل انداز میں کہا۔

"بی بی اٹھ گئیں؟" اس نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں ابھی ابھی اٹھی ہیں۔ میں انہیں لان میں جاتے دیکھ کر اس طرف آ گیا۔"

"جی .... جی بہتر .... آپ چلیں میں ابھی لایا۔" اس نے بوکھلائے انداز میں جواب دیا اور پلٹ گیا۔ اس کے پلٹتے ہی میری نگاہ اس کے پلنگ پر پڑی جو سامنے ہی بچھا ہوا تھا۔ اس کے تکیے کے قریب ایک چھوٹا سا لفافہ رکھا تھا۔ لفافہ کچھ ابھرا ہوا تھا۔ میرا دل دھڑک اٹھا۔ شاید یہی لفافہ اسے دیا گیا ہو۔ یہ خیال آتے ہی میرے جبڑے بھنچ گئے۔

اسی وقت یعقوب پلٹ پڑا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی میں بول اٹھا۔ "جلدی کرو .... بی بی بہت بہت تھکی ہوئی ہیں۔"

"جی سر بس ایک منٹ لایا۔"

میں اس کا جواب سن کر وہاں سے چل پڑا۔ میرے ذہن میں آندھی سی چل رہی تھی۔ وہ کیا چیز ہے .... وہ کیا چیز ہے اور کسے دینا ہے؟ بس یہ ایک جملہ میرے ذہن میں ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا "اقبال ...." فاریہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"جی میڈم .... میں نے چائے کے لئے کہہ دیا ہے۔" میں نے فوراً خود کو سنبھال لیا۔

وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ میں سامنے کرسی پر بیٹھ گیا اور ٹیبل پر رکھا اخبار اٹھا کر پڑھنے لگا حالانکہ میں ایک سطر بھی نہیں پڑھ پایا مگر نگاہیں اخبار کے صفحے پر گاڑے بیٹھا رہا۔ میں فاریہ سے جھوٹ بول کر خود کو بہت گھٹیا محسوس کر رہا تھا مگر اس کے سوا چارہ بھی کوئی نہیں تھا۔

ہمارے درمیان خاموشی طاری رہی۔ کچھ دیر بعد ہی یعقوب چائے کی ٹرے لئے چلا آیا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ چور نگاہوں سے فاریہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے وجود میں ایک اضطراب سا محسوس ہوا مجھے۔ فاریہ اس سے لاتعلق بیٹھی درخت پر چہچہاتی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔

یعقوب نے پیالیوں میں چائے بنائی اور ہمارے سامنے رکھ دی۔ میں چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ میری نگاہیں اب بھی یعقوب کا تعاقب کر رہی تھیں جو اب چائے کے برتن لئے کوٹھی کے اندرونی حصے کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے جلدی سے چائے ختم کی اور فاریہ سے اجازت مانگی۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اس نے کھوئے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"میں .... زاریہ کو دیکھنا چاہتا ہوں میڈم .... نہ معلوم وہ کیسی ہوگی؟"

"وہ سو رہی ہوگی اقبال .... اسے مارفیا کا انجکشن لگایا تھا ڈاکٹر نے .... یہی بے ہوشی اس کی زندگی کی ضمانت بن گئی ہے۔"

"میں جانتا ہوں میڈم مگر ایک نظر دیکھ لوں گا تو ...."

"ٹھیک ہے جاؤ۔" اس نے گہرا سانس لے کر مجھے اجازت دے دی۔

میں تیز قدموں سے کوٹھی کے اس حصے کی طرف چل پڑا جس طرف زاریہ کا کمرا تھا۔ ابھی میں چند قدم پیچھے تھا کہ دروازہ کھلا اور وہ بوڑھی عورت باہر آ گئی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"جی کلی کر لوں ...."

"یعقوب کہاں ہے؟"

"وہ اندر چائے لے کر گیا ہے۔"

میں تیزی سے آگے بڑھا اور میں نے اچانک دروازہ کھول دیا۔

وہ بیڈ پر جھکا زاریہ کو اٹھنے میں مدد دے رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ زاریہ کے سرہانے تکیہ اونچا کر کے اسے بٹھایا اور چائے کپ میں انڈیلنے لگا۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے قریب بیٹھ گیا۔ میں بڑی گہری نگاہوں سے یعقوب کا جائزہ لے رہا تھا۔ زاریہ نڈھال سی آنکھیں بند کئے لیٹی تھی۔

اسی اثناء میں وہ بوڑھی عورت بھی آ گئی جو زاریہ کی خدمت پر معمور تھی۔ یعقوب گھبرایا ہوا سا تھا یا مجھے گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔ اس نے اس بوڑھی عورت کو بھی چائے دی۔

"حمیدہ بی بی .... دوا دی ہے آپ نے؟" میں نے پوچھا

"صاحب جی رات کی خوراک تو دے دی تھی۔ اب ناشتا کر لیں گی تو دوں گی۔"

"کہاں ہے دوا؟"

"دراز میں!" اس نے بیڈ کی دراز کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے دراز کھولی۔ اس میں کچھ دواؤں کی شیشیاں رکھی تھیں۔ زیادہ تر ٹیبلٹ تھیں ان دواؤں میں کوئی لفافہ نہیں تھا۔ ویسا ہی لفافہ جیسا میں نے یعقوب کے پلنگ پر رکھا دیکھا تھا اور جس پر مجھے شبہہ تھا کہ یہ لفافہ اسی عورت نے دیا ہے۔ میں ہر چیز کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ یعقوب خواہ مخواہ کھڑا ہوا ہے۔ میں نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ وہ میری ہی طرف متوجہ تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم اب کیوں کھڑے ہو؟"

"جج ...... جی کچھ نہیں..... میں ..... جا رہا ہوں۔"

"بی بی کے لیے ناشتا لاؤ۔ میں اپنے سامنے انھیں ناشتا کراؤں گا۔"

وہ تیزی سے ٹرے لیے ہوئے باہر چلا گیا۔ مجھے نہ معلوم کیوں گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ ایک عجیب سا احساس تھا جو مجھے اندر سے دبوچے ہوئے تھا۔ کچھ ہو رہا ہے یا کچھ ہونے والا ہے اس احساس نے مجھے گھبراہٹ میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ یعقوب کے جانے کے بعد میں زاریہ کی طرف متوجہ ہوا جو مجھے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی حالت ابھی تک سنبھلی نہیں تھی۔ چہرے سے نقاہت کا احساس ہو رہا تھا۔ آنکھیں ویران ویران سی لگ رہی تھیں۔

"زاریہ بی بی، تمھارا کوئی بھائی نہیں تھا نا........ مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ میری بھی ایک چھوٹی بہن تھی، بالکل تمھاری طرح مگر..... میں..... میں اسے کھو چکا ہوں لیکن یہ میرا خود سے وعدہ ہے کہ میں تمہیں نہیں کھوؤں گا۔ تمہیں بچا لوں گا۔"

"آپ کا نام........ نام کیا ہے؟"

"اقبال، تم مجھے بھیا کہہ سکتی ہو۔"

"شکریہ بھیا..... مگر مجھے اب زندگی کی خواہش نہیں ہے۔ آپ بتایئے میری یہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے...... میری وجہ سے سب پریشان ہیں۔ میں خود بھی اپنے آپ سے تنگ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آچکی ہوں۔ میں زندگی کے اس موڑ پر ہوں جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔ یہ سچ ہے کہ میں مرجانا چاہتی ہوں۔ بھیا' میں زندہ رہنا چاہتی تھی میں نے بھی عام لڑکیوں کی طرح حسین خواب دیکھے تھے' میں بھی ان خوابوں کی تعبیرپانے کے لیے سرگرداں تھی مگر...... میرے خوابوں کی تعبیر کتنی بھیانک نکلی کہ ...... کہ ہم سب تباہ ہو گئے۔ میں جانتی ہوں کہ میری موت بجو کے لیے بڑی تباہی بن جائے گی۔ بجو جس نے اب تک نہ کسی سے پیار پایا ہے اور نہ کسی سے سکھ - وہ...... وہ تو جیتے جی مرجائیں گی۔"

میں حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ خاموش ہوئی تو میں نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا اٹھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ رنجیدہ ہو۔

"تمھارا وہم ہے زاریہ کہ تم مرجاؤ گی۔ تم زندہ رہو گی' بلکہ بھرپور زندگی گزارو گی۔ تمہاری بجو تمہیں خوش و خرم دیکھ کر خود بھی خوش رہیں گی۔ زاریہ' تم بھی حسین خواب دیکھ سکتی ہو' ان حسین خوابوں کی تعبیر کی تلاش میں کروں گا بیٹا' میں اور تمہاری بجو تمہیں بھرپور زندگی کی طرف لے جائیں گے۔ تم ایسی باتیں سوچنا چھوڑ دو اور میری بات غور سے سنو۔ انسان اپنی عادات بدلنے پر قادر ہے۔ وہ چاہے تو کسی بھی وقت کوئی بھی عادت اپنا سکتا ہے اور کسی بھی لمحے اس سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔ ذرا سی وِل پاور کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی جسم کسی بھی چیز کا اس قدر عادی ہو سکتا ہے کہ اس کے نہ ملنے سے تکلیف محسوس کرے مگر انسانی جسم طابع ہے ذہن کے۔ اگر تم اپنے ذہن کو قابو میں رکھو تو جسم تمہیں دو چار دن تکلیف تو دے گا مگر بہت جلد وہ تمہاری مرضی کے مطابق کام کرنے لگے گا۔ میری اس تقریر کا مقصد صرف یہ ہے کہ ذرا سا خود کو سنبھال کر تم زندگی کو جیت سکتی ہو۔ یہ سوچ لو کہ زندگی خوب صورت ہے' یہ صرف ایک بار ملتی ہے' اور تمہیں زندہ رہنے کا پورا پورا حق ہے' تم یقین کرو تم جیت جاؤ گی۔" میں دھیمے لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا اور وہ بے یقینی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے بی بی!" حمیدہ بی بی کی آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔

اس نے لمبا سانس لے کر چائے کی پیالی اٹھا لی۔ اس کے ہاتھوں میں ہلکی سے لرزش تھی۔

"زاریہ ...... مجھ سے ایک وعدہ کرو۔"

اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا مگر خاموش رہی۔

"تم ...... تم اب نشہ نہیں کرو گی۔"

"کہاں سے کروں گی نشہ ......؟" اس نے دکھ سے کہا۔ اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

"میں نہیں جانتا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم ...... تمہیں اگر کوئی کہے بھی تو ...... دے بھی تو نہیں کرو گی۔ مجھ سے وعدہ کرو زاریہ' تمہیں ...... تمہیں بجو کی قسم زاریہ۔ کیا تم انہیں ایک چھوٹی سے خوشی نہیں دے سکتیں؟ تم جانتی ہو کہ وہ کتنی پریشان ہیں۔ وہ عورت ہو کر مردوں کی سی برداشت کا مظاہر کرتی ہیں۔ وہ لحہ لحہ تمہارے بارے میں سوچ کر پریشان رہتی ہیں۔ کیا تم ...... ان کی خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتیں۔ اس بجو کی خاطر جو تمہیں ماں سے زیادہ پیار دیتی ہے۔ باپ سے زیادہ شفیق ہے۔"

"بس کریں ...... بس کریں پلیز ...... پلیز......" وہ ایک دم چیخ پڑی۔

"چھوڑ دو اقبال۔" اچانک فاریہ کی آواز آئی۔ میں نے اور زاریہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ بند دروازے سے لگی کھڑی تھی۔ ہم باتوں میں اتنے مگن تھے کہ ہمیں اس کی آمد کا احساس بھی نہ ہوا۔

"جو کچھ میری قسمت میں ہے اقبال اسے نہ تم بدل سکتے ہو اور ...... نہ زاریہ۔ میں اسی پر شاکر ہوں اور شاکر رہوں گی۔ زندگی کی خوب صورتی کے بارے میں زاریہ خوب جانتی ہے' سمجھ دار ہے' پڑھی لکھی ہے پھر بھی اس نے خود کو اس لعنت میں مبتلا کر لیا۔ کیا یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ ایسا کر کے موت کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ رہی ہے۔ وہ تو یہ بھی جانتی ہے کہ اس راستے پر زیادہ سیڑھیاں نہیں ہیں مگر...... مگر پھر بھی ...... پھر بھی ......"

"بجو ...... بجو پلیز ...... مجھے معاف کر دو۔ مجھے مرجانے دو بجو تاکہ تم اس اذیت سے نجات پا لو اور میں بھی ...... بجو پلیز۔" زاریہ نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

ماحول ایک دم بہت بوجھل ہو گیا تھا۔ فاریہ بیڈ پر آ بیٹھی۔ وہ زاریہ کو اپنی بانہوں میں بھر کر اسے پیار کرنے لگی۔ "میں تجھے کیسے مرنے دوں پگلی؟" اسی وقت یعقوب ناشتا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لے آیا۔ فاریہ نے اپنا اور میرا ناشتا بھی وہیں منگوا لیا تھا ہم سب نے وہیں ناشتا کیا۔ ماحول گھٹا گھٹا سا تھا۔ میں مسلسل اس لفافے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کس کے لئے ہے۔ میری عقل میں جو بات آئی تھی وہ یہی تھی کہ وہ لفافہ شاید زاریہ کے لئے تھا مگر اسے ثابت کرنا میرے لئے انتہائی مشکل تھا۔ میں فاریہ کو اس بات سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ناشتا کر کے ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ فاریہ کو فیکٹری جانا تھا۔ بیگ صاحب کو کل رات سے بلڈ پریشر کی شکایت تھی۔ زاریہ خطرے میں تھی۔ یعقوب جو یہاں کے لوگوں کے نزدیک ان کا اپنا آدمی تھا اور جس پر سب ہی پوری طرح اعتماد کرتے تھے وہ میری نگاہوں میں مشکوک ہو چکا تھا۔ مجھے ان حالات میں یوں لگ رہا تھا جیسے میں کسی گھنے جنگل میں تنہا ہوں اور میرے چاروں طرف دشمن گھات لگائے بیٹھا ہو۔

"اقبال تم میرے ساتھ فیکٹری چلو۔ آج سامان کی شپنگ کرانا ہے۔ میں خود میں اتنی ہمت نہیں پاتی کہ تنہا یہ سب کروں۔" فاریہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں یہاں سے ایک پل کے لئے بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ میں اتنے نازک حالات میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔

"میڈم .... بیگ صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ادھر زاریہ اکیلی ہے۔ ہم دونوں کا چلا جانا مناسب نہیں۔ آپ یہاں زاریہ کے پاس رہیں تو میں چلا جاتا ہوں۔"

"زاریہ اکیلی تو نہیں اقبال، حمیدہ اور یعقوب اس کا خیال رکھنے کے لئے موجود ہیں۔ تم تنہا یہ سب نہیں کر سکو گے۔ کون سے سامان کی شپنگ کرانا ہے یہ تو میں خود کر پاؤں گی۔ مجھے ریکارڈ دیکھنا ہو گا۔ کتنا مال کس ملک میں اور کس کمپنی کو بھیجنا ہے یہ علم یا تو مسٹر علوی کو ہے یا مجھے۔ مسٹر علوی اپنی بیوی کے علاج کے لئے لندن گئے ہیں ہوئے ہیں۔ ان کی غیر موجودگی سے مجھ پر بڑا بوجھ آ پڑا ہے ورنہ میں کسی حد تک اس مصیبت سے آزاد تھی۔"

"میڈم اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں یہاں رک جاتا ہوں، آپ وہاں اپنی مدد کے لئے کسی اور کو کہہ دیجئے گا۔" میرے لہجے کی بے پناہ بے چینی شاید فاریہ نے محسوس کر لی تھی۔ اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"اقبال .... کوئی خاص بات ہے؟"

"جج .... جی نہیں میڈم .... کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔"

"مگر اقبال تم ...." وہ اپنا جملہ مکمل نہیں کر پائی تھی کہ اچانک کال بیل کی مدھم آواز سنائی دی۔ میں اور فاریہ فوراً برآمدے کی طرف بڑھ گئے ہم نے دیکھا کہ چوکیدار گیٹ کھول رہا ہے۔ گیٹ کھولتے ہی ڈاکٹر طارق کی گاڑی اندر آ گئی۔ میں اور فاریہ پورچ کی طرف بڑھ گئے۔

"زاریہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" ڈاکٹر طارق نے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بہتر ہے ڈاکٹر مگر یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟" فاریہ نے پوچھا اور ہم لان کی طرف بڑھ گئے جہاں سایہ دار درخت کے نیچے کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

"مس فاریہ، یہ انتہائی نازک معاملہ ہوتا ہے۔ اس میں علاج کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ مریض دوبارہ نشے کی طرف رجوع نہ کرے۔ اسے جو بے اندازہ تکلیف ہوتی ہے وہ دواؤں سے نہیں بلکہ نشے سے فوراً ختم ہو جاتی ہے۔ مریض یہ بات جانتا ہے اگر اس میں قوت برداشت کی کمی ہو تو وہ فوراً نشے کی طرف رجوع کرتا ہے مگر یہاں میرے خیال میں زاریہ کو ایسا کوئی خطرہ نہیں کہ وہ دوبارہ نشہ کرنے کی کوشش کرے۔ میرا خیال ہے کہ یہ تکلیف اب کچھ ہی روز کی ہے پھر انشاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ ڈونٹ وری مس فاریہ، میں زاریہ کی طرف سے پُرامید ہوں۔ میں رات کو کی گئی بات پر شرمندہ تھا اسی لیے آج صبح یہاں پہنچ گیا۔ دراصل میں بھی تو انسان ہوں اس کی بے تحاشہ تکلیف اور اس کی حالت نے مجھے مایوس کر دیا تھا میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں ڈاکٹر، بس آپ زاریہ کا علاج جاری رکھیں۔ اس کی حالت اب بھی کچھ بہتر نہیں ہے۔" فاریہ نے جواب دیا۔

"میرا علاج جاری رہے گا مس فاریہ۔ میں زاریہ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر کی بات سن کر میں کھڑا ہو گیا۔ "آیئے میں آپ کو لے چلتا ہوں۔ مس فاریہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بہت تھکی ہوئی ہیں۔" پھر میں فاریہ سے مخاطب ہوا۔ "میڈم میرا خیال ہے کہ اب آپ کچھ دیر آرام کر لیں' آرام آپ کے لیے بے حد ضروری ہے۔ آپ کو فیکٹری بھی جانا ہے۔"

"ہاں اقبال..... تم ساتھ چلو گے۔" اس کا انداز تحکمانہ تھا۔ میں سر جھکائے کھڑا رہا۔

"چلئے مسٹر اقبال۔"

میں ڈاکٹر کو لیے زاریہ کے کمرے میں آگیا۔ زاریہ نے ہمیں دیکھ کر منہ بنایا اور کروٹ لے لی۔

"بی بی کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں۔ میں دوائیں کھانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ آپ مجھے انجکشن لگا دیں۔" زاریہ نے ہماری جانب دیکھے بنا جواب دیا۔

ڈاکٹر انجکشن تیار کرنے لگا۔ میں نے حمیدہ بی بی کو باہر آنے کا اشارہ کیا اور خود دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ حمیدہ کے باہر آنے سے پہلے ہی میں نے چاروں طرف گھوم کر یہ اطمینان کر لیا تھا کہ آس پاس کوئی موجود نہیں ہے جو ہماری گفتگو سن سکے۔ حمیدہ چند لمحوں بعد باہر آئی تو اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"حمیدہ' تمھاری کوئی بیٹی ہے؟"

"جی؟..........." اس نے حیرت سے پوچھا۔

"میری بات کا جواب دو۔"

"جی صاحب ایک بیٹی ہے۔ ماشاء اللہ دو بچے ہیں اس کے کراچی میں رہتی ہے۔"

"ہوں..... حمیدہ تم زاریہ کی زندگی چاہتی ہو یا موت؟"

"جی.....!" وہ اچھل پڑی۔ اس کی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا۔ "کک..... کیا بات ہے صاحب؟ آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ میں بھی بچوں والی ہوں۔ خدا نہ کرے زاریہ بی بی کو کچھ ہو۔"

"ہوں..... تو پھر میری باتیں غور سے سنو۔ زاریہ کو پھر وہی زہر دینے کی کوشش کی جائے گی' اس لیے تم ایک لمحے کے لیے بھی اس کو تنہا نہ چھوڑنا۔ سب پر گہری نگاہ رکھنا۔

سب پر..... خواہ وہ گھر ہی کا کوئی آدمی کیوں نہ ہو۔ تم سمجھ رہی ہو نا؟"

"جج..... جی صاحب..... آپ کا مطلب یہی ہے نا کہ بی بی کو کوئی ہیروئن دے گا۔ مگر کون صاب..... یہاں تو باہر کا کوئی بھی آدمی نہیں آسکتا۔"

"میں نے ابھی کہا ہے نا کہ......... وہ گھر کا آدمی بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی...... کوئی ملازم یا کوئی مہمان....... کوئی بھی۔ تم ایک لمحے کے لیے زاریہ کو تنہا نہیں چھوڑو گی۔ باتھ روم وہی استعمال کرو گی جو زاریہ کے کمرے میں ہے۔ باتھ روم جانے سے پہلے باہر کا دروازہ لاک کرو گی۔ باتھ روم کے دروازے کو لاک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سمجھ رہی ہو؟"

"جی صاب..... ایسا ہی ہو گا۔"

"اگر ایسا نہیں ہوا..... تو پھر اچھا نہیں ہو گا۔ میں اور مس فاریہ فیکٹری جائیں گے' جب تک واپس نہ آجائیں تم ایک پل کے لیے یہاں سے نہیں ہلو گی۔"

"جی صاب۔" اس نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

اسے یہ ہدایت دیتے ہی میں کمرے میں چلا آیا۔ ڈاکٹر انجکشن دے چکا تھا اور اپنا بکس بند کر رہا تھا۔ وہ زاریہ سے باتیں بھی کر رہا تھا مگر زاریہ پر غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ چند لمحوں میں وہ بے خبر ہو گئی۔

"مسٹر اقبال اب یہ چار گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئیں گی۔ شام کو انھیں ٹیبلٹس دے دیجئے گا۔ ان کی غذا کا خاص خیال رکھیں۔ انھیں کمزوری بہت ہے۔ میں رات کو چکر لگا لوں گا' ویسے اگر کوئی خاص بات ہو تو آپ میرے کلینک فون کر سکتے ہیں۔ میں کلینک سے رات دس بجے اٹھتا ہوں۔"

"آپ کا فون نمبر؟"

"مس فاریہ کے پاس ہے میرا نمبر۔"

آپ مجھے بھی اپنا کارڈ دے دیں۔"

"ہاں ضرور۔" ڈاکٹر نے اپنا وزیٹنگ کارڈ میری طرف بڑھا دیا جسے میں نے فوراً اپنی جیب میں رکھ لیا۔ وہاں سے باہر آتے ہوئے بھی میں نے ایک مرتبہ پھر حمیدہ کو زاریہ کا خیال رکھنے کی ہدایت کی اور ڈاکٹر کو لے کر لان میں چلا آیا۔ فاریہ اپنے کمرے میں جا چکی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھی۔

ڈاکٹر کے رخصت ہوتے ہی میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔ تھکن سے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ میں نے شاور لیا اور کپڑے بدل کر بستر پر لیٹ گیا۔ میں جانتا تھا کہ فاریہ کسی بھی لمحے مجھے بلوا سکتی ہے۔ کبھی کبھی تو مجھے اس پر حیرت ہوتی تھی کہ وہ عورت ہونے کے باوجود چوبیس گھنٹے بغیر آرام کیے کام کیسے کرتی ہے۔ اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ آرام کرنے کی بجائے فیکٹری جانے کے لیے تیار ہو رہی ہو۔ اور ہوا بھی وہی۔ آدھے گھنٹے بعد ہی میرا بلاوا آگیا۔ میں تیار تو تھا ہی۔ اس کے بلانے پر فوراً ہی باہر آگیا۔

وہ بالکل فریش اور تیار کھڑی تھی۔ گاڑی کا دروازہ کھولا اور اس کے بیٹھ جانے کے بعد خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

تمام راستے خاموشی طاری رہی۔ میرا ذہن موجودہ حالات کی سنگینی کے بارے میں سوچ رہا تھا اور فاریہ جانے کن خیالوں میں گم تھی۔ اس خاموشی میں تمام راستہ کٹ گیا۔ فیکٹری پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ یہاں فاریہ کی موجودگی کتنی ضروری تھی۔ کئی آرڈرز تھے جن کی شپنگ ضروری تھی ورنہ لاکھوں کا نقصان ہو جاتا۔ میں اور فاریہ وہاں اس قدر مصروف رہے کہ وقت کا بالکل احساس نہ ہوا۔ ہمیں ہمارے کام سے فراغت تقریباً رات ساڑھے نو بجے ملی۔ فاریہ کا تھکن سے برا حال تھا۔ وہ تمام رات اور تمام دن بستر پر لیٹی بھی نہ تھی۔ ہم نے دوپہر کا کھانا بھی ٹھیک طرح نہیں کھایا تھا۔ ساڑھے نو بجے فارغ ہوتے ہی میں اسے لے کر کوٹھی پہنچ گیا۔

ہم گاڑی سے اتر کر ڈرائنگ روم میں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ زاریہ وہاں موجود تھی۔ وہ حمیدہ کے ساتھ بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ کھڑی ہو گئی۔ ”اوہ بجو.....“ وہ فاریہ سے لپٹ گئی۔

”کیسی ہو تم زاری؟“

”اوہ بالکل ٹھیک ہوں بجو..... آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی تھیں۔ دیکھیے، میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ زاریہ واقعی اس وقت بہت بہتر لگ رہی تھی۔

”تم نے کھانا کھایا؟“ فاریہ نے زاریہ سے پوچھا۔

”نہیں میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔“

”ٹھیک ہے حمیدہ.... کھانا لگاؤ۔ ہم سب ساتھ ہی کھانا کھائیں گے۔ انکل کہاں ہیں؟“

”وہ بھی یہیں تھے بجو... ابھی ابھی گئے ہیں۔ وہ آپ کے لیے پریشان تھے۔“

فاریہ نے میری طرف دیکھا۔ میں اس کا مطلب سمجھ کر بیگ صاحب کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وہ اپنے کمرے میں تھے۔ مجھے دیکھتے ہی انھوں نے فاریہ کی خیریت معلوم کی پھر میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں آگئے۔

حمیدہ اور یعقوب نے کھانا لگا دیا۔ کھانے کے دوران زاریہ مسلسل بولے جا رہی تھی۔ وہ اس وقت بہت ایکٹیو لگ رہی تھی مجھے اس کے اس قدر بہتر ہونے پر حیرت ہو رہی تھی۔ فاریہ اسے یوں چہکتے دیکھ کر خوش تھی۔ بیگ صاحب، حمیدہ اور خود زاریہ بھی خوش تھے مگر میں یعقوب کو غور سے دیکھ رہا تھا جو کھانے کی ڈشیں سب کو پیش کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کا اطمینان تھا۔ وہ خوف جسے میں صبح اس کے چہرے پر دیکھ چکا تھا۔ اس کا کہیں نام تک نہ تھا۔ نہ معلوم کیوں مجھے وحشت سی ہونے لگی۔ زاریہ اور فاریہ دونوں کی باتیں مجھے بری لگنے لگیں۔ میرا جی چاہا کہ سب خاموش ہو جائیں۔ ہر طرف سناٹا چھا جائے یعقوب کسی کام سے کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔

میں کچھ سوچنا چاہتا تھا مگر میرے چاروں طرف بے پناہ شور تھا۔ کوئی بات تھی جو مجھے مسلسل چبھ رہی تھی۔ میرے ذہن میں کچوکے لگ رہے تھی۔

”یعقوب .... یعقوب ....“ اچانک زاریہ یعقوب کو آوازیں دینے لگی۔

”کیا بات ہے اقبال ....! تم کھانا نہیں کھا رہے!“ فاریہ نے اچانک مجھے مخاطب کیا۔

”نہیں میڈم .... میں کھا رہا ہوں۔“ میں نے چونک کر جواب دیا اور پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اسی وقت یعقوب اندر داخل ہوا۔ ”جی بی بی .... حکم کیجیے۔“ اس نے سر جھکا کر زاریہ سے کہا۔

”اوہ یعقوب .... تم نے کھانا بہت اچھا بنایا ہے۔“ زاریہ نے والہانہ انداز میں کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"تھینک یو میڈم۔"

"اب .... اچھی سی .... چائے پلانا۔" اس بار زاریہ کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ یوں لگا جیسے اس کی زبان الفاظ کو ٹھیک طرح ادا کرنے میں ناکام ہو رہی ہے۔

میں نے چونک کر فاریہ کو دیکھا پھر بیگ صاحب کو مگر وہ دونوں کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ شاید ان میں سے کسی نے بھی یہ بات محسوس نہیں کی تھی۔

میں اچانک کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہوا؟" فاریہ نے سر اٹھا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں میڈم .... میں کھانا کھا چکا ہوں۔"

"چائے نہیں پیو گے؟"

"ضرور پیوں گا میڈم' میں بس ابھی آیا۔" میں نے نیپکن سے منہ پونچھتے ہوئے کہا اور تیزی سے کمرے سے باہر آ گیا۔

میں فوری طور پر ڈاکٹر کو بلانا چاہتا تھا۔ میں نے اپنی جیب سے اس کا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ ڈاکٹر کے کلینک فون کیا تو وہاں کسی نے ریسیور نہ اٹھایا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کلینک سے نکل چکا ہے۔ کارڈ پر اس کے گھر کا نمبر بھی درج تھا۔ میں نے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو ...." دوسری جانب سے نسوانی آواز سنائی دی۔

"ہیلو' دیکھئے مجھے ڈاکٹر طارق سے بات کرنا ہے۔"

"پلیز ہولڈ کیجئے۔" دوسری جانب سے جواب ملا۔

چند لمحے بعد ڈاکٹر لائن پر آ گیا۔ "ہیلو کون؟"

"ڈاکٹر صاحب میں اقبال بول رہا ہوں۔ بیگ صاحب کے گھر سے۔ آپ سے معلوم کرنا تھا کہ جو دوائیں آپ دے کر گئے تھے کیا وہ اتنی افیکٹیو تھیں کہ زاریہ ہنسنے' بولنے اور کھیلنے لگی۔ وہ حیرت انگیز طور پر نارمل ہے۔"

"وہ دوائیں مسکن ہیں اقبال صاحب۔ اس کے اعصاب کو پُرسکون کر دیتی ہیں۔ اس کو اس تکلیف سے نجات دلا دیتی ہیں جو وہ نشہ نہ ملنے پر محسوس کرتی مگر اس قدر ایکٹیو نہیں کرتیں کہ وہ بالکل نارمل ہو جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کو ہیروئن سے جان

چھڑانا بہت آسان ہو جاتا اقبال صاحب۔"

"پھر ...... وہ حیرت انگیز طور پر ٹھیک کیسے ہو گئی؟"

"ٹھہرئیے۔ اقبال صاحب .... میں .... میں آتا ہوں۔" وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔

"ڈاکٹر کیا آپ بھی وہیں سوچ رہے ہیں جو میرے ذہن میں ہے؟"

"میں آتا ہوں مسٹر اقبال۔" دوسری طرف سے اتنا کہہ کر ریسیور رکھ دیا گیا۔

میں نے جیب سے رومال نکال کر پسینا پونچھا اور دروازے کی طرف پلٹا تو فاریہ کو وہاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا اور وہ آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھے لگا جیسے وہ گر جائے گی۔ میں نے بھاگ کر اسے پکڑ لیا۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے پر بٹھا دیا۔

"میڈم .... پلیز .... خود کو سنبھالیئے۔"

"تم .... تم سمجھتے ہو کہ .... اس نے نشہ کیا ہے؟"

میں نے سر جھکا دیا۔

"مگر .... ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسے .... کون دے گا نشہ؟ میں نے پوچھا تھا۔ صبح سے اب تک کوئی آیا بھی نہیں۔ میں نے تو زاریہ کی سہیلیوں کو فون تک کرنے سے منع کر دیا تھا۔ پھر یہاں ...." وہ عجیب سی ہو رہی تھی' یوں جیسے خواب میں بول رہی ہو۔ اس کی اپنی حالت بھی خراب تھی۔ جس پریشانی سے بچانے کے لئے میں نے اس سے جھوٹ بولا تھا۔ صبح والا واقعہ اس سے چھپایا تھا۔ اب وہ اسی پریشانی میں مبتلا تھی۔ کاش میں صبح ہی اس کو بتا دیتا تو کم از کم زاریہ تک وہ زہر تو نہ پہنچ پاتا۔

"میڈم .... خاموش ہو جائیے۔ یہاں ہمیں ایسی کوئی بات نہیں کرنی ہے جس سے دشمن ہوشیار ہو جائے۔ آپ ڈاکٹر کا انتظار کیجئے میں ابھی آتا ہوں۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا مگر اس وقت آپ کسی پر کچھ ظاہر نہ ہونے دیں۔ پلیز میڈم ورنہ ہم کسی ناقابلِ تلافی نقصان سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ آپ .... آپ سمجھ رہی ہیں نا؟"

وہ کمال کی عورت تھی۔ اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔ "تم کہاں جا رہے ہو؟"

"کہیں نہیں .... میرا خیال ہے ڈرائنگ روم چائے پیتے ہیں۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"نہیں .... چائے یہیں منگوا لو۔"

میں تیزی سے باہر آ گیا۔ یعقوب ڈرائنگ روم میں تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ زاریہ بیگ صاحب سے باتیں کر رہی تھی' حمیدہ اور یعقوب وہیں کھڑے اس کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

میں نے دو کپ چائے بنائی اور دونوں کپ لے کر باہر جانے لگا۔

"اقبال تم کہاں جا رہے ہو' اور فاریہ کہاں ہے۔"

"ہم ڈرائنگ روم میں ہیں سر۔ آج جو سامان باہر بھیجا ہے اس سے متعلق کچھ فائلیں دیکھنا ہیں۔ بس تھوڑی سے دیر لگے گی' پھر ہم سب بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"لایئے سر' چائے میں لے جاؤں۔" یعقوب بڑی مستعدی سے آگے بڑھا۔

"نہیں یعقوب تم زاریہ بی بی سے باتیں کرو۔ چائے میں لے جاؤں گا۔" میں نے مسکرا کر اس سے کہا اور چائے کے کپ لئے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ فاریہ' بت بنی بیٹھی تھی۔ میری آہٹ پر چونک اٹھی۔

"میڈم آپ یہاں بیٹھیں۔ میں گیٹ پر جا رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب آنے والے ہوں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ ہارن بجائیں یا گاڑی اندر لے کر آئیں اور کسی کو ان کی آمد کا پتا چلے۔"

"مگر کیوں .... کس کو .... تمہیں کس سے ڈر ہے۔ تم ڈاکٹر کی آمد کو کس سے چھپانا چاہتے ہو! تم مجھے اصل بات کیوں نہیں بتا رہے ہو اقبال۔ وہ کون ہے .... کیا تم اسے جانتے ہو؟"

"جی میڈم .... اور اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ وہ پہلے سے ہوشیار نہ ہو جائے۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا میڈم' ابھی وقت نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب آتے ہی ہوں گے۔" اتنا کہہ کر میں لپک کر باہر آ گیا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا کہ میں اسے منانے کی کوشش کرتا اور یہ میں نے اچھا ہی کیا۔ میں گیٹ کھول کر باہر آ گیا اسی وقت ڈاکٹر کی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں۔ میں نے آگے بڑھ کر انہیں کوٹھی سے چند قدم دور ہی رک لیا۔ میں ڈاکٹر کو ساری سچویشن سمجھانا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے دیکھ کر گاڑی روک لی۔

"کیا بات ہے مسٹر اقبال۔ آپ نے یہاں گاڑی کیوں روک لی؟" ان کے لہجے میں تشویش تھی۔

"ڈاکٹر میں آپ سے بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہاں .... سڑک پر ....؟"

"جی ہاں .... میں نہیں چاہتا کہ وہ شخص جس نے زاریہ تک ہیروئن پہنچائی ہے وہ آپ کو دیکھ کر چوکنا ہو جائے اور .... اور فرار ہو جائے۔"

"کیا وہ شخص کوٹھی میں موجود ہے؟"

"جی ہاں۔" پھر میں نے صبح سویرے والا تمام واقعہ سنا دیا۔ میں نے اپنا شبہہ بھی ظاہر کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ فاریہ اس واقعہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہے مگر اب اسے سب کچھ بتا دینا ناگزیر ہو گیا ہے۔

"یہ تو بہت خطرناک بات ہے مسٹر اقبال۔ زاریہ کا اب تک کا علاج بیکار ہو گیا۔ آپ کو صبح ہی کوئی قدم اٹھانا چاہئے تھا۔"

"بس ڈاکٹر .... غلطی ہو گئی۔ اب اسے سنبھالنا بھی میرا ہی ذمہ ہے۔"

پھر ہم دونوں کوٹھی میں داخل ہو گئے۔ میرے کہنے پر ڈاکٹر نے اپنی گاڑی باہر ہی کھڑی کر دی تھی۔ ڈرائنگ روم میں فاریہ ہمارا شدت سے انتظار کر رہی تھی۔ میں نے اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔

"فاریہ بی بی .... اقبال مجھے سب کچھ بتا چکا ہے۔ ہمیں بڑی احتیاط سے قدم اٹھانا ہو گا۔"

"مگر اقبال نے مجھے ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔" اس نے ناراض ہو کر جواب دیا۔

تب میں نے ہلکے لہجے میں اسے ساری بات بتا دی۔ یعقوب کا نام سن کر وہ اچھل پڑی تھی۔ "یہ .... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہاں سب کچھ ہو سکتا ہے مس فاریہ' آپ صرف یہ سوچیں کہ کیا کرنا ہے!" ڈاکٹر نے کہا۔

"اقبال تم .... تم یعقوب کو اپنے کمرے میں لے جاؤ کسی بھی بہانے سے۔ میں ڈاکٹر کو زاریہ سے ملوا کر اور تمہارے شبے کی تصدیق کروا کر وہیں آتی ہوں۔" فاریہ کا لہجہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اچانک بدل گیا۔ اس کے جبڑے بھنچ گئے۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلتے محسوس ہوئے اور مجھے وہ فاریہ یاد آ گئی جو ریستوران میں اس انگریز آدمی پر برس رہی تھی۔ اس وقت اس کے چہرے پر وہی سفاکی تھی جو میں نے انگریز کے قتل کی خبر سننے کے بعد اس کے چہرے پر دیکھی تھی۔

میں تیزی سے باہر آ گیا۔ وہ سب اس وقت بھی ڈائننگ روم میں تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بیگ صاحب بول پڑے۔ ”بھئی تم لوگوں کے انتظار میں کب تک بیٹھیں گے ہم؟“

”سوری سر‘ میڈم تو بہت مصروف ہیں۔ میں بہت تھک گیا ہوں اس لئے اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ میڈم نے پیغام بھیجا ہے کہ وہ یہاں نہیں آ سکیں گی۔ کام ختم کرتے ہی اپنے بیڈ روم میں چلی جائیں گی۔“

”چلو بھئی زاریہ .... یہ لڑکی تو پاگل ہو گئی ہے۔ کام کام اور کام .... بس‘ کچھ اور تو آتا ہی نہیں اسے۔“ بیگ صاحب بڑبڑاتے ہوئے اٹھ گئے۔

”اوکے انکل‘ میں بھی اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ ذرا ٹی وی دیکھوں گی۔“ زاریہ اتنا کہہ کر اٹھ گئی۔ حمیدہ اسے لے کر ڈائننگ روم سے باہر چلی گئی۔

یعقوب چائے کے برتن سمیٹنے لگا۔ میں وہیں برآمدے میں کھڑا ہو گیا۔ یعقوب برتن لے کر کچن کی طرف چلا تو میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ کچن میرے کمرے کے راستے ہی میں تھا اس لئے اس نے میرے اپنے پیچھے آنے کو زیادہ اہمیت نہ دی مگر جب میں کچن کے دروازے پر رک گیا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

”یعقوب .... میں بہت تھک گیا ہوں۔ پلیز اگر تم مائنڈ نہ کروں تو کچھ میرا بدن دبا دو۔“

میری بات سن کر اس نے گہرا سانس لیا اور فوراً تیار ہو گیا۔ میں اس سے باتیں کرتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا اور کپڑے تبدیل کئے بغیر ہی بستر پر الٹا لیٹ گیا۔ یعقوب نے میرا بدن دبانا شروع کر دیا۔ میں اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔

تقریباً بیس منٹ بعد اچانک میرے کمرے کا دروازہ ایک زور دار آواز سے کھلا اور فاریہ ریوالور لئے اند آ گئی۔ ریوالور کا رخ یعقوب کی طرف تھا۔ وہ اچھل کر دیوار سے

لگ گیا۔

”مم .... میڈم .... یہ .... یہ.........“

”حرامزادے .... کتے .... غدار .... کمینے .... تجھے اسی دن کے لئے رکھا تھا ہم نے۔ احسان فراموش .... بھول گیا وہ دن جب تیرے پاس سر چھپانے کو ٹھکانہ بھی نہ تھا۔“ فاریہ آگ اگل رہی تھی۔

وہ بری طرح کھسیانے لگا تھا۔ فاریہ کو دیکھ کر ہی میں سمجھ گیا تھا کہ میرا شبہہ‘ حقیقت تھا۔ میں نے لپک کر یعقوب کا گریبان پکڑ لیا۔ ”بول .... کون تھی وہ عورت .... بول کس کے لئے کام کر رہا ہے .... بول‘ وہ زہر کی پڑیا کس نے دی تھی تجھے۔ بول ورنہ دانت توڑ دوں گا۔“ میں نے اتنی طاقت سے اس کا گریبان پکڑا تھا کہ اس کی گردن کی تمام نسیں پھول کر کپا ہو گئیں۔ اس کا سانس گھٹنے لگا وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

”اسے باندھ دو اقبال‘ میں جانتی ہوں کہ یہ کس کا آدمی ہے۔ کس کے لئے کام کر رہا ہے اور یہ بھی جانتی ہوں کہ صبح یہاں آنے والی عورت کون تھی‘ مجھے تو اس سے کچھ دوسری ضروری باتیں معلوم کرنا ہیں۔“

میں نے رسی کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔

”یہ کھڑکی کھولو۔ اس کی گرل پر رسی بندھی ہے۔ وہ کھول لو۔“

میں نے کھڑکی کا پٹ کھولا تو وہاں رسی کا گچھا لٹکا ہوا تھا۔ میں نے تیزی سے رسی نکالی اور یعقوب کے ہاتھ پشت پر لے جا کر اسے اچھی طرح مضبوطی سے باندھ دیا۔ فاریہ کے ریوالور کا رخ اب بھی یعقوب کی طرف تھا۔ اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔ آنکھیں خوف سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

”میڈم کیا میرا شبہہ درست تھا؟“

”ہاں‘ زاریہ کو اس نے دوپہر میں کسی وقت ایک چھوٹا سا لفافہ دیا تھا جس میں تین چار روز کی خوراک موجود تھی۔ اس خوراک کے ساتھ ہی پنی‘ ماچس کی ڈبیا اور کاغذ کی بنی ہوئی نلکی بھی تھی۔“

”مگر یہ سب اس نے دیا کیسے‘ میں نے حمیدہ بی بی کو تاکید کی تھی کہ وہ لمحہ بھر کے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لئے بھی زاریہ کو تنہا نہ چھوڑے پھر.........."

"وہ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی اقبال' بوڑھی عورت ہے تھکن نے اسے بے حال کر دیا اور وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئی۔ یعقوب نے صبح چائے دیتے ہوئے ہی زاریہ کو اشارتاً بتا دیا تھا کہ وہ اس کی تکلیف کا مداوا کر سکتا ہے۔ زاریہ کو اس کا انتظار تھا۔ ڈاکٹر انجکشن دے کر گیا تو وہ ایسی بن گئی جیسے اس پر غشی طاری ہو گئی ہو مگر دراصل وہ ہوش میں تھی۔ حمیدہ کو اس کی طرف سے اطمینان ہوا تو وہ سو گئی اور اسی دوران میں یعقوب زاریہ کو وہ لفافہ دے گیا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی اقبال .... اس نے نہ صرف یہ کہ میرے بے پناہ اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے بلکہ یہ میری بہن کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ بند کمرے میں کی گئی باتیں باہر کیسے چلی جاتی تھیں؟ میری فیکٹری کے راز کیسے افشا ہو جاتے تھے۔ میرے آرڈرز کیسے کینسل ہو جاتے تھے۔ میرے حریفوں کو کیسے پتا چل جاتا تھا کہ مجھے کس کمپنی نے کتنے مال کا آرڈر دیا ہے۔ اس نے عمارت میں گھس کر نقب لگائی ہے اقبال اور میں اسے وہ سزا دوں گی کہ یہ موت مانگے گا موت نہ آئے گی۔" فاریہ آگ اگل رہی تھی اس کے پورے وجود سے شعلے اٹھتے محسوس ہو رہے تھے۔

اسی وقت وال کلاک نے بارہ گھنٹے بجائے اور فاریہ چونک اٹھی۔" اقبال یہ ریوالور پکڑو۔ اس کی طرف سے چوکنا رہنا' یہ بہت چالاک ہے' اگر یہ فرار ہو گیا تو .... تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی سمجھے۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ ریوالور مجھے تھما کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

یعقوب پر سکتہ طاری تھا۔ اسے شاید بازی پلٹ جانے کی توقع نہیں تھی۔ فاریہ کے جاتے ہی وہ کسمسایا۔ پا.......... پانی ...."

"سوری یعقوب .... میڈم کی اجازت کے بغیر میں تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ پانی تو زندگی کی علامت ہے .... موت بھی نہیں .... تم اسی قابل ہو کہ تمہیں سسکا سسکا کر مارا جائے۔ تمہیں بھی معلوم ہونا چاہئے کہ موت کیسی ہوتی ہے۔ اگر میڈم نے نہ روکا ہوتا تو میں تمہیں لاتیں مار مار کر جان سے مار دیتا یعقوب' تمہارے بدن سے ایک ایک بوٹی نوچ لیتا۔"

"سر میں .... میں بے قصور ہوں۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ لوگ میری جان لے لیتے۔"

"اور تم نے اپنی جان بچانے کے لئے زاریہ کو قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا یہی نا؟ بے غیرت ہو تم ایک معصوم بچی کو خود پر قربان کرتے شرم نہیں آئی تمہیں' اگر جان کا خطرہ تھا تو تم ہم سے مدد مانگ سکتے تھے۔"

"مجھے معاف کر دیں سر.......... میں .... میں آپ کو منہ مانگی قیمت دے سکتا ہوں اپنی جان کی .... وہ لوگ آپ کو مالا مال کر دیں گے سر' وہ بہت بڑی پارٹی ہے ارب پتی۔ بلکہ کھرب پتی .... وہ آپ کو اتنا دے دیں گے کہ آپ کو زندگی بھر کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آپ اپنے دشمنوں سے بدلہ بھی لے سکیں گے اور اپنی ماں' سوہنی اور ماسی میراں کو بھی ان درندوں کے ہاتھوں سے بچا کر لے آئیں گے۔ سر.......... فاریہ کے پاس کچھ نہیں ہے سر یہ لوگ دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ میں آپ کو لکھ پتی بنا دوں گا سر.......... مجھے کھول دیں۔ مجھے جانے دیں سر.........."

وہ مجھے بھڑکا رہا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ میرے بارے میں کافی کچھ جانتا تھا۔ وہ میرے جذبات کو ابھار رہا تھا۔ میری دکھتی رگ پر انگلی رکھ دی تھی اس نے۔ "کون لوگ ہیں وہ؟"

"میں آپ کو ان سے ملا دوں گا سر' بس آپ مجھے جانے دیں۔ میں سچ کہتا ہوں سر کہ وہ آپ کو مالا مال کر دیں گے۔ طاقت ور اور ذہین لوگوں کو وہ آسمان پر اٹھا لیتے ہیں۔ وہ قدر کرتے ہیں ایسے لوگوں کی۔ انہیں آپ جیسے لوگوں کی ضرورت ہے سر.......... آپ جیسے ذہین اور طاقت ور لوگوں کی۔"

وہ خوشامدی انداز میں مجھ سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ فاریہ آ گئی تو وہ یہاں سے زندگی بھر نہیں نکل پائے گا۔

"جلدی کیجئے سر وہ آ جائے گی۔ وہ عورت نہیں جنگلی بلی ہے' وہ .... وہ آپ کو بھی تباہ کر دے گی سر' آپ سے پہلے اور بہت سے لوگ اس کے ہاتھوں موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔ آپ بھی میرے ساتھ نکل چلئے۔ زندگی بھر عیش کریں گے۔"

میری قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی۔ خون میری کنپٹیوں پر ٹھوکریں مار رہا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھا۔ میرے بدن میں آگ بھڑک اٹھی میں تڑپ اٹھا اور یعقوب کے منہ پر ایک زور دار لات ماری۔ وہ ڈکرا کر اوندھے منہ گر گیا۔

"گڈ .... وری گڈ اقبال ...." اچانک فاریہ کی آواز آئی۔ وہ دروازے میں کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "میں اس کی باتیں سن چکی ہوں۔" وہ پھر یعقوب سے مخاطب ہوئی جس کا نچلا ہونٹ پھٹ چکا تھا اور اس میں سے خون بہہ رہا تھا۔ "تُو اسے خریدنے کی کوشش کر رہا تھا .... کتے تُو بھول گیا کہ ہر شخص تیری طرح بے کردار نہیں ہوتا۔"

"مم .... مجھے معاف کر دیں میڈم ...."

"اندر آؤ۔" فاریہ نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اسی وقت چار آدمی جو ملیشیا رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں پستول تھے اندر آ گئے۔ ان کے چہروں پر گھنی داڑھی مونچھیں تھیں وہ چہرے ہی سے خطرناک لگ رہے تھے۔

لے جاؤ اسے .... اور سنو .... اسے اتنا مارو کہ اس کا بدن پھوڑا بن جائے مگر اسے زندہ رہنا چاہئے۔ میں کل کسی وقت آؤں گی۔ لے جاؤ۔" فاریہ نے حکم دیا۔ وہ لوگ یعقوب کی طرف جھپٹے اور اسے اٹھا کر کمرے سے نکل باہر گئے۔ میں اور فاریہ بھی ان کے پیچھے باہر آ گئے۔ باہر کالے رنگ کی بڑی سی گاڑی کھڑی تھی جس کے شیشے بھی سیاہ رنگ کے تھے۔ ان چاروں نے اسے گاڑی میں ڈالا۔ یعقوب نے چیخنے کی کوشش کی جس پر ایک شخص نے پستول کا دستہ اس کی کنپٹی پر دے مارا اور وہ اس کے بازوؤں میں جھول گیا۔ چند ہی لمحوں بعد گاڑی بے آواز چلتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ میں نے گہرا سانس لیا اور فاریہ کے پیچھے چلتا ہوا اس برآمدے تک آ گیا جہاں سے بیرونی گیٹ نظر آ رہا تھا۔ گاڑی کے باہر جاتے ہی چوکیدار نے گیٹ بند کر دیا۔ "میڈم .... یہ چوکیدار قابلِ اعتماد ہے؟"

اس نے خالی خالی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ "پتا نہیں اقبال .... میں نے ہمیشہ بھروسے اور اعتماد میں دھوکا کھایا ہے۔ میں ان لوگوں کے لئے اتنا کچھ کرتی ہوں پھر بھی یہ لوگ میرے دشمنوں سے مل جاتے ہیں۔ کیوں اقبال؟"

"آپ دل برداشتہ نہ ہوں میڈم' سب ایسے نہیں ہوتے۔ چوکیدار کے بارے میں آپ نے نہیں بتایا کہ یہ کون ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ قابلِ اعتماد ہے۔ یہ میرے ابو کے خاص ملازم کا بیٹا ہے۔ ابو اس کے باپ کو گھر بنا کر دے چکے ہیں۔ اس کی دو بہنوں کی شادی بھی انہوں نے کروائی تھی۔ باپ اب بہت بوڑھا ہے کام کرنے کے قابل نہیں ہے۔ میں نے اس کی دیکھ بھال کے لئے ایک لڑکا رکھا ہوا ہے اس کے پاس۔ اس کے بوڑھے ماں باپ تو ہمیں دعائیں دیتے ہیں۔ انہوں نے ہی اسے یہاں رکھا ہے۔ سکندر خان نام ہے اس کا' اب تک تو میرے اعتماد پر پورا اترا ہے آگے خدا جانے کیا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے میڈم اب ایک سوال کا جواب اور دے دیں کہ یعقوب کو لے جانے والے کون ہیں اور کہاں لے گئے ہیں؟"

"وہ میرے وہی جان نثار ہیں جن کے بارے میں مَیں تمہیں پہلے بتا چکی ہوں اور جہاں لے گئے ہیں وہاں میں تمہیں کل لے کر چلوں گی خود دیکھ لینا۔"

"اوکے میڈم .... اب آپ آرام کریں۔ میں زاریہ کو دیکھ کر اپنے کمرے میں جاؤں گا۔"

"نہیں اقبال اسے اس وقت تنہا چھوڑ دو۔ میں نے .... میں نے اسے مارا ہے۔"

"جی!" میں حیرت زدہ رہ گیا۔

"ہاں اقبال ورنہ وہ بتانے پر تیار نہ تھی کہ اسے نشہ کس نے لا کر دیا تھا۔ میں نے اس کے پاس سے وہ لفافہ برآمد کر لیا تب اسے بتانا پڑا۔ ڈاکٹر نے اسے انجکشن لگا دیا ہے۔ وہ سو رہی ہو گی۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو بس۔"

میں سر جھکائے اس کی باتیں سنتا رہا پھر شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں تھکن سے چُور تھا۔ ذہنی تھکاوٹ نے مجھے زیادہ نڈھال کر دیا تھا۔ میں بستر پر گرتے ہی سو گیا۔ دن چڑھے تک سوتا رہا۔ روزانہ تو یعقوب مجھے اٹھا دیا کرتا تھا مگر آج تو وہ بھی نہیں تھا۔ گیارہ بجے خود ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں خود کو بہتر محسوس کر رہا تھا۔ میں کافی دیر تک نہاتا رہا پھر تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حسبِ توقع فاریہ وہاں موجود تھی۔ حمیدہ بی بی چائے پیالیوں میں انڈیل رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر فاریہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"آؤ اقبال' کیسے ہو؟"

"تھکن اتر گئی ہے میڈم' بہت بہتر ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہوں اقبال' آج انکل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' انہیں رات والے معاملے پر بے پناہ دکھ ہے۔ وہ یعقوب پر اندھا اعتماد کرتے تھے۔"

"ڈاکٹر کو بلا لیا تھا؟"

"ہاں ڈاکٹر ابھی چیک کر کے گیا ہے۔ زاریہ کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اس کا نشہ ٹوٹ چکا ہے' وہ کل اور پرسوں سے زیادہ تکلیف محسوس کر رہی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ جی چاہتا کہ اسے واقعی زہر دے کر تمام تکلیفوں سے نجات دلا دوں۔"

"میڈم' آپ مایوس نہ ہوں' مایوسی کفر ہے' خدا کرے گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

حمیدہ نے مجھے چائے کا کپ دیا۔ میں چائے پینے لگا اس وقت بیگ صاحب بھی آ گئے۔ وہ بے حد تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی۔" میں نے ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

"اچھا ہوں بیٹا .... میرے خیال میں تمہارے سلسلے میں' میں دھوکا نہیں کھاؤں گا ورنہ یعقوب نے تو مجھے توڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"ہر شخص یعقوب نہیں ہوتا سر' میں گاؤں کا سیدھا سادا آدمی ہوں' جس کا نمک کھاتا ہوں اس سے زندگی بھر وفا نبھاتا ہوں۔ آپ کو میری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔"

"یہ تمہارا احسان ہو گا بیٹا' اگر تم نہ ہوتے تو فاریہ کتنی اکیلی ہو جاتی۔ زاریہ ہی کا دکھ مجھے مارے دیتا ہے پھر فاریہ پر بے پناہ بوجھ اور پے در پے صدمے مجھے اور پریشان کر رہے ہیں۔"

"میرے لئے پریشان نہ رہا کریں انکل' میں بہت بے حس ہوں' مجھے کچھ نہیں ہو گا۔" فاریہ نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

بیگ صاحب نے لمبی سانس لے کر سر کو صوفے کی پشت سے ٹکا دیا۔

"تم نے ناشتہ کر لیا؟" فاریہ نے پوچھا۔

"نہیں مگر میں ناشتہ نہیں کروں گا۔ میڈم کیا ہمیں کہیں جانا ہے؟"

"ہاں .... کچھ دیر کے لئے فیکٹری جانا ہے پھر .... یعقوب کو دیکھنا ہے۔ تم تیار ہو؟"

"جی میڈم ...."

فاریہ یہ سنتے ہی اٹھ گئی۔ ہم سیدھے فیکٹری پہنچے۔ تقریباً ڈھائی گھنٹے بعد وہاں سے فارغ ہو گئے۔ فاریہ نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا تو وہاں عذرا موجود تھی۔ ہمارے درمیان رسمی بات چیت ہوئی پھر ہم دونوں خاموش ہو کر فاریہ کو دیکھنے لگے۔

"اقبال' میں نے عذرا کو اپنے گھر کا پرابلم بتایا ہے یہ میرے ساتھ گھر چلنے کو تیار ہے۔"

"مگر یہ کیا کریں گی میڈم؟"

"زاریہ کی دیکھ بھال' حمیدہ کو میں کچن میں لگا دوں گی۔ سارا مسئلہ زاریہ کی دیکھ بھال کا ہے جس کے لئے کسی ذہین اور نڈر لڑکی کی ضرورت ہے۔ حمیدہ بوڑھی عورت ہے وہ اسے سنبھالنے میں ناکام ہے دوسری اہم بات یہ ہے کہ عذرا زاریہ کی ہم عمر ہے' اس سے باتیں کر کے زاریہ کا دل بھی بہلا رہے گا اور شاید عذرا اس کو زندگی کی طرف بلا لائے۔"

"رائٹ میڈم۔ آپ جو فیصلہ کریں گی بہتر ہو گا۔"

"اس وقت تو ہمیں دوسرے اہم کام سے جانا ہے۔ میں نے عذرا کو ایڈریس سمجھا دیا ہے۔ یہ خود ہی کوٹھی پہنچ جائے گی۔ میں نے انکل کو فون کر دیا ہے۔ وہ اسے ریسیو کر لیں گے۔"

"اوکے میڈم! میں گھر جاؤں گی تاکہ اپنا ضروری سامان لے کر آپ کی کوٹھی پہنچ جاؤں۔" عذرا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

فاریہ کو دیکھ کر میں بھی کھڑا ہو گیا۔ ہم تینوں ساتھ ہی آفس سے نکلے۔ لفٹ میں فاریہ عذرا کو ہدایت دیتی رہی۔ نیچے پہنچ کر ہم عذرا سے جدا ہو گئے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں نے پارکنگ لاٹ سے گاڑی نکالی اور مین گیٹ پر فاریہ کے سامنے روک دی۔ فاریہ گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"کہاں چلنا ہے میڈم؟"

"سیدھا چلتے رہو' میں بتا دوں گی۔"

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک چلتے رہے۔ فاریہ مجھے ہدایات دیتی رہی اور میں اس کی ہدایات پر عمل کرتا ہوا شہر سے باہر آگیا۔ سڑک دور تک چلی گئی تھی۔ آج سے پہلے میں اس طرف نہیں آیا تھا۔ سڑک کے دونوں جانب گھاس' خودرو جھاڑیاں اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں شروع ہو چکی تھیں۔ فاریہ خاموش سامنے دیکھ رہی تھی۔

"میڈم ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں نے کہا تھا کہ میں بتا دوں گی۔"

اس کے لہجے میں عجیب سی بات تھی۔ بیگانگی' لاتعلقی اور سفاکی۔ میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس کے لہجے سے میں سمجھ چکا تھا کہ وہ بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ وہ بالکل پہلے والی فاریہ بن چکی تھی جس میں بلا کی رعونت اور سفاکی تھی۔ میں خاموش رہا اور تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ ہم شہر سے تقریباً سو کلومیٹر دور آ چکے تھے اور کوئی ذیلی سڑک یا آبادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ مجھے فاریہ کی ذہنی حالت پر شبہ ہونے لگا۔ میں نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کسی بت کی طرح بیٹھی تھی۔

"آہستہ کرو۔" اچانک وہ بول اٹھی اور میرا پاؤں بریک دباتا چلا گیا۔ گاڑی کے ٹائر چیخ اٹھے۔ فایہ فاریہ کو جھٹکا لگا مگر اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ گاڑی آہستہ ہو چکی تھی۔

"دائیں طرف ایک کچا رستہ آئے گا وہاں سے اندر کی طرف موڑ لینا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یس میڈم!" میں نے مستعدی سے جواب دیا۔ میری نگاہیں اپنی دائیں جانب وہ کچا رستہ تلاش کر رہی تھیں۔ جلد ہی جھاڑیوں کے درمیان وہ کچا راستہ نظر آگیا۔ میں نے ہدایت کے مطابق گاڑی اس طرف موڑ لی۔ تقریباً گیارہ بارہ کلومیٹر چلنے کے بعد مجھے سرخ اینٹوں کی وہ پکی حویلی نظر آگئی جو انتہائی خستہ حالت میں تھی۔ اس حویلی کے چاروں طرف

چھوٹے چھوٹے مکانات بنے ہوئے تھے۔ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ تو باقاعدہ ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ جہاں عورتیں' مرد اور بچے سبھی تھے۔ ہماری گاڑی جوں ہی بستی میں داخل ہوئی۔ مرد بچے اور عورتیں بھاگ بھاگ کر گاڑی کے قریب آ گئے۔ سب فاریہ سے ہنس کر مل رہے تھے اور فاریہ فرداً فرداً سب کی خیریت معلوم کر رہی تھی۔

انہی لوگوں میں' میں نے ایک شخص کو دیکھا جو مجمع کو چیرتا ہوا ہمارے قریب آگیا تھا۔ "آیئے میڈم۔" اس نے لوگوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے فاریہ سے کہا۔

اور تبھی میں اسے پہچان گیا۔ وہ ان چاروں میں سے ایک تھا جو کل کوٹھی سے یعقوب کو لینے آئے تھے۔ فاریہ بستی والوں سے اجازت لے کر اس کے پیچھے چل دی۔ میں فاریہ اور اس آدمی کو فالو کر رہا تھا۔ ہم جلد ہی اس حویلی میں داخل ہو گئے جو مجھے دور سے نظر آئی تھی۔ اس کا گیٹ اس وقت کھلا ہوا تھا جو ہمارے داخل ہوتے ہی بند کر دیا گیا۔

"اقبال یہ بستی دیکھی تم نے؟ یہ سب میرے ملازمین اور ان کی فیملیز ہیں۔ یہ سب چمڑا دھونے اور رنگنے کا کام کرتے ہیں۔ یہاں خالص لیدر کے جوتے اور پرس بھی بنائے جاتے ہیں جو ہم باہر بھیج دیتے ہیں۔" فاریہ نے چلتے ہوئے بتایا۔

"یہ سب دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے میڈم۔"

اب ہم حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہو رہے تھے۔ دروازے سے اندر جاتے ہی یوں لگا جیسے ہم ایئر کنڈیشنڈ روم میں آ گئے ہوں۔ حالانکہ یہاں ایئرکنڈیشن نہیں تھا بلکہ حویلی کی چھتیں بہت اونچی اور قدیم ہونے کی بنا پر شاید ٹھنڈک تھی۔

"آپ یہاں ٹھہریئے میڈم' میں اندر کا کمرا کھلواتا ہوں۔" وہ شخص دائیں جانب بنے چھوٹے سے دروازے سے اندر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد ہمارے سامنے کی طرف کا دروازہ کھل گیا۔ ہم اندر داخل ہو گئے۔ اندر جا کر مجھے حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا لگا باہر سے انتہائی خستہ نظر آنے والی حویلی اندر سے بے حد خوبصورت تھی اور سجاوٹ میں مغربی انداز نمایاں تھا۔ کمرے میں قیمتی فرنیچر تھا اور کونے میں رکھے لیمپوں کی روشنی ماحول کو خواب ناک بنا رہی تھی۔ فاریہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے مجھے بھی بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ ہم دونوں ابھی بیٹھے ہی تھے کہ اندر سے وہی آدمی ٹھنڈے مشروبات لے آیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جسے دیکھ کر مجھے پیاس کی شدت کا احساس ہوا۔ میں نے گلاس لیا اور غور سے اس شخص کو دیکھنے لگا جو فاریہ سے سرگوشی میں باتیں کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے ابھی معلوم ہو جائے گا۔" فاریہ نے اس سے کہا اور میری طرف متوجہ ہو گئی۔ میں بظاہر تو کمرے کی سجاوٹ دیکھ رہا تھا مگر میری توجہ اسی جانب تھی۔

"اقبال یہ قادر داد ہے۔ میرا خاص آدمی' یہاں موجود تمام آدمیوں کا انچارج اسی کو سمجھ سکتے ہو۔ یہ چمڑے کی فنشنگ کروا کر فیکٹری بھی بھیجتا ہے اور میرے خفیہ معاملات بھی یہی دیکھتا ہے جیسے یہ یعقوب والا معاملہ ہے۔ تم مشروب پی لو پھر ہم یعقوب سے بھی مل لیتے ہیں۔"

"جی میڈم ....!" میں نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا اور کھڑا ہو گیا۔

ہم دونوں اس شخص کے پیچھے چل پڑے۔ اس کمرے سے نکل کر ہم ایک ایسے کوریڈور میں آ گئے جس کے دونوں جانب ستون لگے تھے یعنی دونوں جانب دیواریں نہ تھیں بلکہ صرف چھت تھی جو اونچے اونچے ستونوں کے سہارے کھڑی تھی۔ ان ستونوں کے درمیان سیڑھیاں تھیں جو نیچے کی جانب جا رہی تھیں۔ یہ کوریڈور زمین سے تقریباً چار فٹ اونچا تھا۔ دونوں جانب خودرو جھاڑیاں تھیں یا بہت پرانے برگد کے درخت تھے اور زمین پر جگہ جگہ سوکھے پتے بکھرے ہوئے تھے۔ اس حصے میں آ کر یوں لگتا تھا جیسے ہم کوئی قدیم تاریخی قلعہ دیکھ رہے ہوں جو انتظامیہ کی بے پرواہی کی نذر ہو گیا ہو۔ یہ احساس بالکل نہ ہوتا تھا کہ یہاں ایک حصہ ایسا بھی ہے جسے دیکھ کر آنکھیں پھٹ جائیں۔

کوریڈور دور تک چلا گیا تھا۔ ہم سیدھے چلتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں کوریڈور ختم ہو گیا تھا اور پھر ہم ایسے حصے میں کھڑے تھے جو صاف ستھرا تھا جگہ جگہ گملے رکھے تھے جن میں خوب صورت پھول اور پودے لگے تھے۔ کوریڈور جس برآمدے میں آ کر ختم ہوا تھا اس کے سامنے کی جانب لائن سے دروازے تھے۔ قادر داد بائیں جانب مڑ گیا پھر اس نے دس قدم چلنے کے بعد ایک لوہے کے دروازے پر لگا بڑا سا کنڈا ہلایا۔ چند لمحوں بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ ہم تینوں اندر داخل ہو گئے۔ اندر تیز روشنی تھی جو چھت میں لٹکے بلب سے پھوٹ رہی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کمرے میں جسے ہال کہنا زیادہ مناسب ہو گا' کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا۔ کمرا چاروں طرف سے بند ہونے کی وجہ

سے بلب کی روشنی کا مرہون منت تھا۔ کمرے میں ایک صوفہ سیٹ اور چار پلنگ پڑے تھے جن پر صاف ستھری چادریں بچھی ہوئی تھیں ایک طرف فریج رکھا تھا اور اسی کمرے کے ایک حصے کو کچن بنایا گیا تھا۔ یہاں وہ تینوں بھی موجود تھے جو قادر داد کے ساتھ کوٹھی آئے تھے۔

فاریہ نے ان تینوں سے میرا تعارف کرایا۔ ان میں نبی بخش اور گل جان پٹھان تھے اور قادر داد اور جمالی سندھی۔ چاروں فاریہ کی بہت عزت کرتے تھے اور اسے دیکھ کر مئودب ہو گئے تھے۔ قادر داد ہمیں لے کر آگے بڑھا۔ سامنے ایک چھوٹا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ یہ دروازہ زمین سے صرف تین فٹ اونچا تھا۔ قادر داد نے جھک کر اس میں پڑا تالا کھولا اور جھکے جھکے اس میں داخل ہو گیا۔ فاریہ بھی اس کے پیچھے اندر داخل ہو گئی۔ میں نے اندر قدم رکھا تو معلوم ہوا کہ وہاں سیڑھیاں تھیں جو نیچے کی جانب جا رہی تھیں اور آگے بہت اندھیرا تھا۔ قادر داد نے چند سیڑھیاں اتر کر شاید کوئی سوئچ دبایا تھا اچانک ایک مدقوق سا بلب روشن ہو گیا۔ جس کی روشنی میں سیڑھیاں صاف نظر آنے لگیں۔ ہم سنبھل سنبھل کر سیڑھیاں اتر گئے۔ یہاں بھی گہرا اندھیرا تھا بلکہ سیڑھیوں پر روشن بلب کی ہلکی روشنی نے اس اندھیرے کو اور زیادہ خوفناک بنا دیا تھا۔ قادر داد نے پھر کوئی سوئچ دبا کر اس تہ خانے میں روشنی کر دی۔

کمرا روشن ہوتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چھت سے لٹکے ایک کنڈے میں رسی ڈال کر یعقوب کے دونوں ہاتھ اس رسی سے باندھ دیئے تھے۔ اس کے بدن پر صرف شلوار تھی اور باقی ننگے بدن پر سرخ اور نیلے ابھرے ہوئے لمبے لمبے نشان پڑے تھے لگتا تھا جیسے اس کے بدن پر کوڑے برسائے گئے ہیں۔ اس کا چہرہ بھی سوجا ہوا تھا۔ جس جگہ وہ لٹکا ہوا تھا اس کے چاروں طرف دائرے میں دہکتے ہوئے کوئلے رکھے گئے تھے جن کی آنچ سے یعقوب کا بدن کانپ رہا تھا اور پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ نہ معلوم کیوں مجھے وہ دن یاد آ گیا جب تھانے میں مجھے اسی طرح باندھ کر مارا گیا تھا۔

"میڈم .... یہ .... یہ ظلم ہے۔" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

فاریہ جھٹکے سے میری جانب مڑی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس کا چہرہ واقعی کسی جنگلی بلی کا سا لگ رہا تھا۔ جس کے منہ کو خون لگ گیا ہو۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"یہ ظلم ہے؟ ظلم ہے یہ ....؟ اور وہ جو میری .... کوٹھی کے ایک تاریک کمرے میں پڑا سسک رہا ہے' جسے زندہ اور بے گناہ ہوتے ہوئے بھی قید رکھا جاتا ہے۔ جو سانس لینے کے باوجود مُردوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ ظلم نہیں ....؟ وہ ظلم نہیں جسے زندہ درگور کر دیا گیا۔ ایک معصوم سی جوان لڑکی جس نے ابھی شعور کی منزل پر پہلا قدم رکھا تھا کہ اس سے جینے کا حق چھین لیا گیا......... اس کی آنکھوں سے وہ سپنے نکال کر پھینک دیئے گئے جو ابھی اس نے پورے بھی نہ دیکھے تھے۔ اس کی معصوم اور خواب دیکھتی آنکھوں میں موت کی جلتی سلاخیں گھسیڑ دی گئیں۔ وہ جو اپنے گرد محبت کرنے والے ہوتے ہوئے بھی لوگوں کی نفرت کا شکار ہو گئی۔ وہ ظلم نہیں ....؟ معصومیت ہے ان لوگوں کی .... نیکی ہے ان درندوں کی ....؟ انہیں حق تھا اسے زندہ درگور کرنے کا اور میں .... میں اس حرامزدے سے یہ بھی نہیں پوچھ سکتی کہ میرے گھر کو آگ لگانے والا کون ہے.........؟ میری معصوم بہن پر موت بھیجنے والا کون ہے؟ کون ہے وہ جو اس کی زندگی' اس کے خوابوں اور اس کے مستقبل کا خریدار بن گیا ہے۔ کون ہے وہ جو اس کی ایک ایک سانس کو کشید کر رہا ہے؟ کون ہے وہ جس نے میرے اور میرے گھر کے لوگوں کے گرد موت کے جال پھیلا دیئے ہیں۔ کون ہے جس نے میرے گھر کی فضاؤں میں زہر گھول دیا......... اگر میں ان سوالوں کے جوابوں کی طالب ہوں تو ظالم ہوں.........؟ ظلم کرتی ہوں ان کتوں پر جو میرے ملک' میرے شہر کے معصوم بچوں سے جینے کا حق چھین رہے ہیں۔ ان کی ماؤں کی گودیں اجاڑ رہے ہیں جو برسوں گود بھر جانے کی آرزوئیں کرتی ہیں' منتیں مانتی ہیں' نو ماہ اپنے پیٹ میں رکھ کر حسین خواب دیکھتی ہیں .... میں ظالم ہوں.........! یہ ظلم ہے تو کان کھول کر سن لو تم سب کہ میں ظالم ہوں' یہ ظلم میں زندگی بھر کرتی رہوں گی۔ میں ان کی کھال اتار کر ان کے جسموں کو انگاروں کی بھٹی میں لٹکا دوں گی۔ جیسا یہ لوگ کرتے ہیں یہ تو انسانوں کی روح کو بھٹی میں ڈال دیتے ہیں اقبال صاحب' میں تو عورت ہوں' مجھ میں تو ظلم کرنے کا بھی اتنا حوصلہ نہیں' میں ان سے کمزور ہوں اس لئے صرف ان کے جسموں کو تکلیف دے سکتی ہوں' اگر میں طاقتور ہوتی تو ان کے سامنے ان کی اولاد کو ہیروئن پلاتی نہیں کھلاتی .... ایک خوراک نہیں .... ایک کش نہیں' ایک ایک کلو ہیروئن ان کی رگوں میں اتار دیتی مگر میرا ضمیر مجھے

کمزور کر دیتا ہے۔ میں بے بس ہو جاتی ہوں اپنے ضمیر کے آگے۔"

وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اور شعلے ایک ساتھ بہتے محسوس ہو رہے تھے۔ لگتا تھا وہ پاگل ہو گئی ہے۔ میں سہما کھڑا تھا۔ وہ چاروں بھی خوفزدہ' سر جھکائے کھڑے تھے اور یعقوب کی آنکھوں میں تو جیسے موت بھر گئی تھی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ آج کا دن اس کی زندگی کا آخری دن ہے۔ یہ یقین تو اب مجھے بھی ہو گیا تھا۔ فاریہ کی باتوں نے مجھ میں لاوا بھر دیا تھا۔ وہ سچ بول رہی تھی۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک حرف کھرا اور سچا تھا۔ مجھ سے فاریہ کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ مجھے خود پر غصہ آ رہا تھا کہ میں نے حقیقت جانتے ہوئے بھی ایسی بات کہہ دی جو مجھے نہیں کہنا چاہیے تھی۔

فاریہ دیوار سے لگی ہانپ رہی تھی۔ وہ بے قراری سے اپنے گلے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ شاید اس کا حلق خشک ہو گیا تھا۔ یہ محسوس کرتے ہی میں لپکا اور قادر داد سے پانی لانے کو کہا۔ قادر داد بھاگتا ہوا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ میں فاریہ کے قریب جا کھڑا ہوا۔

"میڈم......... آئی ایم سوری .... رئیلی آئی ایم سوری۔ میں نے نہ معلوم کیوں......... ایک غلط بات کہہ دی۔ مجھے معاف کر دیں میڈم' دراصل اسے اس حالت میں دیکھ کر مجھے اپنا وہ دن یاد آ گیا تھا جب بالکل اسی طرح تھانے میں مجھے باندھ کر مارا گیا تھا۔ چوہدری کے آدمیوں نے........."

"تم بے گناہ تھے اقبال مگر یہ........." اس نے میری بات کاٹ دی۔

"آئی ایم سوری میڈم!"

"آل رائٹ......... فور گیٹ اِٹ........." اس نے ماتھے سے پسینا پونچھتے ہوئے کہا۔ اس نے بہت جلد خود پر قابو پا لیا تھا۔ اسی وقت قادر داد پانی لے آیا فاریہ پانی پی کر کچھ بہتر ہو گئی تھی۔

"اقبال......... تم......... باہر چلے جاؤ۔"

"کیوں میڈم؟" میں بے چین ہو گیا۔

"کیوں کہ تم برداشت نہیں کر پاؤ گے۔"

ایسا کہہ کر اس نے میری مردانگی کو چیلنج کر دیا تھا۔ وہ مجھے کمزور سمجھ رہی تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میرے وجود میں آگ بھر گئی۔ ”میڈم .... آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ اس کتے سے ان لوگوں کا نام اور پتا میں پوچھ لوں گا میڈم۔ اس لیے کہ آپ عورت ہیں........... کمزور ہیں مگر میں مرد ہوں‘ طاقتور ہوں‘ میں اس کی روح تک کو ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔ میں اس کی کھال اتار کر اس پر جلتی ہوئی راکھ ملوں گا میڈم........... اپنے ان ہاتھوں سے‘ اسے جہنم رسید کردوں گا۔ جان سے مار دوں گا میڈم...........“ میں چیخ پڑا تھا۔ میں نے دانت پیس کر اور چبا چبا کر جملے ادا کیے تو فاریہ نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

”نہیں اقبال........... اسے جان سے نہیں مارنا........... مر گیا تو اذیت سے نجات پالے گا اور میں........... میں اسے اذیت دینا چاہتی ہوں‘ ویسی ہی اذیت جو زاریہ کو موت اور زندگی کے بیچ معلق رکھتی ہے اسے زندگی اور موت کے بیچ میں کھڑا کر دو........... اقبال........... مارنا نہیں........... زندہ رکھنا۔“

اور میں مضبوط قدموں سے آگے بڑھا۔ یعقوب گھگھیانے لگا۔

”ٹھہرو اقبال‘ اسے نیچے تو اتارنے دو........... میں نہیں چاہتی کہ اس جیسے کتے کے سامنے کھڑے ہو کر تم اپنے آپ کو تاہ قد محسوس کرو۔“ یہ کہہ کر فاریہ نے ان چاروں کو اشارہ کیا۔ ان میں سے ایک نے جیب سے پستول نکالی اور یعقوب کا نشانہ باندھنے لگا۔ میں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ میں ابھی بات کو سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ اچانک ایک دھماکہ ہوا‘ گولی چلنے کا دھماکہ اور ساتھ ہی دوسرے دھماکے سے یعقوب ان جلتے انگاروں پر آپڑا۔

اس نے تڑپ کر کروٹ لی اور لڑھکتا ہوا انگاروں سے دور ہو گیا۔ مگر فاریہ کے قدموں میں آگرا اور فاریہ تو سلگتی بھٹی بنی ہوئی تھی۔

”مم .... مجھے معاف کردیں میڈم .... معاف کر دیں۔“

”وہ کون ہے؟“ فاریہ نے سفاکی سے اس کے بال پکڑ کر چہرہ خود سے قریب کرلیا۔

”مم........... میں اسے نہیں جانتا میڈم .... مجھے تو فون پر کہا گیا تھا کہ .... مجھے جو کچھ بھیجا جائے اسے زاریہ تک پہنچا دوں۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ بھیجنے والا کون ہے اور........... اور وہ لانے والی کون تھی۔ خدا کی قسم میڈم مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ زاریہ کو جو چیز جو لفافہ بھیجا گیا ہے اس میں ہیروئن ہے۔“

”جھوٹ بولتا ہے تو!“ میں نے اس کے پیٹ میں لات ماری اور چیخ کر کہا۔ ”تو تو یہ

بھی جانتا ہے کہ وہ بہت مال دار پارٹی ہے۔ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ مجھے مالا مال کر دیں گے۔ کتے تُو تو یہ بھی جانتا ہے کہ میری ماں‘ سوہنی اور ماسی میراں میرے دشمنوں کے قبضے میں ہیں۔ اور........... اور یہ بھی کہ وہ تیری جان کی منہ مانگی قیمت ادا کریں گے........... حرامزادے تُو ان کے لیے اتنا اہم ہے کہ وہ تیرے لیے مجھے لکھ پتی بنا دیں گے۔ تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تُو انھیں جانتا نہ ہو........... بول........... بول وہ کون ہیں........... کون ہیں وہ...........؟“ میں غصے سے پاگل ہو گیا اور میں نے اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔ میں اندھا ہو گیا تھا۔ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا بس اس کے چیخنے کی آوازیں تھیں جو بپھرے ہوئے سمندر کے شور کی طرح چاروں طرف پھیل رہی تھیں۔ اچانک مجھے جکڑ لیا گیا۔ بے بس ہو گیا میں۔ چند لمحوں بعد مجھے ہوش آیا تو نبی بخش‘ جمالی اور گل جان مجھے جکڑے کھڑے تھے۔

”یوں نہیں اقبال........... یہ بے ہوش ہو گیا۔ اس طرح ہم اس سے کیسے معلوم کر سکیں گے۔ کچھ وقت دیا کرو تاکہ مار کھانے والا سنبھل سکے‘ تم شاید نئے ہو اس لیے بے قابو ہو جاتے ہو۔ تشدد کرنا ایک فن ہے اقبال‘ اور وہ تمھیں نہیں آتا۔“ فاریہ نے نرم لہجے میں کہا۔

میں واقعی بے قابو ہو گیا تھا۔ پسینا میری پنڈلیوں پر رینگ رہا تھا۔ میں بے دم ہو کر زمین پر بیٹھ گیا۔ میں نے دیوار سے پشت ٹکا دی اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

”اسے ہوش میں لاؤ۔“ فاریہ نے قادر داد سے کہا۔

قادر داد نے کونے میں رکھا پانی کا جگ اٹھایا اور یعقوب کے چہرے پر انڈیل دیا۔ پانی کے چند قطرے اس کے کھلے ہوئے منہ میں بھی چلے گئے تھے جس سے وہ جلدی ہوش میں آگیا۔ چند لمحے وہ خالی خالی نگاہوں سے چھت کو تکتا رہا مگر جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ وہ موت کے جال میں ہے۔ وہ خوفزدہ ہو کر اٹھ بیٹھا اور سرکتا ہوا فاریہ سے دور ہو گیا۔ اس کی نگاہیں فاریہ پر جمی ہوئی تھیں اور ان نگاہوں میں التجا تھی۔

”میڈم........... مم .... میں سچ کہتا ہوں۔ انھوں نے مجھے جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی اور کہا تھا کہ کل جب ان کا آدمی مجھ تک وہ لفافہ پہنچانے آئے گا تو مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ مجھے جان سے مار دینا ان کے لیے کتنا آسان ہے اور........... اور

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یہ سچ ہی نکلا میڈم جب اس رات .... بلکہ آدھی رات کے بعد اچانک مجھے کسی نے ہلایا تو میں اس عورت کو سرہانے دیکھ کر حیران اور خوفزدہ ہو گیا تھا۔ میں دروازہ لاک کر کے سویا تھا مگر وہ عورت اس وقت میرے سرہانے کھڑی تھی۔ اس نے ایک لفافہ مجھے دے کر کہا تھا کہ اسے زاریہ تک پہنچا دوں ورنہ دوسرے روز میرے کمرے میں میری لاش ملے گی۔ میں .... ڈر گیا تھا میڈم میں ڈر گیا تھا.......... میں سچ کہتا ہوں .... خدا کی قسم میں سچ کہتا ہوں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کمرے میں اس کے رونے کی آواز کے سوا کوئی آواز نہ تھی۔ فاریہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔ نہ معلوم کیوں مجھے لگا جیسے یعقوب سچ بول رہا ہو۔ عین اسی لمحے میں نے فاریہ کی آنکھوں میں بھی یقین کی کیفیت دیکھی۔ مگر لمحہ بھر کو.......... دوسرے ہی لمحے وہ ٹھہرے ہوئے سفاک لہجے میں بول اٹھی۔ "فون کرنے والا کون تھا؟"

"مم .... میں نہیں جانتا.......... میں نے ایسی آواز اس سے پہلے نہیں سنی تھی۔ وہ آواز میرے لیے اجنبی تھی۔"

"اور وہ عورت .... ؟ اس کا حلیہ کیا تھا؟"

"وہ تیس بتیس برس کی لگتی تھی۔ گول چہرہ تھا اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں اس کے پپوٹے کچھ ابھرے ابھرے سے تھے اور رنگت سنہری تھی۔ بال بالکل سیاہ اور بہت لمبے تھے جو چوٹی میں گندھے ہوئے تھے۔"

یعقوب نے ہانپتے ہوئے اس عورت کا حلیہ بتایا۔ پھر وہ قادر داد سے مخاطب ہوا۔ "پپ .... پانی ...."

قادر داد نے فاریہ کی طرف دیکھا۔ فاریہ نے سرہلایا تو اس نے گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھا دیا جسے یعقوب نے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

"ٹھیک ہے یعقوب.......... میں اس حلیے کی عورت کو تلاش کروں گی اور جب تک وہ مجھے مل نہیں جاتی تم یہیں قید رہو گے۔" فاریہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"مم.......... مجھے بھی ساتھ لے چلیں میڈم.......... میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب.......... اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ میں اپنی جان بھی دے دوں گا مگر.........."

"مگر تمھاری جان تو بہت قیمتی ہے یعقوب.......... کسی بھی شخص کو لکھ پتی بنا سکتی ہے اور وہ ساری زندگی عیش کر سکتا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ جھوٹ تھا اقبال صاحب' میں اپنی جان بچانے کے لیے جھوٹ بول رہا تھا آپ سے ورنہ.......... میرا کون ہے جو میری جان کی اتنی قیمت دے گا؟"

"چلو اقبال.........." فاریہ نے سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور میں کھڑا ہو گیا۔

"مجھے لے چلیں میڈم.......... میں ہاتھ جوڑتا ہوں.......... اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں میڈم.......... میں نہیں جانتا تھا کہ اس لفافے میں زاریہ بی بی کے لیے کیا ہے!"

"ابھی نہیں یعقوب.......... اگر تمھاری بات سچ ہوئی تو میں کفارہ ادا کرنے کا موقع ضرور دوں گی۔"

فاریہ نے تیز لہجے میں کہا اور سیڑھی پر قدم رکھ دیا۔

یعقوب چیختا رہ گیا اور ہم اس خوفناک تہہ خانے سے نکل کر کھلی فضا میں آ گئے۔

"اسے ٹارچر نہیں کرنا۔ جب تک میں نہ آؤں اسے کچھ نہ کہنا۔ اس کے لیے قید تنہائی ہی کافی ہے۔ جب آدمی بالکل تنہا ہو اور اسے موت کا خوف گھیرے ہوئے ہو تو وہ بڑی اذیت میں ہوتا ہے۔ فی الحال اس کے لیے یہی اذیت کافی ہے۔" فاریہ نے قادر داد سے کہا۔

"اوکے میڈم!" اس نے فوراً جواب دیا۔

ہم وہاں رکے بغیر اس حویلی سے باہر آ گئے۔ میں نے بڑھ کر دروازہ کھولا اور فاریہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ چند لمحوں بعد ہم پھر شہر کی طرف جا رہے تھے۔

"اقبال .... تمھارے خیال میں یعقوب سچ بول رہا ہے یا جھوٹ؟"

"میڈم .... میرا خیال ہے کہ ہمیں اس پر یقین کر لینا چاہیے۔ ممکن ہے یہی سچ ہو!"

"ہوں.......... میں بھی یہی سوچ رہی ہوں مگر یاد رکھو کہ جب تک وہ عورت ہمیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نہیں مل جاتی ہم یعقوب کو چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتے۔ وہاں یعقوب محفوظ ہے ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ لوگ اسے جان سے مار دیں کیوں کہ وہ کم از کم اس عورت کو شناخت کر سکتا ہے جو اس کے کمرے میں آئی تھی۔"

"یس میڈم' ایسا ہو سکتا ہے۔"

"اقبال اس کا مطلب ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ وہ عورت تمھارے یا میرے کمرے میں بھی آسکتی تھی اور زاریہ کے.........." اچانک وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔" اقبال .... وہ .... زاریہ کے کمرے میں خود بھی تو جا سکتی تھی.......... پھر.......... وہ یعقوب کے پاس ہی کیوں آئی!؟"

"ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے میڈم' یعقوب کے کمرے تک پہنچنا نسبتاً آسان ہے مگر آپ کے یا زاریہ کے کمرے تک پہنچنے کے اسے کئی تالوں کی چابیاں بنوانا پڑتیں اور پھر بھی یہ رسک موجود رہتا کہ ممکن ہے آپ بیگ صاحب یا حمیدہ کوئی اسے دیکھ لیتا' مگر یعقوب کو جان سے مار دینے کی دھمکی دے کر اس سے یہ کام آسانی سے کروایا جا سکتا تھا۔ یعقوب کا کمرا باہر کی جانب ہے' چوکیدار کا کمرا اس کے کمرے سے بہت دور ہے اور آپ سب اندر ہوتے ہیں۔ اپنے بارے میں کہہ نہیں سکتا کہ انھوں نے کیا سوچ کر مجھے چھیڑا نہیں کیا۔ ممکن ہے اس لیے کہ میں آپ لوگوں کے لیے نیا ہوں اور شاید وہ سوچ رہے ہوں کہ میری رسائی زاریہ تک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تو کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

"تم بہت ذہین ہو اقبال.......... تم نے بہت اچھا تجزیہ کیا ہے۔ میں .... میں سمجھتی ہوں کہ ایسا ہی ہوا ہو گا لیکن اس سے ایک بات تو بالکل واضح ہو گئی ہے کہ دشمن بہت ذہین ہے اور حویلی کے اندر کی بہت سی باتیں جانتا ہے۔"

"جی میڈم.......... میرا ذہن تو سیماں اور بہادر کی طرف جارہا ہے۔ وہ آپ کے دشمن ہیں ممکن ہے یہ سارا کھیل انہی لوگوں کا ہو۔ وہ جان گئے ہوں کہ آپ ان کے بارے میں خطرناک ارادے رکھتی ہیں۔"

"اوہ .... اوہ .... اقبال .... یہ .... یہ خیال مجھے کیوں نہ آیا.......... ہاں .... ہاں .... وہی ہو سکتے ہیں .... انھوں نے ہی زاریہ کو اس

نشے کی لت میں مبتلا کیا ہو گا۔ انہی کے کسی آدمی نے .... ہاں .... وہ .... وہ لوگ دشمن ہیں ہمارے .... اوہ اقبال .... یو آر ویری انٹیلی جنٹ۔"

"تھینک یو میڈم .... یہ میرا خیال ہے' اس پر پوری طرح یقین ابھی نہ کریں۔ میڈم' میرا جلد از جلد وہاں چلے جانا آپ کو بہت خطروں سے بچا سکتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں .... کل ...."

"نہیں ...." وہ ایک دم بول اٹھی مگر خود ہی پریشان ہو گئی۔ "اقبال پتا نہیں کیوں یہ خیال آتے ہی مجھے ڈر سا لگنے لگتا ہے۔ جیسے تمہیں بھیج کر میں .... میں بہت کمزور ہو جاؤں گی یا.......... تمہیں خدانخواستہ کچھ ہو جائے گا۔ میں ڈر جاتی ہوں اقبال' تمھاری ماں اور .... اور تمھاری محبت تمھارا انتظار کر رہی ہے مجھے کوئی حق نہیں کہ میں تمہیں ان لوگوں سے جدا کروں۔ میرا کیا ہے اقبال .... میں تو پہلے بھی اکیلی تھی .... کل پھر اکیلی ہو جاؤں گی.......... مگر آج .... آج تمھارے قرب سے مجھے جو .... اوہ .... کچھ نہیں اقبال ...."

اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اس کی حالت عجیب سی ہو گئی تھی۔ اس کے لہجے میں حسرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

"میڈم .... آپ اکیلی نہیں ہوں گی .... میں وہاں رہ کر بھی تو آپ کی حفاظت کروں گا۔ آپ کے گھر پر پھیلے ہوئے موت کے جال کو سمیٹ کر انہی لوگوں پر پھینک دوں گا جو آپ کو پریشان کر رہے ہیں۔ آپ مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ ہی محسوس کریں گی میڈم۔"

"ہاں .... مگر اقبال .... میں .... ان لوگوں کے پھیلائے ہوئے جال سے نہیں ڈرتی .... میں موت سے نہیں ڈرتی مگر.......... اکیلا پن .... اوہ .... چھوڑو ان باتوں کو .... کوئی اور بات کرو پلیز .... یہ فیصلہ بعد میں کریں گے کہ تم .... تمہیں کب جانا ہے۔ میں ہی غلط ہوں شاید .... میں نے تم پر اتنا بھروسہ کیوں کر لیا۔ تمھارے آنے کے بعد میں .... میں کمزور ہو گئی ہوں ورنہ لوگ میرے ماتھے پر شکن دیکھ کر دہل جاتے تھے اور اب .... تو .... شاید میرے ماتھے پر شکن ہی نہیں آتی.........." وہ بالکل ایسے ہی بول رہی تھی جیسے خواب میں بول رہی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہو۔ کبھی کبھی اس کا لہجہ اتنا دھیما ہو جاتا تھا کہ میں بڑی کوشش کے بعد سن پاتا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ مجھے اس کی ذہنی حالت پر شبہہ ہونے لگا بلکہ جب یہ سب کہنے کے بعد اس نے سر کو سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور کتنی ہی دیر تک بے سُدھ پڑی رہی تو میں گھبرا گیا۔ میں سمجھا کہ وہ بے ہوش ہو چکی ہے۔

"میڈم .... میڈم............" میں نے گھبرا کر اس کا شانہ پکڑ کر ہلایا۔

"ہوں............" اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور پھر موند لیں تب مجھے اطمینان ہوا۔ اس کی یہ حالت ٹھیک ہی تو تھی۔ مسلسل تین روز سے اس پر قیامت ٹوٹ رہی تھی۔ وہ بھی آخر کب تک برداشت کرتی میں ہٹا کٹا ہونے کے باوجود پے درپے صدموں اور حیرت انگیز واقعات سے ٹوٹ گیا تھا' وہ تو بے چاری ایک عورت تھی۔

وہ یونہی بے سُدھ آنکھیں موندے پڑی رہی۔ میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ میں دعا مانگ رہا تھا کہ کوٹھی میں سب خیریت ہو تا کہ فاریہ کچھ دیر آرام کر سکے۔ سوا گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ہم کوٹھی پہنچ گئے۔ شام کے ساڑھے تین بجے تھے۔ یہ وقت بیگ صاحب کے سونے کا تھا۔ میں نے گیٹ پر گاڑی روک کر ہارن دیا تو فاریہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ میں نے گاڑی بڑھا دی۔

"ٹھہرو۔" فاریہ نے گاڑی وہیں رکوالی اور چوکیدار کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"سلام بی بی!"

"وعلیکم سلام' کیسے ہو سکندر خان؟"

"آپ کی مہربانی ہے بی بی۔" اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"کوئی تکلیف تو نہیں تمہیں؟"

"نہیں بی بی۔"

"آغا کیسے ہیں؟"

"اب تو بہتر ہیں۔ آپ کو دعائیں دیتے ہیں۔"

"دیکھو سکندر میں بہت مصروف رہتی ہوں۔ تم سے خیریت پوچھنے کا بھی وقت نہیں ملتا۔ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو خود ہی کہہ دینا۔"

"مہربانی بی بی............ بس آپ کی دعا چاہیے۔"

"اور ہاں سنو............ عذرا نام کی کوئی لڑکی آئی تھی؟"

"ہاں بی بی............ ایک بی بی آیا تھا۔ ہم نے نام پوچھ کر پہلے بڑے صاحب کو بتایا پھر اندر چھوڑا تھا اسے۔"

"ہاں............ وہ یہاں رہنے کے لیے آئی ہے۔"

"رہنے کے لیے؟"

"ہاں چلو اقبال............" اور میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے میں نے فاریہ کو آرام کرنے کا مشورہ دیا اور خود بھی اپنے کمرے میں چل پڑا۔

مجھے بھوک بالکل نہیں تھی حالانکہ میں نے صبح ناشتا بھی نہیں کیا تھا بس نیند اور تھکن تھی۔ میں اپنے کمرے میں گیا۔ نہایا اور بستر پر گر کر سو گیا۔

شام کو میری آنکھ کھلی۔ میں کمرے سے باہر آیا اور سیدھا کچن میں چلا گیا۔ میں نے سوچا کہ چائے خود ہی بناؤں گا مگر کچن میں حمیدہ کو دیکھ کر میں اسے چائے کے لیے کہہ کر لان میں چلا آیا۔

چند لمحوں بعد فاریہ اور بیگ صاحب بھی وہیں آگئے۔ فاریہ غالباً سو کر اٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں بوجھل تھیں مگر وہ خود بالکل تروتازہ لگ رہی تھی۔ میں نے بیگ صاحب سے ان کی خیریت پوچھی۔ اس دوران فاریہ اخبار پڑھتی رہی۔ حمیدہ چائے لے کر آئی تو فاریہ نے اس سے زاریہ کی خیریت پوچھی۔

"وہ ٹھیک ہیں۔ عذرا بی بی آگئی تھیں انھوں نے مجھے بھیج دیا تھا اور وہ خود زاریہ کے پاس رک گئی تھیں۔"

"ارے ہاں............ میں تو بتانا ہی بھول گیا تھا۔ تمھارے فون کرنے کے کچھ دیر بعد ہی عذرا آگئی تھی۔ بہت مہذب بچی ہے۔"

"ہاں انکل' اس وقت میری نگاہ اس پر پڑی تھی۔ وہ حالات کی ستائی ہوئی لڑکی ہے' دکھ درد کے معنی جانتی ہے اسی لیے میں نے اس پر بھروسا کر لیا ہے باقی ہماری قسمت۔"

"اور ہاں یعقوب کا کیا بنا؟" بیگ صاحب نے پوچھا۔

فاریہ انھیں تفصیل سے بتانے لگی۔ میں اخبار لے کر بیٹھ گیا۔

"تمھارا کیا خیال ہے کیا وہ سچ بول رہا ہے۔" بیگ صاحب نے فاریہ سے پوچھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"آپ بتائیے انکل' آپ تو شاید اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔"

"یہ سچ بھی ہو سکتا ہے بیٹا اور .... جھوٹ بھی۔ اب تو اپنی زبان سے نکلی ہوئی بات کا بھی اعتبار چلا گیا ہے۔" انھوں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ہوں' انکل اسی لیے میں نے اسے وہیں رکھا ہے۔ میں اس عورت کو تلاش کر لوں گی تبھی اس کی بات پر یقین کروں گی۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ میں دیکھنے کے لیے اٹھنے لگا کہ اسی وقت حمیدہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ میں پھر بیٹھ گیا۔

"فاریہ بی بی .... آپ کا فون ہے۔" اس نے برآمدے ہی سے آواز دی۔

فاریہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ چند لمحے بعد ہی اندر سے فاریہ کے چیخنے کی آواز آئی۔ وہ کسی سے زور زور سے بات کر رہی تھی۔ نہ معلوم کیوں میں بے چین ہو کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"تم کہاں سے بول رہی ہو؟" فاریہ فون پر پوچھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ریسیور کانپ رہا تھا اور اس کی حالت خراب تھی۔

دوسرے لمحے ہی اس نے فون کو کریڈل پر پٹخا اور دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔ "اقبال جلدی آؤ .... زاریہ خطرے میں ہے۔"

میں اندھا دھند اندر کی طرف بھاگا۔ فاریہ کے چیخنے کی آواز شاید بیگ صاحب اور ڈاکٹر طارق نے بھی سن لی تھی۔ وہ لوگ بھی بھاگتے ہوئے اندر آ گئے۔

"کیا ہوا؟" بیگ صاحب چیخے۔

"وہ .... عذرا نہیں ہے انکل' کوئی اور ہے ...." فاریہ نے میرے پیچھے بھاگتے ہوئے جواب دیا۔ ہم سب زاریہ کے کمرے کے دروازے تک بھاگتے ہوئے پہنچے اور پھر میں نے دروازے پر زور دار لات ماری دروازہ لاک نہیں تھا۔

کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔ فاریہ نے غالباً سوئچ ڈھونڈ کر آن کیا تھا مگر روشنی نہ ہوئی۔

"اقبال .... شاید بلب ...." وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اندھیرے ہی میں گرتی پڑتی زاریہ کے بیڈ کی طرف دوڑی مگر شاید کسی چیز سے ٹکرا کر گری۔

"ماچس .... ماچس لاؤ۔" بیگ صاحب کی آواز سے مجھے ہوش آیا۔

میں الٹے قدموں باہر کی طرف بھاگا میں ابھی آدھے رستے ہی پر تھا کہ حمیدہ ماچس ہاتھ میں لیے دوڑتی ہوئی میرے برابر سے گزری۔

"لاؤ .... مجھے دو!" میں تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ ماچس کی تیلی جلائی تو زاریہ کا بیڈ خالی تھا۔

فاریہ ایک دم چیخ اٹھی۔ "زاری کہاں گئی۔ زاری نہیں ہے انکل........... زاری!"

وہ پاگلوں کی طرح باتھ روم کی طرف بھاگی۔

"حمیدہ بی بی .... چوکیدار سے کہو کوئی بلب لائے۔" میں نے پلٹ کر کہا۔ اسی وقت میرے منہ سے سسکاری نکل گئی۔ تیلی پوری جل چکی تھی۔ میری انگلیاں جلیں تو میں نے گھبرا کر تیلی بجھا دی۔

اندھیرے کمرے میں فاریہ اور بیگ صاحب کی آوازیں سمندر کے کسی شور کی طرح محسوس ہو رہی تھیں۔ میں اندھیرے میں بے بس کھڑا تھا۔ ماچس میں انگلی داخل کی تو اس میں صرف ایک آخری تیلی باقی تھی جسے میں نے ابھی جلانا مناسب نہ سمجھا۔ حمیدہ کا ہیولا اندر داخل ہوتا نظر آیا کچھ ہماری نگاہیں بھی اندھیرے کی عادی ہو گئی تھیں۔ میں نے ماچس کی تیلی اور خالی ماچس فاریہ کو تھما دی۔ "میڈم احتیاط سے جلائیے گا' یہ آخری تیلی ہے۔ میں بلب لگاتا ہوں۔"

"ٹھہرو اقبال یہ .... یہ لو لیمپ"۔ فاریہ نے اندھیرے میں لیمپ اٹھا کر میرے قریب کر دیا اور خود تیلی جلا دی۔ میں نے لیمپ میں بلب لگایا لیمپ سے منسلک سوئچ آن تھا' بلب لگاتے ہی کمرا روشن ہو گیا۔ روشنی پھیلتے ہی ہمیں زاریہ نظر آ گئی جو بیڈ کے انتہائی کونے میں آڑھی پڑی تھی۔

"زاریہ..........." فاریہ اور بیگ صاحب اس کی طرف جھپٹے۔ میں نے وہاں رک کر وقت ضائع نہیں کیا اور بھاگتا ہوا ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا جہاں ٹیلی فون رکھا تھا۔ میں نے ڈاکٹر کو فون کیا اور اسے پوری صورت حال کے بارے میں بتایا۔ ڈاکٹر کو فوری پہنچنے کا کہہ کر میں دوبارہ زاریہ کے کمرے میں پہنچا۔

حمیدہ اور فاریہ اس کے ترچھے پڑے بدن کو سیدھا کر کے لٹا چکی تھیں۔ زاریہ بے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوش تھی۔ اس کا رنگ سفید اور اس کے چہرے پر بلا کی کمزوری اور نقاہت تھی۔ فاریہ نے اس پر پانی کے چھینٹے بھی مارے مگر اس کی ساکت پلکوں پر ان ٹھنڈی بوندوں کا اثر نہ ہوا۔ بیگ صاحب پریشان حال کھڑے اسے تک رہے تھے۔ فاریہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور حمیدہ بھی رو رہی تھی۔

میں نے آگے بڑھ کر زاریہ کے کمزور رخساروں پر ہلکے طمانچے لگائے مگر لگتا تھا جیسے اس نے آنکھیں نہ کھولنے کی قسم کھائی ہوئی ہو۔ اس کا تنفس بہت مدھم تھا۔ مجھے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ کمرے میں موت کا سا سکوت چھایا ہوا تھا۔

"اقبال' ڈاکٹر..........!"

"جی وہ آتے ہی ہوں گے۔"

عین اسی وقت سناٹے میں گاڑی کے رکنے کی آواز آئی اور میں لپک کر باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد ہی میں ڈاکٹر کو لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر نے زاریہ کے پپوٹے اٹھا کر دیکھا۔ اس کی پتلیاں چڑھی ہوئی تھیں۔ بیگ صاحب اور فاریہ بیڈ پر جھکے ڈاکٹر کے سپاٹ چہرے کو اور کبھی زاریہ کے بے جان چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر بہت دیر تک زاریہ کا معائنہ کرتا رہا پھر اچانک اس نے سر اٹھا کر بیگ صاحب کو اور فاریہ کو دیکھا۔

"اسے ہاسپٹل لے جانا پڑے گا۔ ابھی.......... فوراً.........." اس کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔ فاریہ اور بیگ صاحب کا رنگ سفید پڑ گیا۔

میں رکے بغیر بھاگتا ہوا پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ بیگ صاحب کی بڑی گاڑی کی چابیاں چوکیدار سے لیں اور اسے بیک کر کے اس حصے کی طرف لے آیا جہاں سے زاریہ کا کمرا قریب تھا۔ گاڑی کا پچھلا حصہ کھول کر میں زاریہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔ فاریہ اور بیگ صاحب زاریہ کو اٹھائے اسی جانب آ رہے تھے۔ میں نے اسے سہارا دیا اور گاڑی کی سیٹ پر لٹا دیا۔ فاریہ اور بیگ صاحب اس کے پاس بیٹھ گئے۔ میں نے فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کی اور تیز رفتاری سے اسے ریورس میں ڈال کر گیٹ تک لے آیا۔ ڈاکٹر بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ ہم دونوں تیز رفتاری سے آگے پیچھے سفر کرتے ہوئے ہاسپٹل پہنچ گئے۔ ڈاکٹر نے فوراً ہی اسٹریچر کا انتظام کر دیا اور زاریہ کو اسی وقت آئی۔ سی۔ یو میں لے گئے۔

میں' فاریہ اور بیگ صاحب یوں تنہا کھڑے رہ گئے جیسے زاریہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی ہو۔ فاریہ کی بہت بری حالت تھی مگر اس نے اپنی قوتِ ارادی سے خود کو سنبھالا ہوا تھا مگر بیگ صاحب تو پہلے ہی دل کے مریض تھے۔ مجھے ان کی طرف سے فکر تھی۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے وہ کانپ رہے ہوں۔ میری نگاہیں ان پر گڑی ہوئی تھیں۔ اچانک یوں لگا جیسے وہ گرنے والے ہوں۔ میں ان کی طرف لپکا اور میں نے انہیں تھام لیا ورنہ واقعی وہ گر گئے ہوتے۔ فاریہ بھی چیخ کر ان کی طرف لپکی۔

"انکل.......... انکل آپ.......... ٹھیک تو ہیں نا؟"

"ہیں.......... ہاں.......... ہاں.......... ٹھیک ہوں۔ اقبال.......... ڈاکٹر کو.........."

انہوں نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ ان کی سانس اکھڑ رہی تھی اور وہ ایک ہاتھ سے اپنے سینے کو دبا رہے تھے۔

ہم کیوں کہ اس وقت اسپتال ہی میں کھڑے تھے اس لیے انہیں فوری طور پر طبی امداد مل گئی ورنہ خدانخواستہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ یہ ان پر دوسرا اٹیک تھا۔ فاریہ تو بالکل ہی نروس ہو گئی تھی اور نروس ہونے کی بات بھی تھی۔ ایک طرف اس کی بہن آئی۔ سی۔ یو میں پڑی زندگی اور موت کی کشمکش سے نبرد آزما تھی تو دوسری طرف بیگ صاحب کارڈیو میں پہنچ چکے تھے۔ خود میری حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی مگر فاریہ کی حالت دیکھ کر میں خود کو مضبوط بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہمیں ڈاکٹر صاحب آتے نظر آئے۔

"ڈاکٹر طارق.........." فاریہ تیزی سے آگے بڑھی۔

"اب وہ خطرے سے باہر ہے۔"

"تھینکس گاڈ!" فاریہ نے آسمان پر نگاہ کی۔ اس کے چہرے کی سفیدی میں کمی ہو گئی۔

"بیگ صاحب چلے گئے؟" ڈاکٹر طارق نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

تب میں نے انہیں ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ وہ پریشان ہو گئے۔ انہوں نے فاریہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا جیسے وہ اسے تسلی دے رہے ہوں۔ پھر مجھے اشارہ کرتے ہوئے اس طرف بڑھ گئے۔ جہاں بیگ صاحب کو رکھا گیا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"میڈم......... سب کچھ ٹھیک ہے اب آپ گھر جا کر آرام کریں۔" میں نے اس سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔ میں اپنے کھوکھلے لہجے پر خود ہی شرمندہ تھا۔

"سب ٹھیک ہے؟" اس نے جلتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ "میں اکیلی رہ گئی۔ ان دونوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا' دونوں مجھ سے غافل ہو گئے اور تم کہتے ہو سب ٹھیک ہے۔" اس کا سلگتا ہوا لہجہ تیز تھا اِدھر اُدھر کے لوگوں نے چونک کر ہماری طرف دیکھا۔

"میڈم......... آیئے گاڑی میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ یہاں......... بہت لوگ ہیں۔" میں نے کہا۔

اس نے بھی شاید ان حیران نگاہوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور ہم باہر کھڑی گاڑی میں آ بیٹھے۔ کچھ دیر تک ہمارے درمیان گہری خاموشی حائل رہی۔ شاید ہم دونوں ہی خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"سوری اقبال........." اس نے سر کو سیٹ کی پشت سے ٹکاتے ہوئے کہا۔ وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح لگ رہی تھی۔ "میں نے زاریہ اور انکل کو ہمیشہ خود سے قریب تر محسوس کیا ہے شاید اسی لیے......... میں ذرا جذباتی ہو گئی تھی۔ میں......... میں ان دونوں میں سے کسی کی بھی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ میرا ان دونوں کے سوا کوئی بھی تو نہیں ہے اقبال۔"

"میں جو ہوں میڈم!"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ اس کی بجھتی ہوئی آنکھوں میں لمحہ بھر کو ایک کرن سی چمکی پھر معدوم ہو گئی۔

"تم؟"

"جی میڈم۔ آپ تنہا نہیں ہیں اور پھر زاریہ اور بیگ صاحب ٹھیک ہو جائیں گے۔ میڈم میں نے تو آپ کو اتنا مایوس کبھی نہیں دیکھا' آپ تو مضبوط قوتِ ارادی کی مالک ہیں۔ دوسروں کو سہارا دینے والی ہیں پھر خود کو سنبھال کیوں نہیں لیتیں!؟"

"مضبوط قوتِ ارادی کی فاریہ کے ساتھ ایک نازک اندام عورت بھی تو ہے۔ وہ عورت جو مسلسل بپھرے ہوئے طوفانوں کا مقابلہ کر رہی ہے اقبال' آخر کب تک؟ باہر سے مضبوط اور اندر سے لرزتی ہوئی اس عورت کے درمیان اصل فاریہ تو کب کی کچل

چکی ہے۔ میں......... میں کیا کروں اقبال......... میں کیا کروں؟" وہ بے اختیار رو پڑی۔

مجھ سے فاریہ کے آنسو برداشت نہیں ہوتے تھے۔ شاید اس لیے کہ میں نے اسے کبھی بہت مضبوط اور کبھی بہت سفاک بھی دیکھا تھا۔ ایسی پتھریلی شخصیت تو اسی وقت رو سکتی ہے جب اندر سے اور باہر سے بری طرح تباہ ہو چکی ہو۔ شاید فاریہ کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

"میڈم......... پلیز کچھ بھی ہو آپ کو ہمت کرنا پڑے گی۔ اگر ایسا نہیں کریں گی تو سوچیئے زاریہ کو سنبھالنے والا کون ہو گا۔ بیگ صاحب کو سہارا دینے والا کون ہو گا۔"

"مس فاریہ!" اچانک ڈاکٹر طارق کی آواز آئی' وہ فاریہ کی کھڑکی کے قریب کھڑے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی ہم دونوں فوراً گاڑی سے اتر آئے۔

"ڈاکٹر!"

"ڈونٹ وری مس فاریہ۔ بیگ صاحب بالکل ٹھیک ہیں۔ زاریہ بھی خطرے سے باہر ہے' اب آپ بے فکری سے گھر جا سکتی ہیں۔" انہوں نے ہونٹوں پر زبردستی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ مگر میں ان کی آنکھوں کے کناروں پر پریشانی کی وہ چمکیلی لکیر دیکھ رہا تھا جو کافی واضح تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ فاریہ کو تسلی دینے کے لیے جھوٹ بول رہے ہیں۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

"کتنی عجیب بات ہے"۔ میں نے دکھ سے سوچا۔ "ہم سب ایک دوسرے سے مخلص ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے جھوٹ بولنے پر مجبور ہیں۔ نہ زاریہ خطرے سے باہر ہے اور نہ بیگ صاحب ٹھیک ہیں۔"

"میں......... میں دونوں سے ملے بغیر گھر کیسے جا سکتی ہوں ڈاکٹر' ان دونوں کو ایسی حالت میں چھوڑ کر کہیں جانے کا تصور ہی میرے لیے خوفناک ہے۔"

"یہ میں نے کب کہا کہ آپ ملے بغیر ہی چلی جائیں۔" اس نے لہجے کو شوخ بناتے ہوئے کہا۔ "چلیے بیگ صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں مگر مس فاریہ' پلیز اپنی آنکھوں کو پونچھ لیں' یہ آنسو بیگ صاحب کو خوشی نہیں دیں گے۔ انہیں زاریہ کے بارے میں خوش خبری سنایئے گا پلیز........."

اور فاریہ نے اپنی آنکھیں رومال سے رگڑ کر صاف کر لیں۔ "چلیے!"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ڈاکٹر طارق ہم دونوں کو لیے ہوئے اس کمرے کی طرف بڑھ گئے جہاں کچھ دیر پہلے بیگ صاحب کو لے جایا گیا تھا۔ یہ ایمرجنسی وارڈ تھا۔ وہاں بیگ صاحب کے علاوہ دو ایک مریض اور بھی تھے مگر ان سب کے گرد پردے کھنچے ہوئے تھے۔

ہمیں دیکھتے ہی بیگ صاحب کے سفید ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"انکل۔ انکل آپ ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں...... ٹھیک ہوں بیٹا۔ وہ .... زاریہ........."

"زاریہ ٹھیک ہے انکل......... آپ سے زیادہ بہتر ہے۔ پوچھ رہی تھی آپ کو...... آنا چاہتی تھی مگر میں نے اسے منع کر دیا۔ ٹھیک کیا نا انکل؟" وہ بڑی بیدردی سے جھوٹ بول رہی تھی۔

"ہاں بیٹا اسے آرام کرنا چاہیے۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئے۔ "اقبال بیٹا تم فاریہ کا خیال رکھنا۔"

"آپ فکر نہ کریں بیگ صاحب۔ میں اپنی ذمے داریوں کو سمجھتا ہوں۔"

"تھینک یو اقبال' تم نہ ہوتے تو میری پریشانیاں بڑھ جاتیں۔"

"پلیز بیگ صاحب' آپ زیادہ باتیں نہ کریں۔ آپ کا آرام کرنا بے حد ضروری ہے۔" ڈاکٹر طارق نے انہیں ٹوک دیا۔ پھر وہ فاریہ سے مخاطب ہوئے۔ "مس فاریہ میرا خیال ہے ہم باہر چلتے ہیں تاکہ یہ سو سکیں۔"

فاریہ بیگ صاحب کی پیشانی پر پیار کر کے کھڑی ہو گئی۔

ہم باہر آ گئے۔

"کیا انکل یہیں رہیں گے؟" فاریہ نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"نہیں میں نے پرائیویٹ روم کے لیے کہہ دیا ہے۔ کچھ دیر میں انہیں وہاں منتقل کر دیا جائے گا۔ یوں تو وہ بہتر ہیں مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ وہ یہاں دو تین روز رہ لیں۔ یہاں انہیں بہتر آرام مل سکے گا اور پلیز ملاقاتیوں کو یہاں آنے سے روکیے گا۔"

"آپ فکر نہ کریں ڈاکٹر صاحب' کہیں تو میں فاریہ کو چھوڑ کر واپس آ جاؤں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں اقبال صاحب' اس کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ میرا خیال ہے کہ فاریہ کو

آپ کی زیادہ ضرورت ہو گی۔ ان کا کوٹھی میں تنہا رہنا مناسب نہیں ہے خاص طور پر ان حالات میں! آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا! بیگ صاحب اور زاریہ کے پاس تو میں ہوں مگر مس فاریہ تنہا ہیں۔"

ڈاکٹر کی بات صحیح تھی۔ میں اور فاریہ دونوں ہی قائل ہو گئے۔ ہم نے ڈاکٹر طارق سے اجازت لی اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر طارق ہمارے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے ہی اندر چلے گئے۔

میرا ذہن الجھا ہوا تھا۔ میں نے گاڑی تیز رفتاری سے اسپتال کے گیٹ سے باہر نکالی۔ فاریہ خاموش تھی ہم بڑی سڑک پر آئے جہاں ٹریفک بہت کم تھا۔ میرے اندر ایک طوفان سا اٹھ رہا تھا۔ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی تھی۔ جانے کس کا فون تھا جس نے فاریہ کو اطلاع دی تھی کہ آنے والی عذرا نہیں۔ میں نے تو صرف سنا تھا کہ آنے والی عذرا نہیں کوئی اور ہے۔ پھر ہم سب ہی بغیر کچھ پوچھے اس کے کمرے کی طرف دوڑ گئے تھے اور وہاں کوئی بھی نہ تھا سوائے بے ہوش پڑی زاریہ کے۔

"اقبال پہلے ہمیں ماڈل ٹاؤن جانا ہے"۔ اچانک فاریہ کی آواز سن کر میں چونک اٹھا۔

"جی بہتر!" میں نے جواب دیا اور گاڑی ماڈل ٹاؤن کی طرف جانے والی سڑک کی طرف ڈال دی۔

"تم نے پوچھا نہیں کہ میں ماڈل ٹاؤن کیوں جا رہی ہوں؟" اس کے لہجے میں طنز تھا۔ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے میڈم۔ یہ آپ کا معاملہ ہے کہ آپ وہاں کیوں جا رہی ہیں۔ میرے خیال میں ماڈل ٹاؤن سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں زندگی میں پہلی بار آج ماڈل ٹاؤن دیکھوں گا۔" میں نے بھی سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ مجھے اس کے لہجے سے تکلیف پہنچی تھی۔

"وہاں عذرا رہتی ہے۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ شاید اسے اپنے سابقہ لہجے کا احساس ہو گیا تھا۔

"میڈم' وہ فون کس کا تھا؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"عذرا کا!"

"جی!" میں اچھل پڑا۔

"مگر اسے تو کوٹھی پہنچنا تھا پھر وہ کیوں نہیں پہنچی اور وہ کون تھی جو اس کی جگہ وہاں آئی؟"

"عذرا نے کہا تھا کہ اسے کوٹھی پہنچنے سے روکا گیا تھا۔ اس نے تو مجھ سے معذرت کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ چوکیدار کی اطلاع کے مطابق تو تم یہاں آئی ہو تب اس نے انکار کیا اور پھر مجھے اتنا ہوش ہی نہ رہا کہ میں اس سے تفصیل پوچھتی۔ اب ہم اسی لیے وہاں جارہے ہیں کہ حقیقت معلوم کی جاسکے۔"

"اوہ.......... اس کا مطلب ہے کہ یہ بات ہم تینوں کے سوا کوئی اور بھی جانتا ہے کہ آج عذرا کو زاریہ کی خدمت کے لیے بلایا گیا ہے۔"

"ہاں.......... حالانکہ جب یہ پروگرام بنا تھا تو کمرے میں سوائے میرے، تمہارے اور عذرا کے کوئی چوتھا فرد نہیں تھا۔ میں بھی حیران ہوں کہ یہ بات ہمارے دشمنوں تک کیسے پہنچ گئی۔"

"میڈم، آپ اس واقعے کی اطلاع پولیس کو دے دیں۔ وہ خود ہی.........."

"بے وقوف ہو تم، یہ معاملات ایسے نہیں کہ انہیں طشت ازبام کیا جائے۔ جانتے ہو یہ بات میرے لیے اور انکل کے لیے کتنی بدنامی کی ہوگی کہ زاریہ ہیروئن پیتی ہے۔ ویسے بھی یہ ایسی بات نہیں کہ پولیس اس کا تدارک کرسکے۔ میں اس معاملے کو اپنے طور پر نمٹانا چاہتی ہوں۔ یوں بھی پولیس پر اعتماد کرنا سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔ یہ اتنے بڑے بڑے کاروبار پولیس کی سربراہی کے بغیر تو نہیں ہو رہے نا۔ پولیس بہت سے معاملوں سے واقف ہے مگر کچھ بھی نہیں کرتی۔ اس لیے کہ ان کی اپنی عیاشیوں کا دارومدار بھی تو ایسے ہی لوگوں پر ہے جو ناجائز کاروبار کرتے ہیں، کالا دھن کماتے ہیں اور پولیس والوں کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہیں۔"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ مجھے اس کی باتوں پر قائل ہونا پڑا۔ "لیکن میڈم، آپ تنہا اس سلسلے میں کیا کرسکیں گی۔"

"میں سب سے پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گی کہ یہ پروگرام لیک آؤٹ

کیسے ہوا۔ دیکھو اقبال مجھے غلط نہ سمجھنا، میں ایسا سوچنے میں حق بجانب ہوں کہ اس پروگرام کی اطلاع دشمن کو پہنچانے والے یا تو تم ہو یا عذرا اور تم دونوں ہی وہ افراد ہو جن پر مجھے بھرپور اعتماد ہے۔ پھر بھی اس سلسلے میں چھان بین کرنا میرا فرض ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں میڈم۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ جس طرح چاہیں اس معاملے کی چھان بین کریں اور مجرم کو قرار واقعی سزا دیں۔ اگر مجرم میں ہوں تو مجھے بھی اور اگر عذرا ہے تو اسے بھی۔" میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"دائیں طرف موڑ لو۔" فاریہ نے ایک ذیلی سڑک کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے گاڑی کو اسی جانب موڑ دیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فاریہ کی ہدایت کے مطابق پھر ایک گلی میں داخل ہوگیا۔ یہ علاقہ بہت صاف ستھرا تھا۔ ہم ایک گرے کلر کے مکان کے آگے رک گئے۔ فاریہ نے اتر کر کال بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔ تقریباً تین چار منٹ تک مسلسل بیل بجانے کے بعد دروازہ کھلا۔ وہی عورت جسے میں نے پہلی بار بس میں دیکھا تھا، دروازے پر کھڑی آنکھیں پٹپٹا رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ سو رہی تھی۔

"مس عذرا ہیں؟"

"وہ تو آپ ہی کے گھر کی طرف گئی ہے۔"

"کس وقت؟" فاریہ نے پوچھا۔

"ایک ڈیڑھ گھنٹا ہوگیا ہے۔"

فاریہ فوراً ہی پلٹ آئی۔ "جلدی چلو اقبال وہ کوٹھی گئی ہے۔" فاریہ نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور میں نے اس کے دروازہ بند کرتے ہی گاڑی اسٹارٹ کردی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔" اس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبائے ہوئے بیٹھی تھی۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑی کی رفتار تیز کردی۔ ہم بیس منٹ بعد ہی کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہو رہے تھے۔ فاریہ نے گیٹ کے پاس گاڑی رکوا کر چوکیدار سے عذرا کے متعلق پوچھا۔

"جی بیگم صاحب.......... ایک لڑکی آیا تھا مگر ہم نے اندر نہیں آنے دیا۔ وہ بولا ہم آدھا گھنٹا میں واپس آئے گا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"افوہ.......... کیا مصیبت ہے۔" فاریہ نے جھنجلا کر کہا۔ میں نے اس کے اشارے پر گاڑی آگے بڑھا دی۔ پورچ میں گاڑی روک کر میں اور فاریہ دونوں اتر آئے۔

"میرے لیے کوئی حکم میڈم!؟"

"ہاں میرے ساتھ چائے پیو' مجھے کچھ باتیں کرنا ہیں۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔"

میں کوئی جواب دیے بغیر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ فاریہ مجھ سے دو قدم آگے تھی۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹک گئی۔ "تم..........!"

میں تیزی سے آگے بڑھا اور سامنے عذرا کو بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ بڑے اطمینان سے صوفے پر بیٹھی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔

"سوری میڈم' چوکیدار نے مجھے اندر آنے سے روک دیا تھا جبکہ میرا آپ سے ملنا بے حد ضروری تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ آپ کس وقت آئیں گی اور کہیں اور جانا میرے لیے ممکن نہ تھا اس لیے میں کوٹھی کی پچھلی جانب سے دیوار کود کر اندر داخل ہوئی اور یہاں آپ کا انتظار کرنے لگی۔"

"دیٹ سو آل.......... معاملہ کیا تھا؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"میں آپ کی ہدایت کے مطابق آفس سے سیدھی گھر گئی تھی۔ وہاں سے میں نے اپنی ضرورت کی چیزیں لیں اور گھر سے باہر آئی تو سڑک کے دوسری جانب ایک درخت کے نیچے خالی ٹیکسی کھڑی تھی۔ میں نے اس سے چلنے کو کہا تو وہ تیار ہو گیا۔ میں نے اسے ایڈریس بتایا اور اطمینان سے بیٹھ گئی۔ کچھ دور چلنے کے بعد ٹیکسی والے نے کہا کہ راستے میں اس کا گھر آتا ہے اگر میں اجازت دوں تو وہ گھر میں کچھ پیسے دے دے تاکہ بیوی کچھ پکا کر بچوں کو کھلا سکے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ بہت غریب ہے اور ٹیکسی کا مالک بہت ظالم شخص ہے۔ پچھلے دنوں اس کی ٹیکسی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ مالک نے اس کی تنخواہ کاٹ لی اور دو روز سے اس کے گھر فاقہ ہے۔ بات ایسی تھی اور ایسے انداز میں کی گئی تھی کہ میں نے اسے اجازت دے دی۔ وہ خوش ہو گیا اور اس نے کہا کہ وہ صرف دو منٹ رکے گا۔ مجھے ایسی کوئی جلدی نہیں تھی' اس لیے میں نے زیادہ خیال نہ کیا۔ راستے میں پکی ٹھٹھی پر اس نے ٹیکسی ایک پتلی سی گلی میں موڑ لی پھر ایک چھوٹے سے مکان کے

دروازے پر رک گیا۔ مجھ سے ایک منٹ کا کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔ دو تین منٹ کے بعد وہ باہر نکلا تو ایک عورت اس کے ساتھ تھی جو غالباً اس کی بیوی تھی۔ میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس اس عورت کے ہاتھ میں ایک گلاس تھا۔ وہ میری کھڑکی کے قریب آئی اور اس نے بڑی لجاجت سے وہ گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے انکار کیا تو اس نے کہا۔ "ہم غریب کوئی اور خدمت تو نہیں کر سکتے بی بی ہمارے گھر کا پانی تو پی لو۔ نیبو کا پانی ہے' ٹھنڈک پڑ جائے گی۔"

اس نے یہ جملہ کچھ اس طرح کہا تھا کہ میں انکار نہ کر سکی اور وہ گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر ایک ہی گھونٹ میں پی گئی۔ ٹیکسی والے نے ٹیکسی اسٹارٹ کرتے ہوئے میرا شکریہ ادا کیا اور گاڑی چلا دی۔ پھر.......... پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ آنکھ کھلی تو میں اپنے گھر میں تھی۔ اماں نے بتایا کہ ٹیکسی والا مجھے وہاں چھوڑ گیا تھا۔ اس نے اماں سے کہا تھا کہ شاید گرمی سے بے ہوش ہو گئی ہوں۔ ٹیکسی والے نے اماں کی مدد سے مجھے گھر میں لا کر لٹایا اور خود واپس چلا گیا۔ اس نے کرایہ بھی نہیں لیا۔ میری آنکھ جیسے ہی کھلی اور معاملہ میری سمجھ میں آیا تو میں نے آپ کو فون کر دیا۔ میڈم یہ سب کچھ اس انداز میں ہوا تھا کہ میں کچھ کر ہی نہیں سکتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ مجھے جان بوجھ کر کوٹھی پہنچنے سے روکا گیا تھا۔" وہ دم لینے کو رکی اور سائڈ ٹیبل پر پڑا گلاس اٹھا لیا جس میں پانی تھا۔

"ہاں.......... اور روکنے والے جو کچھ چاہتے تھے وہ انہوں نے کر لیا۔"

"جی! کیا.......... کیا مطلب؟"

پھر فاریہ نے اسے تمام قصہ سنا دیا۔ یہ سن کر کہ زاریہ اور انکل دونوں اسپتال میں ہیں اس کا رنگ سفید ہو گیا۔ اس کا ہاتھ کانپنے لگا اور اس نے گلاس ٹیبل پر رکھ دیا۔

"سوری۔ سوری میڈم' یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔"

"نہیں عذرا.......... تم کیا کر سکتی تھیں۔ وہ لوگ بہت چالاک ہیں۔ ویسے ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ پروگرام لیک آؤٹ کیسے ہو گیا؟" فاریہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی تیز نگاہیں عذرا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ لگتا تھا جیسے اسے عذرا کی کہانی پر یقین نہ آیا ہو۔

"آں..........؟" عذرا چونک پڑی اور پھر شاید وہ فاریہ کا مطلب سمجھ گئی۔ اس کی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آنکھوں میں لمحہ بھر کو دکھ بھر گیا۔ اسے فاریہ کے اس انداز سے دکھ پہنچا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے کچھ دیر پہلے مجھے پہنچا تھا۔ مگر فاریہ بھی تو مجبور تھی۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہو رہا تھا وہ اگر میرے ساتھ بھی ہوتا تو شاید میں بھی یہی کچھ سوچتا۔

"ہاں عذرا.......... یہ بات تمہیں، مجھے اور اقبال ہی کو معلوم تھی.......... پھر.........."

"سوری میڈم، ایک چوتھا شخص بھی اس پروگرام سے واقف ہو گیا تھا۔ ہم تینوں کی موجودگی ہی میں۔"

"کیا مطلب؟ میرے خیال میں یہ گفتگو میرے کمرے میں ہوئی تھی اور اس وقت وہاں کوئی بھی چوتھا شخص موجود نہیں تھا۔"

"یقیناً.......... آپ کے کمرے میں کوئی چوتھا شخص موجود نہیں تھا میڈم مگر وہ لفٹ مین موجود تھا۔ جب آپ مجھے ایڈریس بتا کر کچھ ہدایات بھی دے رہی تھیں۔ اگر آپ کو اقبال پر بھروسا ہے تو مجھے یقین ہے کہ یہ اطلاع دشمنوں کو دینے والا وہی لفٹ مین ہو گا۔"

اس کی بات سن کر میں اور فاریہ دونوں ہی اچھل پڑے۔ ہم دونوں میں سے کسی کا دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔

"اوہ.......... عذرا.......... تم واقعی ذہین ہو۔" فاریہ نے پُرجوش لہجے میں کہا اور میری طرف اس انداز میں دیکھا جیسے وہ اپنے اس انتخاب پر مجھ سے داد لینا چاہتی ہو۔

"اور آپ کے ساتھ پُرخلوص بھی میڈم۔ آپ کبھی میری وفاداری پر شبہ نہ کیجئے گا۔ مجھے.......... دکھ ہو گا۔"

"سوری عذرا لیکن سوچو اگر میری جگہ تم ہوتیں تو.........." فاریہ نے اچانک جملہ ادھورا چھوڑ دیا پھر مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "اقبال وصی صاحب کو فون کرو۔ ان سے کہو کہ وہ لفٹ مین کو پکڑ کر فوراً یہاں لے آئیں۔ انہیں اور کچھ نہ بتانا لیکن یہ ہدایت کر دینا کہ وہ فرار نہ ہونے پائے۔"

"اوکے میڈم۔" میں نے مستعدی سے جواب دیا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

"میرا خیال ہے میڈم کہ اب وہ نہیں ہو گا۔ ایسی حرکت کرنے کے بعد اسے وہاں

رکنا نہیں چاہیے۔" عذرا نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

وہ ٹھیک کہتی تھی۔ یہی خیال مجھے بھی آیا تھا مگر میں فاریہ کی تسلی کرانا چاہتا تھا۔

دوسری طرف فون کی بیل بجنے لگی۔ کچھ دیر بعد کسی نے ریسور اٹھا لیا۔

"ہیلو.......... کون؟"

"وصی!" دوسری جانب سے آواز آئی۔

میں نے فاریہ کا حکم ان تک پہنچا دیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اسے لے کر پہنچ رہے ہیں۔ میں نے ریسور کریڈل پر رکھ دیا اور فاریہ کو بتایا کہ وصی صاحب لفٹ مین کو لے کر آ رہے ہیں۔

فاریہ نے حمیدہ بی بی سے چائے کے لیے کہا اور ہم وہیں بیٹھ کر وصی صاحب کا انتظار کرنے لگے۔ دس منٹ بعد ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بڑھ کر ریسور اٹھایا۔ دوسری جانب توقع کے مطابق وصی صاحب بول رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ لفٹ خالی ہے اور لفٹ مین کا کمرا بھی خالی ہے۔

"ہوں؟" فاریہ نے استفہامیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا اور وصی صاحب سے کہا۔ "آپ ذرا معلوم کرائیں کہ وہ کہاں ہے اور ہاں اُس کا نام کیا تھا؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

"ادریس.........." دوسری طرف سے وصی صاحب نے جواب دیا۔ "اس کا نام ادریس محمد تھا۔ وہ کرشن نگر کا رہنے والا تھا۔ میں ایڈریس ڈھونڈتا ہوں پھر آپ کو بتاؤں گا ویسے مائنڈ نہ کریں تو مجھے بتائیں گے کہ معاملہ کیا ہے؟"

"آپ میڈم سے بات کر لیں۔" یہ کہہ کر میں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا اور فاریہ کو بتایا کہ وصی صاحب کیا پوچھ رہے ہیں۔

"ہاں مسٹر وصی! جی.......... آپ کیسے ہیں؟"

پھر کچھ دیر وہ کچھ سنتی رہی۔

"جی وصی صاحب معاملہ ذرا سنگین نوعیت کا ہے ورنہ وہ اس وقت غائب نہ ہوتا۔ بہرحال.......... جی.......... ٹھیک ہے آپ تلاش کر کے بتائیں۔" پھر اس نے خدا حافظ کہہ کر ریسور رکھ دیا۔ اسی وقت حمیدہ بی بی چائے لے آئی۔ اس کے چائے بنانے کے دوران

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گہری خاموشی چھائی رہی۔ کمرے میں صرف برتنوں کے ٹکرانے کی آواز تھی یا گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز کمرے میں زندگی پھیلا رہی تھی۔ حمیدہ چائے بنا کر چلی گئی۔ فاریہ خلا میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ عذرا خاموشی سے چائے کی پیالی میں سے اٹھتی ہوئی بھاپ کو تک رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ زاریہ زندہ ہے یا مر چکی۔

ڈاکٹر طارق نے اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی اور اس کی یہی خاموشی مجھے پریشان کیے ہوئے تھی۔ ہمیں تو ابھی تک یہی معلوم نہیں ہوا تھا کہ زاریہ کو ایسی کیا چیز دی گئی تھی جس سے وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس کا ہوش مین آنا بہت ضروری تھا اس لیے اس کی زندگی سب کے لیے ضروری تھی مجھے اندازہ تھا کہ ایک اس کے نہ رہنے سے اس پورے گھر کو تباہی کھا جائے گی۔ انکل زندہ نہ رہیں گے اور فاریہ وہ تو انسان سے کسی طوفان میں تبدیل ہو جائے گی۔ میں نے دل ہی دل میں اس کی زندگی کی دعا مانگی۔

"میڈم۔ آپ پولیس کو اطلاع............"

"نہیں............" فاریہ نے عذرا کی بات کاٹ دی۔ "میں ان درندوں سے خود ہی نمٹنے کی صلاحیت رکھتی ہوں عذرا، میں اتنی آسانی سے تباہ نہیں ہو جاؤں گی۔ وہ مجھے ترنوالہ سمجھ رہے ہیں، بہت جلد انہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں کیا ہوں۔ مجھے اپنی زندگی کی کوئی پرواہ نہیں اور جسے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں رہتی عذرا بیگم! وہ نہ موت سے ڈرتا ہے اور نہ ان ہتھکنڈوں سے، اگر زاریہ کو کچھ ہو گیا تو میں بہادر کا جینا دوبھر کر دوں گی، وہ مجھ سے موت کی بھیک مانگے گا عذرا مگر میں............ میں اسے موت بھی نہیں دوں گی۔ تم دیکھ لینا............ دیکھ لینا تم کہ............"

فون کی گھنٹی کی آواز میں اس کی آواز دب گئی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ میرا خیال تھا کہ دوسری طرف وصی صاحب ہوں گے مگر ڈاکٹر طارق کی آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"یس............!" میں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خوشخبری ہے اقبال۔ زاریہ کو ہوش آ گیا ہے۔ جس وقت تم لوگ گئے ہو مجھے ایک فیصد بھی امکان نہیں تھا۔"

"اوہ تھینکس گاڈ............" میرے منہ سے اطمینان بھری سانس نکل گئی۔

فاریہ نے لپک کر مجھ سے ریسور چھین لیا۔ پھر شاید فاریہ نے بھی وہ خوشخبری سن لی۔ اس کی ویران آنکھوں میں ایک دم زندگی بھر گئی۔ "کیا میں اس سے مل سکتی ہوں ڈاکٹر............ ہاں ابھی............"

دوسری طرف سے شاید ڈاکٹر نے اسے اس وقت نکلنے سے باز رکھا تھا۔ وہ مایوس سی ہو گئی۔ "اوکے ڈاکٹر، لیکن میں سویرے ہی پہنچ جاؤں گی۔" پھر کچھ دیر تک وہ ریسور کان سے لگائے رہی۔

میں عذرا کے قریب جا بیٹھا۔ جو اب خالی پیالی میں اس طرح گھور رہی تھی جیسے وہ اس میں کچھ تلاش کر رہی ہو۔ کچھ دیر بعد فاریہ بھی ریسور کریڈل پر رکھ کر ہمارے قریب آ بیٹھی۔

"میڈم، میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے؟" عذرا نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

ہم دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے لہجے میں ٹھہراؤ اور عزم تھا۔

"کیا مطلب؟" فاریہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"میں............ میں جاؤں گی بہادر کے پاس۔"

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا............ تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ وہ لوگ کس قدر چالاک اور سفاک ہیں۔"

"مجھے یقین ہے میڈم کہ وہ لوگ چالاک اور سفاک ہوں گے مگر میں پھر بھی وہاں جانے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔" اس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

فاریہ کچھ دیر تک اسے غور سے دیکھتی رہی پھر اس نے لمحہ بھر کو میری طرف دیکھا۔

"آپ وہاں کیوں جانا چاہتی ہیں؟" میں نے ایک دم اس سے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ میں وہاں رہ کر میڈم کی اور زاریہ کی حفاظت کر سکتی ہوں۔"

"مگر میڈم اور زاریہ کے لیے آپ خود کو خطرے میں کیوں ڈال رہی ہیں؟"

میرے اس سوال سے عذرا کے چہرے پر ناگواری چھا گئی۔ اس کے جبڑے بھنچ گئے اور آنکھوں میں سرد مہری تیر گئی۔

"مسٹر اقبال کیا آپ مجھ پر کسی قسم کا شک کر رہے ہیں؟"

"سوری مس عذرا، یہ شک نہیں، ایسے حالات میں اس طرح کا سوال کرنا ضروری

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سمجھا جاتا ہے۔"

وہ کچھ دیر اپنے کو نارمل کرنے کی کوشش کرتی رہی پھر اس نے ایک لمبا سانس لیا اور بولی۔ "مس فاریہ میری محسن ہیں مسٹر اقبال' جو خلوص اور محبت مجھے ان سے ملی ہے میں زندگی بھر اس سے محروم رہی ہوں۔ آپ شاید نہیں جانتے کہ مس فاریہ نہ ہوتیں تو میں اس وقت کن عذابوں میں گھری ہوتی' دوسری بات یہ کہ میں دنیا میں بالکل تنہا ہوں۔ میری زندگی تو ویسے ہی رایگاں ہے اگر ایسی ناکارہ زندگی کو میں نے کسی کی خاطر گزار دیا اور کچھ نیکی کر لی تو سمجھوں گی کہ میرے کائنات میں اتارے جانے کا بھی کوئی مقصد تھا۔ دنیا کا جو رنگ میں نے اب تک دیکھا ہے وہاں میں نہیں سمجھتی کہ مجھے پیار' سکھ یا وہ زندگی میسر ہو سکتی ہے جو ہمارے یہاں لاکھوں عورتوں کو میسر ہے۔ میں اپنی اس بے نشان زندگی کو کوئی نام دینا چاہتی ہوں مسٹر اقبال' آپ اگر میری کسی قسم کی آزمائش کرنا چاہیں تو میں حاضر ہوں۔" آخری جملے میں بھرپور طنز تھا۔

میں اس کی باتوں سے بہت متاثر ہوا تھا اور خاموشی سے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا کہ وہ اچانک بول اٹھی۔ "آپ بھی تو میڈم کے لیے خود کو خطرے میں ڈالے ہوئے ہیں مسٹر اقبال.......... کیا میں اس کی وجہ پوچھ سکتی ہوں۔ آپ کا بھی تو ان لوگوں سے کوئی رشتہ نہیں.........."

اس کے سوال نے مجھے اس کے جذبوں کی سچائی سے روشناس کرا دیا۔ وہ ٹھیک ہی تو کہتی تھی۔ جب میں فاریہ اور اس کے مختصر سے گھرانے کے لیے خود کو وقف کر رہا تھا تو کیا اس کے جذبے جھوٹے ہو سکتے ہیں؟

"او کے عذرا' مگر یہ بتاؤ کہ تم وہاں جا کر کرو گی کیا اور وہاں تم کیسے جاؤ گی؟" فاریہ نے پوچھا۔

"کیسے جاؤں گی' یہ تو آپ بتائیں گی اور کیا کروں گی' یہ فیصلہ میں وہاں جا کر اور حالات دیکھ کر ہی بتا سکتی ہوں۔ اپنے وہاں جانے کا مقصد میں نے بتا دیا ہے' اب آپ ہی میرے متعلق فیصلہ کریں گی۔"

"مگر میں وہاں تمہیں بھیج کر تم سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتی۔ اقبال کی بات دوسری ہے۔ وہ مرد ہے' باہمت ہے اور حالات سے نمٹنا جانتا ہے' میں اتنی خود غرض نہیں ہوں

عذرا' کہ اپنی خاطر تمہیں کسی خطرے میں دھکیل دوں۔"

"میڈم' اس خطرے میں کودنے کا فیصلہ میرا ہے' آپ کا نہیں۔ آپ صرف مجھے طریقہ بتائیے کہ میں کس طرح ان لوگوں میں شریک ہو سکتی ہوں' اور دوسری بات یہ کہ میں اقبال کو وہاں بھیجنے کا مشورہ نہیں دوں گی۔ اقبال کے چلے جانے سے آپ' زاریہ اور بیگ صاحب بالکل تنہا رہ جائیں گے۔ جو کچھ آپ اقبال کو وہاں بھیج کر حاصل کرنا چاہتی ہیں' وہ میں بھی کر سکتی ہوں۔"

عذرا بڑی سلجھی ہوئی باتیں کر رہی تھی۔ فاریہ کے بعد میں نے یہ دوسری لڑکی دیکھی تھی جو ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ نڈر بھی تھی۔

فاریہ نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بھی عذرا کی باتوں کی قائل ہو گئی ہو۔ "اقبال تم بتاؤ.......... تمہارا کیا مشورہ ہے؟" فاریہ نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ جب یہ خود ہی وہاں جانے کو تیار ہیں تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ یہ بات بھی یہ ذہن نشین کر لیں کہ ہمارے لیے ان کی جان بہت زیادہ قیمتی ہے' اگر ایسا کوئی خطرہ محسوس کریں تو وہاں سے نکلنے یا ہمیں اطلاع دینے کی کوشش ضرور کریں۔"

"ٹھیک ہے عذرا!" کچھ دیر خاموش رہ کر فاریہ نے کہا۔ "تم میری فیکٹری میں کام کرتی رہی ہو۔ اکاؤنٹ سیکشن میں بھی تم نے کام کیا ہے' ایک یہی صورت ہے کہ تم جا کر سیماں سے ملو اور اسے یہ بتاؤ کہ تم ملازمت چاہتی ہو۔ یہ یاد رکھو کہ ان کی دواؤں کی فیکٹری ہے' جہاں مختلف قسم کی دوائیں بنتی ہیں اور ملک میں اور ملک سے باہر سپلائی کی جاتی ہیں۔ میں کل تمہیں ایسے پمفلٹ فراہم کر دوں گی جس سے تم دواؤں کی فیکٹری کے متعلق کافی معلومات حاصل کر لو گی۔"

"ایک منٹ میڈم!" عذرا نے ٹوکا۔ "یہ دواؤں کی فیکٹری کہاں ہے؟"

"لاہور سے کچھ دور' میرا خیال ہے کہ تقریباً بیس بائیس کلومیٹر پر ایک بہت بڑی فیکٹری ہے۔ بہادر صاحب اس کے ڈائریکٹر ہیں' یوں تو سیماں بھی ڈائریکٹرز میں شامل ہے مگر وہی تمام کام کی دیکھ بھال بھی کرتی ہے۔ مسٹر موہن چند جو ہندو ہیں وہ بھی اس فیکٹری

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

کے ڈائریکٹرز میں شامل ہیں۔ باقی لوگوں کے بارے میں، میں نہیں جانتی۔ موہن چند کے بارے میں اتنا بتا دوں کہ ان کا تعلق بنیا ذات سے ہے، یہ تقسیم ہند سے پہلے بھی میرپور خاص سندھ میں رہتے تھے۔ اور آج بھی ان کی فیملی وہاں مقیم ہے۔ میرپور خاص کے نواح میں ان کے باغات ہیں، ان کے دو بیٹے امریکہ میں ہیں جو وہاں پر اس فیکٹری کے کام نمٹاتے ہیں، اور ان کمپنیز سے رابطہ رکھتے ہیں جو سیماں کی فیکٹری کو وہ پاؤڈرز اور وہ کیمیکل فراہم کرتی ہیں جو دواؤں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ موہن چند خود بھی اکثر وہاں جاتے رہتے ہیں۔ موہن چند کی ایک بیٹی ہے جس کی شادی ایک پارسی ڈاکٹر سے ہوئی ہے اور وہ کراچی میں کلفٹن کے علاقے میں رہتی ہے۔ بہادر صاحب کی ساری فیملی یہیں ہے، اور سیماں اکیلی ہے۔ اس کی ماں کے مرنے کے بعد تمام کاروبار بہادر صاحب نے ہی سنبھالا تھا۔ ایک بات یاد رکھنا عذرا، کہ صورت سے بے حد بھولی بھالی اور سیدھی سادی سیماں قیامت کی چالاک اور شاطر ہے۔ اس کی معصومیت سے کبھی دھوکا نہ کھانا اور کبھی اس کو بے خبر نہ سمجھنا۔" فاریہ دم لینے کو رکی۔ اس نے دیوار پر لگے ایک بٹن کو دبایا۔

کچھ دیر بعد حمیدہ بی بی اندر آ گئی۔ "جی!"

"حمیدہ مجھے پانی پلاؤ اور چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو لے آؤ۔ ہو سکے تو سینڈوچ بنا دو۔"

حمیدہ سر ہلا کر واپس چلی گئی۔ کمرے میں ایک بار پھر گہرا سناٹا چھا گیا۔ میں اور عذرا ہمہ تن گوش تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ فاریہ کی معلومات سیماں اور بہادر کے سلسلے میں بھی کافی تھیں۔

"اور عذرا، وہاں جا کر کچھ عرصے کے لیے ہمیں بھول جانا اس لیے کہ سیماں جب تک کسی سے پوری طرح مطمئن نہ ہو جائے اس پر اعتماد نہیں کرتی، اور ایسا ہونا ہی چاہیے اس کی جگہ اگر میں بھی ہوتی تو یہی کرتی۔ میں کوشش کروں گی کہ خود ہی تم سے کسی طرح رابطہ قائم کروں۔ یہاں سے جانے کے بعد تم قطعی طور پر ہمیں بھول جاؤ گی۔ گھر میں بھی یہی پوز کرنا کہ جیسے اب تمہاری مجھ سے لڑائی ہو گئی ہے۔ میں نے تمہیں فیکٹری میں سب کے سامنے ذلیل کیا ہے اس لیے تم اب میرا نام بھی سننا پسند نہیں کرتیں۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اس کے بعد تم وہاں اپلائی کرنا۔ کہہ دینا کہ تم نے کچھ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عرصہ پہلے دواؤں کی فیکٹری میں کام کیا ہے۔ لاہور میں نہیں کراچی میں۔ کراچی کی ایک کمپنی کے ڈائریکٹر سے میری اچھی دوستی ہے اس کمپنی کا نام اے، کے کمپنی ہے، اس کمپنی کا حوالہ دینا اور بتانا کہ صفدر صاحب نے تمہیں اپائنٹ کیا تھا۔ میں انہیں فون کر دوں گی۔ ٹھیک..........؟"

"تھینک یو میڈم، آپ نے میرا کام بہت آسان کر دیا ہے۔ اب مجھے زیادہ دشواری نہیں ہو گی، لیکن کیا وہ نہیں سوچے گی کہ میں آپ کی فیکٹری سے نکل کر سیدھی اس کے پاس کیوں پہنچ گئی۔"

"لیکن تم ایسا تو نہیں کرو گی۔" فاریہ مسکرائی۔

"کیا مطلب؟" عذرا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یعنی تم سیدھی اس کی فیکٹری نہیں جاؤ گی۔ کچھ دن تم دوسرے دفتروں، فیکٹریوں اور ملز کے چکر کاٹو گی۔ ہر جگہ درخواست دو گی، پھر وہاں پہنچو گی۔"

"اوہ۔ گڈ، یہ تو خیال ہی نہیں آیا مجھے۔" عذرا خوش ہو گئی۔ مجھے بھی فاریہ کی ذہانت پر رشک آ رہا تھا۔

"اوکے میڈم، مجھے اجازت دیں۔" عذرا اٹھتے ہوئے بولی۔

اسی وقت حمیدہ ٹرالی لیے اندر داخل ہوئی۔

"ارے ایسے کیسے؟ چائے آ گئی ہے پی کر جاؤ۔"

عذرا بیٹھ گئی۔ سینڈوچ اتنے خوب صورت بنائے تھے کہ دیکھتے ہی مجھے بھی بھوک لگنے لگی۔ ہم خاموشی سے سینڈوچ کھاتے اور چائے پیتے رہے۔ چائے پی کر عذرا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم کیسے جاؤ گی؟" فاریہ نے پوچھا۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ "میرا خیال ہے رکشا ٹیکسی مل جائے گی!"

"پھر بھی دیر بہت ہو چکی ہے۔ ممکن ہے نہ ملے۔ اقبال تمہیں چھوڑ آئے گا۔"

عذرا نے انکار نہ کیا۔ میں کھڑا ہو گیا۔ گاڑی کی چابی میرے پاس تھی۔ "میڈم آپ حمیدہ کو اپنے کمرے میں بٹھائیں۔ میں چوکیدار کو چوکنا رہنے کے لیے کہہ دوں گا۔ میرے آنے تک آپ کمرے سے باہر نہ آئیں تو مناسب ہو گا۔" میں نے سنجیدگی سے فاریہ کو

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

ہدایت دی۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ ”تم تو ایسے کہہ رہے ہوں جیسے میں بچی ہوں۔ میں بڑے بڑے حالات سے نمٹی ہوں مسٹر اقبال۔ ایک مرتبہ میں نے خود کو اغوا کرنے والے تین غنڈوں کو مار مار کر بھگا دیا تھا۔ تم میری فکر نہ کرو۔ میں اگر اتنی آسان ہوتی تو وہ لوگ زاریہ کو پریشان کرنے کی بجائے مجھ سے ٹکرانے کی کوشش کرتے۔ ویسے یہ ناکام کوشش کر چکے ہیں۔ تم جاؤ جلدی آ جانا۔“

میں فوراً ہی کمرے سے باہر آ گیا۔ میں نے پہلے چوکیدار کو بلا کر اسے بتایا کہ میڈم اکیلی ہیں اس لیے وہ چوکس رہے پھر میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور مین دروازے کے سامنے لے آیا جہاں فاریہ اور عذرا کھڑی تھیں۔ فاریہ عذرا کو کچھ سمجھا رہی تھی۔ چند منٹ کے انتظار کے بعد عذرا گاڑی میں آ بیٹھی اور میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

سڑک سنسان تھی۔ میں تیز رفتاری سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ہم دونوں ہی خاموش تھے۔ کچھ ہی دیر بعد ہم عذرا کے گھر پہنچ گئے۔

”میڈم کا خیال رکھئے گا۔“ عذرا نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

”جی!“ میں نے مختصر جواب دیا۔

وہ خدا حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ میں نے گاڑی آگے بڑھا دی مگر کچھ دور ایک لکڑی کے کھوکے کے پیچھے روک لی۔ میں شیشے میں سے عذرا کے گھر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دروازہ ابھی تک نہیں کھلا تھا اور عذرا غالباً بار بار کال بیل کا بٹن دبا رہی تھی۔ مجھے بے چینی شروع ہو گئی۔ میں گاڑی اسٹارٹ کر کے اس کے گھر کی طرف موڑنے ہی والا تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ اندر سے آتی ہوئی روشنی سڑک پر پھیل گئی۔ میں نے عذرا کو اندر داخل ہوتے دیکھا اور اطمینان بھرا سانس لے کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

جس تیز رفتاری سے میں یہاں آیا تھا اسی تیز رفتاری سے میں واپس پہنچ گیا۔ چوکیدار نے مجھے دیکھ کر گیٹ کھول دیا۔ میں نے گاڑی پورچ میں پارک کر دی اور اتر کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ فاریہ ابھی تک وہاں بیٹھی تھی۔ حمیدہ بی بی بھی وہیں قالین پر بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھی۔ مجھ دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ٹھیک ہے حمیدہ تم جا کر سو جاؤ۔“ فاریہ نے کہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حمیدہ سر ہلاتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

”مسٹر وصی نے دوبارہ فون نہیں کیا اقبال!“

”جی میں معلوم کرتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا اور ریسور اٹھا کر مسٹر وصی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ مسٹر وصی کیوں کہ تنہا تھے اسی لیے وہ فیکٹری کے احاطے میں بنے اس کاٹیج نما گھر میں رہتے تھے جو عام طور پر گیسٹ ہاؤس کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وہاں فون بھی تھا اور ان کے وہاں رہنے سے بے حد سہولت تھی۔ ایک تو یہ کہ وہ رات کی شفٹ کو بھی دیکھ لیتے تھے دوسرے اس قسم کا کوئی کام پڑ جانے پر بھی کام آتے تھے۔

میں نمبر ڈائل کرنے کے بعد دوسری طرف سے ریسور اٹھائے جانے کا انتظار کرنے لگا۔ چند منٹ بعد ہی ریسور اٹھا لیا گیا۔ دوسری طرف مسٹر وصی تھے۔

”جی مسٹر وصی آپ نے جواب نہیں دیا۔ میڈم انتظار کر رہی ہیں۔“

”جی سوری‘ دراصل وہ رجسٹر نہیں مل رہا تھا جس میں ادریس محمد کا ایڈریس اور اس کے دوسرے کوائف درج تھے۔“

”اب مل گیا؟“ میں نے ان کی بات کاٹ کر پوچھا۔

”جی سر مل گیا‘ آپ نوٹ کریں۔“

میں نے فاریہ کو قریب رکھی ٹیبل پر پین اور کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔ فاریہ نے فوراً ہی پین اور کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ پھر وصی صاحب نے مجھے ادریس کا ایڈریس لکھوایا۔ یہ ایڈریس کرشن نگر کا تھا۔ میں نے ایڈریس لکھنے کے بعد مسٹر وصی سے اجازت لی اور ان کا شکریہ ادا کر کے ریسور رکھ دیا۔

فاریہ نے میرے ہاتھ سے کاغذ لے لیا۔

”ہوں۔ کرشن نگر اتنا بڑا نہیں کہ اسے تلاش کرنا مشکل ہو۔ تم نے کرشن نگر دیکھا ہے؟“

”جی میڈم سلطان وہیں رہتا ہے۔ میں دوبار اس کے پاس جا چکا ہوں۔“

”سلطان؟“ اس نے استفہامیہ انداز میں مجھے دیکھا۔

”جی وہ راجہ کا ساتھی جسے راجہ نے میرے گاؤں ماں اور سوہنی وغیرہ کی خیریت معلوم کرنے بھیجا تھا۔ وہ یہاں آیا تھا۔ آپ نے شاید دیکھا ہو؟“

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

”اچھا ہاں........... وہ........... اوہ اقبال میں بہت شرمندہ ہوں کہ تم سے وعدہ کرنے کے باوجود تمہارے گاؤں نہ جا سکی۔“

”نہیں میڈم شرمندہ ہونے کی بات نہیں۔ میں حالات دیکھ رہا ہوں۔“

”اقبال میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ میں وہ وعدہ ضرور پورا کروں گی۔ فلیٹ تو لے لیا ہے میں نے وہ بند ہے اقبال وہ انشاء اللہ اسی وقت کھلے گا جب تمہاری ماں آئیں گی۔“

”آپ فکر نہ کریں میڈم........... میں انشاء اللہ خود جا کر ماں کو لاؤں گا۔ اب میں اقبال ہوں میڈم' بالا نہیں جو سیدھا سادا اور غلام ذہنیت کا مالک تھا۔ ظلم سہنے کی عادت پڑ گئی تھی جسے۔“

”حالات معمول پر آتے ہی ہم دونوں چلیں گے اقبال' ویسے یہ حقیقت ہے کہ تم اب بالا نہیں رہے۔ اقبال! میں یعقوب کے سلسلے میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ تمہیں نیند تو نہیں آ رہی؟“

”نہیں میڈم' ایسے حالات میں نیند کہاں آتی ہے۔ آپ بات کیجئے۔ اس سلسلے میں کچھ باتیں میرے ذہن میں بھی ہیں۔“

”میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ یعقوب جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے یا نہیں؟“

”میرے خیال میں وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے میڈم' میں اپنے بارے میں کوئی دعویٰ تو نہیں کرتا پھر بھی مجھے کچھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ بولنے والا سچ بول رہا ہے یا جھوٹ۔ بقول آپ کے یعقوب کافی عرصے سے آپ کے پاس ہے۔ اس حرکت سے پہلے اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے اس کی شخصیت مشکوک ہوئی ہو۔ اگر اس پر اعتبار کر کے دیکھ لیا جائے تو کچھ فرق نہیں پڑے گا بلکہ بات کھل جانے کے بعد وہ زیادہ محتاط رہے گا' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے کام آئے۔“

”گڈ........... یہی بات میرے ذہن میں بھی تھی۔ دوسری بات یہ کہ عذرا پر تم کس حد تک اعتماد کر سکتے ہو؟“

”کہہ نہیں سکتا میڈم' جب تک ادریس ہمیں نہ مل جائے اور اصل بات سامنے نہ آ جائے اس سلسلے میں کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہو گا۔“

”ٹھیک........... بہرحال اسے بھی دیکھ لیں گے۔ وہ اگر ہمارے کام نہ آ سکی تو ہمیں

نقصان بھی نہیں پہنچا پائے گی۔ سوائے اس کے کہ یہ بتا دے کہ ہم ان لوگوں کے بارے میں کافی کچھ جانتے ہیں۔“

”تم ایک کام کرو' یہ سلطان کیسا آدمی ہے؟“

”نڈر اور بے لوث ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”اگر کسی طرح یہ تیار ہو جائے تو ہم اسے عذرا کے پیچھے لگا کر خاصی معلومات حاصل کر سکیں گے اور اس کی حفاظت کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔ تمہیں سیماں جانتی ہے۔ میرے باقی آدمی اس قابل نہیں کہ ذہانت سے اس کو قابو کر سکیں پھر صورت سے سب ہی بدمعاش لگتے ہیں' اس کے لیے کوئی ایسا آدمی چاہیے ہے جو واقعی نڈر اور بے لوث ہو۔ ذہین ہو اور چہرے مہرے سے شریف آدمی لگتا ہو۔ اگر سلطان میں یہ خوبیاں ہیں تو اسے تیار کرنے کی کوشش کرو۔“

”اسے تیار کرنے کے لیے اسے بہت کچھ بتانا پڑے گا میڈم' اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سے بات کروں۔ وہ بنیادی طور پر شریف آدمی ہے ظالم کا بہت بڑا دشمن ہے' اسے اگر اصل بات معلوم ہو گئی تو وہ فوراً تیار ہو جائے گا۔“

”راز کو راز رکھ سکے گا؟“ فاریہ نے پوچھا۔

”یقیناً۔“

”تو پھر ٹھیک ہے۔ تم بات کرو۔“

”میں کل ادریس کو تلاش کرنے جاؤں گا تو اس سے مل لوں گا۔ پچھلی بار میں نے اسے گاؤں بھیجا تھا ہفتہ بھر سے زیادہ ہو چکا ہے وہ آ گیا ہو گا۔“

”ٹھیک........... تم چاہو تو کچھ دیر آرام کر لو۔ ہمیں صبح سویرے اسپتال جانا ہے۔“

”آپ بھی کچھ دیر سو لیں۔“

”نیند تو شاید نہ آئے مگر آرام کروں گی۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ میں اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تو میں بھی اپنے کمرے میں آ گیا۔ میں نے کپڑے بدلے اور بستر پر لیٹ گیا۔

آنکھیں موندتے ہی سوہنی کا مسکراتا چہرہ نگاہوں میں گھوم گیا مگر فوراً ہی ماں کی وحشت بھری نگاہوں نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا وہ جانے کس حال میں ہو گی۔ اسے آج

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بھی میرا انتظار ہو گا اور میں انجانے چکروں میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ سلطان سے خیریت ملتے ہی میں جلد از جلد گاؤں جانے کی کوشش کروں گا۔ انہیں ایک مرتبہ یہاں لے آؤں تو سکون ہو جائے گا۔ یہ فیصلہ کرکے میں نے کروٹ لی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

جانے کس وقت میری آنکھ لگ گئی۔ دروازے پر ہونے والی دستک سے آنکھ کھلی، میں گڑبڑا کر بستر سے اتر پڑا۔ دروازہ کھولا تو حمیدہ چائے لیے کھڑی تھی۔

"میڈم تیار ہیں اور آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" حمیدہ نے چائے کا کپ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بس میں ابھی آتا ہوں۔"

حمیدہ چلی گئی تو میں نے جلدی جلدی چائے پی اور نہانے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب میں تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو فاریہ ناشتا کر رہی تھی۔

"صبح بخیر میڈم!"

"صبح بخیر، آؤ ناشتا کر لو۔" اس نے مکھن سلائس پر لگا کر پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

ہم نے ناشتہ کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ صبح کے سوا سات بجے تھے۔ میں نے گاڑی نکالی اور ہم بیس منٹ بعد ہی اسپتال پہنچ گئے۔ استقبالیہ سے ہم نے بیگ صاحب کا روم نمبر معلوم کیا۔ ڈاکٹر طارق کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ ایمرجنسی وارڈ میں ہیں اور اس وقت بزی ہیں۔ ہم استقبالیہ کاؤنٹر پر ان کے لیے پیغام چھوڑ کر بیگ صاحب کے کمرے میں پہنچ گئے۔

بیگ صاحب جاگ چکے تھے۔ نرس انہیں دوائیں دے رہی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی ان کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔

"اوہ۔ آؤ۔ بیٹا، میں تم لوگوں کی طرف سے بہت فکر مند تھا۔"

"ہماری فکر نہ کریں انکل.......... بس آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ آپ نہیں تھے تو گھر بہت خالی لگ رہا تھا۔"

فاریہ نے ان کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے جواب دیا اور ان کا ہاتھ تھام کر قریب کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میں تو ٹھیک ہو چکا ہوں بیٹا۔ میں خود بھی گھر جانا چاہتا ہوں۔ یہ اسپتال کا ماحول تو اچھے بھلے آدمی کو بیمار کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ابھی صبح صبح برابر والے کمرے میں مقیم صاحب انتقال کر گئے۔ خدا کی پناہ ایسا شور اٹھا اس کمرے سے کہ میں دہل گیا۔ موت کس قدر ظالم چیز ہوتی ہے۔ نہ رشتے دیکھتی ہے نہ محبتیں، سارا گھر تڑپ رہا تھا اور مرنے والے کے چہرے پر دنیا جہان کا سکون چھایا ہوا تھا۔"

"اوہ انکل پلیز۔ آپ وہاں کیوں گئے تھے؟" فاریہ نے ناراض ہو کر پوچھا۔

"ہنگامے کی وجہ معلوم کرنے گیا تھا۔"

"نہیں انکل.......... آپ کو وہاں نہیں جانا چاہیئے تھا۔ ٹھیک ہے میں ڈاکٹر طارق سے بات کرتی ہوں آپ کو واقعی یہاں نہیں رہنا چاہیے۔"

"گڈ یہ بات کی نا تم نے.......... اور سنو، زاریہ کیسی ہے؟"

"وہ۔ ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے وہ.........." فاریہ اس اچانک سوال سے بوکھلا اٹھی۔

"نہیں اسپتال میں ہے!؟"

جی انکل۔ ابھی تو یہیں ہے، اس کے بارے میں ڈاکٹر طارق سے بات کروں گی۔ دراصل ان سے ابھی میری ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ ایمرجنسی وارڈ میں تھے۔"

"ہاں بیٹا، ہم دونوں گھر پر ہی رہیں گے۔ ایک نرس رکھ لیں گے مگر یہاں.......... یہاں تو اس کے لیے زیادہ خطرہ ہے، طرح طرح کے لوگ آتے ہیں، کسی کے چہرے پر تو نہیں لکھا ہوتا نا کہ یہ کون ہے.......... کیا ہے اور کیسا ہے، کہاں سے آیا ہے اور کیا کرنے آیا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔" فاریہ نے دھیرے سے کہا۔ اس کے چہرے پر پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔

بیگ صاحب نے ٹھیک ہی تو کہا تھا۔ وہ لوگ جب بند کوٹھی تک پہنچ سکتے ہیں تو یہاں بھلا انہیں کون روکے گا۔

"آپ نے ناشتا کیا؟" فاریہ نے بیگ صاحب سے پوچھا۔

"نہیں.......... منگوایا ہے۔"

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پھر کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ ہم سب اپنی اپنی جگہ سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک لڑکا ناشتا لے آیا۔ ناشتے میں ایک ابلا ہوا انڈا' ایک گلاس اورنج جوس اور ایک سلائس تھا۔

"بھلا بتاؤ۔ اتنے لمبے چوڑے آدمی کو یہ ناشتا دیتے ہیں یہاں۔ کمزوری نہ بڑھے تو کیا ہو؟" بیگ صاحب نے شوخ انداز میں کہا۔

میں اور فاریہ ہنس پڑے۔ بیگ صاحب اچھا خاصا ہیوی ناشتا کرنے والے آدمی تھے۔

"اچھا ہے اور بیمار پڑیں۔" فاریہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ذرا ذرا سی بات کو دل پر لے لیتے ہیں۔"

"توبہ ہے بھئی' ہمارے دادا کی بھی توبہ' کچھ بھی ہو' آدمی اپنے گھر میں ہنستا بولتا' کھاتا پیتا مرے۔ بڑی تقویت ہوتی ہو گی مرنے کے بعد مگر یہاں اسپتال میں تو مرنے والا بے چارہ مرنے کے بعد بھی لاغر ہی رہتا ہو گا۔"

بیگ صاحب اس وقت بڑے ہشاش بشاش لگ رہے تھے' یہ دیکھ کر مجھے ان کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا تھا مگر زاریہ کے بارے میں پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ فاریہ کی آنکھوں میں بھی کبھی کبھی فکر تیرتی مگر بیگ صاحب کی وجہ سے وہ جلد ہی خود کو سنبھال لیتی تھی۔ ہمیں آئے ہوئے دس منٹ گزر گئے تھے مگر ڈاکٹر طارق کا کہیں پتا نہ تھا۔ میں کافی دیر بیٹھا پہلو بدلتا رہا پھر مجھ سے برداشت نہ ہوا تو میں ان دونوں سے اجازت لے کر کمرے سے باہر آ گیا۔

میں لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچا اور ایمرجنسی وارڈ کے دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ وہاں سے نکلنے والے ایک ڈاکٹر سے میں نے ڈاکٹر طارق کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا وہ اندر ہیں۔

"پلیز میرا ان سے ملنا بہت ضروری ہے۔ ان تک اگر میرا میسج پہنچ جائے تو.........."

"ایک منٹ۔ میں ابھی آتا ہوں۔ ایک اہم فون کرنا ہے پھر میں ڈاکٹر طارق تک آپ کا میسج پہنچا دوں گا۔"

ڈاکٹر یہ کہہ کر استقبالیہ کی طرف بڑھ گیا جہاں کاؤنٹر کے کونے پر فون رکھا تھا۔ میری نگاہیں اس ڈاکٹر کا تعاقب کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ فون سے فارغ ہو گیا تو مسکراتا ہوا میری طرف بڑھا۔

"جی اب فرمائیے' کیا نام ہے آپ کا؟"

"اقبال' آپ بس میرا نام بتا دیں وہ خود ہی آ جائیں گے۔"

"اوکے' آپ انتظار کریں۔" وہ یہ کہہ کر اندر چلا گیا۔

میں وہیں کھڑا انتظار کرتا رہا۔ میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اچانک کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں اچھل پڑا۔

"اوہ ڈاکٹر طارق.........." انہیں دیکھتے ہی میں بول اٹھا۔

"کیا ڈر گئے تھے آپ؟" وہ مسکرائے۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا جیسے وہ خواہ مخواہ مسکرانے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"نہیں ڈاکٹر' ایسے حالات کا اتنا عادی ہو چکا ہوں کہ اب تو ڈر بھی نہیں لگتا۔ ڈاکٹر.......... میں سچ سننا چاہتا ہوں۔ حقیقت.........." میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ میری بات کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ چند لمحے وہ کچھ سوچتا رہا۔ میں نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ بس اس کے سامنے خاموش کھڑا رہا' اور میری یہی خاموشی اس کے جھوٹ کا پھندا بنی رہی۔

"وہ.......... وہ اب تک بے ہوش ہے اقبال۔" اسے سچ بولنا ہی پڑا۔ "ہم اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بہت طویل بے ہوشی خطرناک ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے وہ.......... طویل عرصے کے لیے کوما میں چلی جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ.......... وہ ہوش میں آئے بغیر ہی.........." وہ جملہ پورا کیے بغیر خاموش ہو گیا۔

"نہیں ڈاکٹر.......... نہیں.......... اسے ہوش میں آنا چاہیے۔ اگر وہ ہوش میں نہ آئی تو ہم کبھی بھی نہ جان سکیں گے کہ وہ.......... وہ کون تھی جس نے اسے اس حال کو پہنچا دیا' اور پھر.......... اسے کچھ ہو گیا ڈاکٹر تو.......... نہ فاریہ بچے گی نہ بیگ صاحب.........."

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"میں جانتا ہوں مسٹر اقبال' ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے کراچی سے ڈاکٹر تجمل کو بھی بلوایا ہے۔ وہ آج شام کی فلائٹ سے یہاں پہنچ رہے ہیں۔ پریشانی صرف یہ ہے کہ فاریہ کو اس صورتِ حال سے زیادہ عرصے تک بے خبر نہیں رکھا جا سکتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کس طرح بتاؤں کہ وہ خود کو سنبھالے رہے اور ہمارے ساتھ پوری طرح تعاون کرے تاکہ ہم اس مشکل صورتِ حال سے نکل سکیں۔"

"اس کی فکر نہ کریں' اسے تو یہ سب کچھ بتانا اب ناگزیر ہو گیا ہے' مگر ڈاکٹر' زاریہ کے ساتھ کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہوئی ہے۔"

"اس کے سر میں شدید چوٹ لگی ہے۔ اسی چوٹ کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوئی اور اب تک ہوش میں نہیں آئی ہے۔ ڈاکٹر تجمل دماغ کے ماہر ہیں۔ ہم نے انہیں اسی لیے بلوایا ہے تاکہ وہ اس کا معائنہ کر کے کوئی فیصلہ کریں۔"

"آپ کا کیا اندازہ ہے ڈاکٹر' کیا ڈاکٹر تجمل اسے ٹھیک کر سکیں گے؟"

"ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا مسٹر اقبال' ان کا جواب اثبات میں بھی ہو سکتا ہے اور انکار میں بھی۔"

میں نے ڈاکٹر طارق کو غور سے دیکھا۔ ان کا چہرہ سپاٹ تھا۔ عجیب سی بے حسی چھائی ہوئی تھی۔ مجھے اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں کس حد تک صحیح ہے۔

"آپ مس فاریہ کو اصل بات بتا کر مجھے اس پریشانی سے نجات دلا سکتے ہیں مسٹر اقبال۔"

"جی ڈاکٹر.......... مگر یہاں نہیں' یہ سب کچھ میں گھر جا کر بتاؤں گا۔ بیگ صاحب کے سلسلے میں آپ کا کیا مشورہ ہے!"

"وہ اب ٹھیک ہیں قدرے بہتر' بس دواؤں کا استعمال پابندی سے ہونا چاہیے۔"

"وہ گھر جانا چاہتے ہیں!"

"لے جائیے بس محتاط رہیے گا۔ کوئی صدمہ یا حادثہ انہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ میری مانیں تو انہیں کہیں بھیج دیجیے' کسی پُرفضا مقام پر' یہاں کا ماحول اور زاریہ سے متعلق کوئی بھی اطلاع ان کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔"

"ڈاکٹر فی الحال کسی ایسی نرس کا انتظام ہو سکتا ہے جو آپ کے نزدیک بااعتماد ہو؟"

"ہوں.......... میں دیکھتا ہوں مسٹر اقبال۔ او کے مجھے اجازت دیں۔ میں رات کو گھر سے ہوتا ہوا آپ کے پاس آؤں گا۔ میرے پہنچنے سے پہلے ہی آپ مس فاریہ کو بتا دیجیے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ کچھ اہم باتوں پر ان سے ڈسکس کروں۔ نرس کا انتظام ہو گیا تو میں لیتا آؤں گا۔ آپ بیگ صاحب کے سلسلے میں متعلقہ شعبے کے ڈاکٹر سے ہدایات لے لیجیے گا۔ ایک بار پھر کہوں گا کہ دوائیں انہیں پابندی سے ملنا چاہئیں۔"

"فکر نہ کریں' میں خود اس بات کا خیال رکھوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

ڈاکٹر طارق مجھ سے ہاتھ ملا کر واپس ایمرجنسی وارڈ میں چلے گئے۔ میں کچھ دیر وہیں گم صم کھڑا رہا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اوپر کیسے جاؤں۔ میں جانتا تھا کہ فاریہ بے حد ذہین ہے۔ وہ میرے چہرے سے حالات بھانپ لے گی۔ مجھے اداکاری نہیں آتی تھی ورنہ میں اپنے چہرے کے تاثرات بدل لیتا۔ میں یہی سوچتا ہوا اسپتال سے باہر آ گیا۔ اسپتال کے گیٹ کے سامنے ہی پان والے کی دکان تھی۔ نہ معلوم کیا سوچ کر میں نے اس سے سگریٹ کا پیکٹ اور ماچس خریدی اور ٹہلتا ہوا واپس اسپتال میں آ گیا۔ سیڑھیوں پر پہنچ کر میں ایک بار پھر رُک گیا۔ میں نے سگریٹ کے پیکٹ سے ایک سگریٹ نکالا اور اسے سلگا کر لمبا کش لیا۔ میں زندگی میں پہلی بار سگریٹ پی رہا تھا' شاید اسی لیے سگریٹ کے پہلے ہی کش نے مجھ پر اثر کیا۔ ایک ہلکا سا چکر آیا اور پھر کچھ سرور محسوس ہونے لگا۔ پھر یوں لگا جیسے میں کچھ سنبھلنے لگا ہوں۔ میں لمبے لمبے کش لے رہا تھا کہ اچانک مجھے کسی نے پکارا۔ آواز بہت دھیمی تھی۔

میں پلٹا اور اپنے سامنے فاریہ کو دیکھ کر گڑبڑا گیا۔ وہ مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ میرے ہاتھ میں سگریٹ تھا اور منہ سے دھواں نکل رہا تھا۔

"سوری میڈم۔" میں نے گھبرا کر سگریٹ پھینک دی۔

"اقبال۔ تم.......... تم سگریٹ پیتے ہو؟"

"جی۔ نہیں۔ جی ہاں۔ بس کبھی کبھی۔ یونہی.........."

"کیا بات ہے اقبال۔ تم بہت پریشان لگ رہے ہو۔"

"نہیں میڈم' ایسی تو کوئی بات نہیں' چلیے گھر چلیں۔"

"گھر..........؟ مگر ابھی تک مجھے زاریہ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر طارق سے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ملنے آئی ہوں میں۔ تم نے معلوم کیا کہ زاریہ کہاں ہے؟ میں اسے دیکھے بغیر نہیں جاؤں گی انکل بھی گھر جانے کے لیے بضد ہیں۔"

"ڈاکٹر طارق مجھے ملے تھے۔ انہوں نے کہا ہے کہ بیگ صاحب گھر جانا چاہتے ہیں تو چلے جائیں اور زاریہ کے بارے میں وہ گھر آ کر آپ سے باتیں کریں گے' ویسے وہ بالکل ٹھیک ہے۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہے تو ہمیں اس سے مل کر جانا چاہیے۔ کس وارڈ میں ہے؟"

"وہ آئی۔ سی۔ یو میں ہے میڈم' اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا۔ میں نے کہا تھا ملنے کے لیے مگر ڈاکٹر طارق نے منع کر دیا ہے' انہوں نے کہا کہ وہ رات کو گھر آئیں گے۔"

"وہ آئی۔ سی۔ یو میں ہے' بے ہوش.......... تو پھر ٹھیک کیسے ہوئی؟ کیا اول فول بول رہے ہو تم.......... کہاں ہیں ڈاکٹر طارق۔" یہ کہتی ہوئی فاریہ استقبالیہ کاؤنٹر پر پہنچ گئی۔ وہ تیز لہجے میں وہاں موجود نرس سے کچھ کہہ رہی تھی۔

"میڈم.......... میڈم.........." میں نے اس کے بالکل قریب جا کر سرگوشی کی۔ "یہاں کچھ نہ کہیں' زاریہ کے متعلق کوئی بات نہ کریں۔"

فاریہ نے چونک کر مجھے دیکھا۔

میں دو چار قدم پیچھے ہو گیا۔ فاریہ فوراً میرے پیچھے آئی۔

"کیا بات ہے؟ کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"میڈم' وہ لوگ چالاک ہیں۔ ڈاکٹر طارق نے اس کے وارڈ کے بارے میں مجھے بھی کچھ نہیں بتایا تو بھلا وہ استقبالیہ پر کیوں بتائیں گے۔ آپ مطمئن رہیں۔ ڈاکٹر طارق کل رات سے اب تک گھر نہیں گئے۔ وہ مستقل زاریہ کے پاس ہیں۔ آپ.......... آپ گھر چلیں میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔ یہاں کوئی بات کرنا مناسب نہیں۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی' پھر شاید بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ لفٹ کی طرف بڑھ گئی میں اس کے پیچھے تھا۔ ہم بیگ صاحب کے کمرے میں پہنچے۔ وہ بیڈ پر لیٹے اخبار پڑھ رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ بیٹھے۔

"بھئی تم لوگ کہاں چلے گئے تھے۔ میں ڈر گیا تھا کہ شاید تم لوگ گھر واپس چلے گئے

ہو۔ میرا سامان تیار ہے۔ تم ڈاکٹر سے بات کر لو........ اور ہاں زاریہ کو بھی لے چل رہے ہو نا؟"

"نہیں انکل' وہ کچھ روز یہاں رہے گی۔ البتہ آپ ضرور ہمارے ساتھ چلیں۔" فاریہ نے نارمل لہجے میں کہا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "اقبال تم ڈاکٹر سے مل لو۔ دوائیں وغیرہ لکھوا لینا۔"

"جی بہتر!" میں کمرے سے باہر آ گیا۔

☆==========☆==========☆

کچھ دیر بعد میں' بیگ صاحب اور فاریہ کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔ سڑکوں پر ٹریفک بہت زیادہ تھا۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ دفتروں اور اسکولوں کو جانے والے بس اسٹاپوں پر کھڑے بسوں کا انتظار کر رہے تھے۔ دکانیں ایک ایک کر کے کھلتی جا رہی تھیں۔ طلوع ہوتے سورج کے ساتھ ساتھ زندگی انگڑائیاں لیتی بیدار ہو رہی تھی مگر ہم تینوں خاموش تھے۔ یوں جیسے بیدار ہوتی اس زندگی سے ہمارا کوئی رشتہ ہی نہ ہو میرا ذہن مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ آنکھوں میں زاریہ کی معصوم صورت تیر رہی تھی' اچانک مجھے اس بھاگتی' دوڑتی' ہنستی مسکراتی زندگی سے نفرت محسوس ہوئی۔

کاش میں زندہ نہ رہا ہوتا۔ کاش میں چوہدری کی حویلی میں آگ لگا کر خود بھی اس آگ میں جل مرتا تو یہ سارے عذاب بھلا کیوں اٹھانا پڑتے' میرا اپنا ہی دکھ کیا کم تھا جو یہ اجنبی دکھ بھی میرے اپنے ہو گئے تھے۔ میں چاہتے ہوئے بھی خود کو ان دکھوں سے بیگانہ نہیں کر پاتا تھا۔ ماں' سوہنی اور ماسی میراں کی جدائی نے مجھے کیا کیا دکھ نہ دیئے تھے' صغرا کی موت نے کیا میرا کلیجہ نہیں پھاڑ دیا تھا کہ اب زاریہ زندگی اور موت کے درمیان معلق تھی۔ لگتا تھا جیسے محبتیں مجھے کبھی راس نہ آئیں گی' جو لوگ مجھ سے پیار کرتے تھے وہ عذابوں میں گھر جاتے تھے۔ خدا جانے مجھ پر کیسی گردش آئی تھی اور جانے یہ کب ختم ہونے والی تھی۔

میں انہی سوچوں میں گم چلا جا رہا تھا کہ اچانک فاریہ نے مجھے ٹوکا۔ "اقبال۔ رکو۔ کہاں جا رہے ہوں؟"

میں نے ایک دم پاؤں بریک پر رکھ دیا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ وہ تو کرم

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوا کہ میری گاڑی کے پیچھے کوئی گاڑی نہیں تھی ورنہ ایکسیڈنٹ ہو جاتا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" فاریہ نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

"کک.......... کچھ نہیں میڈم۔"

"پھر کہاں جا رہے ہو' وہ سڑک تو پیچھے رہ گئی جہاں سے ہمیں مڑنا تھا۔"

"اوہ سوری.........." میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا اور گاڑی سٹارٹ کر لی۔ میں گاڑی کو موڑ کر اس جگہ لے آیا جہاں ہمیں مڑنا تھا۔ میں واقعی اپنی سوچوں میں اس قدر گم تھا کہ راستہ ہی بھول گیا تھا اگر فاریہ احساس نہ دلاتی تو میں جانے کہاں پہنچ جاتا۔

ہم چند منٹ بعد کوٹھی کے گیٹ پر پہنچ گئے۔ چوکیدار نے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا۔ میں نے گاڑی برآمدے کے پاس روک دی تاکہ بیگ صاحب کو زیادہ نہ چلنا پڑے۔ گاڑی روکتے ہی میں اتر آیا۔ بیگ صاحب کو سہارا دینے کے لیے میں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"ارے بیٹا' ابھی اتنا بوڑھا تھوڑا ہی ہوا ہوں کہ اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہ ہو سکوں۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا اور خود ہی اتر آئے۔

"اقبال تم گاڑی پارک کر دو میں انکل کو پہنچا دوں گی۔" فاریہ نے مجھ سے کہا۔

میں نے سر ہلایا اور ان کے اترنے کے بعد میں گاڑی کو پارکنگ میں لے آیا۔ گاڑی کی چابی میں نے چوکیدار کو دے دی اور اسے تاکید کی کہ وہ گاڑی کو اچھی طرح صاف کر دے۔

میں اپنے کمرے میں جانے سے پہلے ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ میں جانتا تھا کہ فاریہ' زاریہ کے سلسلے میں بے حد پریشان ہو گی۔ میری توقع کے عین مطابق فاریہ وہاں موجود تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔

"اقبال تم بہت تھک گئے ہوں گے مگر میری بے چینی بڑھتی جا رہی ہے' مجھے بات بتاؤ پھر تم جا کر آرام کرو۔ مجھے احساس ہے کہ تم ہماری وجہ سے بہت پریشان ہو گئے ہو۔"

"ایسا نہ سوچا کریں میڈم' مجھے اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔"

"یہ تمہارا احسان ہے اقبال جسے میں کبھی فراموش نہیں کروں گی۔ شاید تمہیں

اندازہ نہیں کہ اس وقت تمھاری موجودگی میرے لیے کتنی بڑی ڈھارس ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"سنو' زاریہ کے بارے میں مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ ڈاکٹر طارق سے تمہاری کیا بات ہوئی تھی؟"

میں کچھ دیر تک سوچتا رہا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔ میں جانتا تھا کہ یہ بات فاریہ کو بہت دکھی کر دے گی مگر بتائے بنا چارہ بھی نہ تھا۔ پھر میں نے ہمت کر کے دھیرے دھیرے اسے سب کچھ بتا دیا۔ وہ پتھر کا بت بنی سنتی رہی۔

"میڈم' آپ معاملے کی نزاکت کو سمجھ رہی ہیں نا؟"

"ہوں!" وہ چونک پڑی۔ "ہاں.......... اقبال میں سمجھ رہی ہوں۔ زاریہ موت سے مزید قریب ہو گئی ہے۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا تم؟"

"نہیں میڈم.......... ایسا نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔"

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ٹھیک نہ ہو۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "مگر اقبال.......... یہ بات ہم کیسے جانیں گے کہ اسے اس حال تک پہنچانے والی کون تھی؟"

"سب سے اہم بات یہی ہے میڈم' اور یہ بات ہمیں زاریہ کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔"

"نہیں۔ ٹھہرو.......... حمیدہ.......... ہاں حمیدہ ہمیں اس لڑکی کا حلیہ تو بتا سکتی ہے نا اور چوکیدار بھی۔"

میں اچھل پڑا۔ حیرت انگیز بات تھی کہ اتنی ذرا سی بات کا ہمیں پہلے خیال کیوں نہ آیا۔ ہم حمیدہ اور چوکیدار سے الگ الگ اس لڑکی کا حلیہ پوچھ کر کسی حد تک اندازہ لگا سکتے تھے کہ وہ کون ہو گی۔

"جی میڈم' آپ حمیدہ کو بلائیں۔" فاریہ نے دیوار پر لگا بٹن دبایا۔ چند منٹ بعد ہی حمیدہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

"جی بی بی!"

"حمیدہ یہاں آؤ بیٹھو۔ دیکھو وہ جو لڑکی زاریہ کے پاس آئی تھی' وہ تمہیں یاد ہے؟"

"جی.......... ہاں جی' کچھ کچھ یاد تو ہے۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"مجھے حلیہ بتاؤ اس کا۔ وہ کیسی تھی؟ اس کا رنگ، نقشہ، قد، بال، کپڑے.......... جو کچھ بھی یاد ہو۔"

"وہ جی پچیس تیس برس کے درمیان لگتی تھی۔ گورا رنگ تھا اس کا، بات کرتے ہوئے بار بار آنکھیں جھپکتی تھی، اس نے تیز پیلی قمیض اور تیز گلابی شلوار اور اسی رنگ کا دوپٹا پہنا ہوا تھا۔ ناک نقشہ اچھا تھا۔ اس کی ناک میں سفید رنگ کی بڑی سی لونگ تھی، بڑا لشکارا مار رہی تھی، اور قد.......... قد تقریباً زاریہ بی بی جتنا تھا۔ آپ سے کچھ کم مگر اس نے ہیل پہنی ہوئی تھی جی، پتا نہیں کتنا قد ہو گا۔"

"اچھا.......... اور کچھ.......... کوئی خاص بات.......... یاد کرو۔"

اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔ "بس جی۔ اور تو کوئی بات.........." اچانک وہ چونک کر خاموش ہو گئی۔ جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔

"ہاں ہاں.......... بتاؤ.......... کیا بات ہے؟"

"وہ جی اس کے سیدھے ہاتھ کی پہلی انگلی کا ناخن نہیں تھا۔ میری نگاہ اس وقت پڑی جب اس نے مجھ سے پانی مانگا تھا۔ میں نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے گلاس سیدھے ہاتھ میں تھاما تھا تبھی میری نگاہ اس کی انگلی پر پڑی تھی۔ بہت خوب صورت ہاتھ تھے پر اس انگلی نے عیب دار بنا دیا تھا۔"

"کافی ہے میڈم۔" میں نے فاریہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے حمیدہ تم جاؤ۔ ایک بات کا خیال رکھنا کہ ہماری غیر موجودگی میں کوئی بھی کوٹھی میں داخل نہ ہو۔ یہ ہدایت میں چوکیدار کو بھی کر چکی ہوں۔ دوسری بات یہ کہ انکل کا خیال رکھنا۔ انہیں وقت پر دوا دینا اور ان کے کھانے پینے کا خیال رکھنا کسی کو بھی ان کے کمرے میں جانے نہیں دینا، سوائے ڈاکٹر طارق کے۔ سمجھ گئیں؟"

"جی بی بی، سمجھ گئی۔ وہ.......... زاریہ بی بی کیسی ہیں؟"

"وہ ٹھیک ہے حمیدہ، دعا کرو بالکل اچھی ہو جائے۔" فاریہ نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "جاؤ تم کھانے کا انتظام کرو۔"

وہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے چوکیدار کو بلایا۔ اس نے بھی جو تھوڑی بہت باتیں بتائیں وہ وہی تھیں جو حمیدہ بتا چکی تھی۔ چوکیدار کو اس

کے کپڑوں کا رنگ اور اونچی ہیل کا جوتا ہی یاد تھا یا یہ کہ وہ گوری چٹی اور خوب صورت لڑکی تھی۔

چوکیدار کے جانے کے بعد میں اور فاریہ بہت دیر تک یہی باتیں کرتے رہے کہ ایسے حلیے کی لڑکی ہمیں یاد نہیں تھی، نہ میری نگاہ سے گزری تھی اور نہ ہی فاریہ کے کہنے کے مطابق وہ اس سے واقف تھی۔

"ٹھیک ہے اقبال، اس معاملے کو بھی دیکھیں گے تم فی الحال آرام کرو، دوپہر کے کھانے پر ملاقات ہو گی۔" فاریہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جی میڈم، آپ بیگ صاحب کی دوا کا ٹائم حمیدہ کو سمجھا دیجیے گا۔"

وہ مسکرائی۔ "تھینک یو اقبال، میں نے سمجھا دیا ہے بلکہ میں خود انہیں دوا دوں گی۔"

میں ڈرائنگ روم سے نکل کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ تھکن بدن کے جوڑوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے شاور لیا، ہلکے پھلکے کپڑے پہنے اور بستر پر لیٹ گیا۔ جلد ہی مجھے نیند آگئی۔ سونے سے قبل میں نے کمرے کا دروازہ لاک کر دیا تھا۔ میں اتنا بے خبر سویا کہ آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر میں اچھل پڑا کہ شام کا ملگجا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

میں نے جلدی سے منہ پر چھپکے مارے اور تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ کوٹھی پر گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میرا دل دھڑک اٹھا۔ مجھے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ کسی نے مجھے اب تک اٹھایا کیوں نہیں..........؟ میں تیز قدموں سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ راستے میں حمیدہ بی بی مل گئی۔

"مس فاریہ کہاں ہیں؟"

"جی وہ سو رہی ہیں!"

"اوہ۔ دوپہر انہوں نے کھانا نہیں کھایا؟"

"جی نہیں.......... میں نے انہیں بھی اٹھانے کی کوشش کی تھی اور آپ کو بھی۔ مگر آپ دونوں ہی گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔"

میں مسکرایا۔ یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ وہ گہری نیند سو گئی تھی۔ جانے کب سے اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی اور نہ معلوم حالات کیا رخ اختیار کر لیتے، میں حمیدہ سے چائے کا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کہہ کر لان میں چلا آیا۔ میں نے اسے چائے کے ساتھ کچھ کھانے کی چیزوں کو بھی کہا تھا۔ کھانے کا وقت تو گزر چکا تھا۔ حمیدہ سر ہلا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ میں لان میں آ بیٹھا۔ ٹیبل پر اخبار پڑا تھا۔ میں اخبار پڑھنے لگا۔

کچھ دیر بعد حمیدہ چائے کی ٹرالی لیے وہیں آ گئی۔ "بی بی کو اٹھا دوں؟"

"آں.......... ہاں۔ انہیں اٹھا دو۔ بیگ صاحب کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں جی.......... میں نے دوا دے دی تھی۔ وہ باہر آنا چاہتے تھے مگر میں نے منع کر دیا ہے۔ ہوا ٹھیک نہیں ہے جی۔" اس نے دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا کیا حمیدہ بی بی' ان کا خیال رکھنا اب تمھارا کام ہے۔ بی بی تو بہت مصروف رہتی ہیں' مجھے بھی وقت نہیں ملتا۔ گھر میں اب تم ہی رہ گئی ہو۔"

"آپ فکر نہ کریں جی' مجھ پر بی بی اور بیگ صاحب کے بڑے احسان ہیں' اپنی جان بھی دے دوں گی تو احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتی۔"

"اچھا تم بی بی کو اٹھا دو۔" میں نے چائے کپ میں نکالتے ہوئے کہا۔

"صاحب جی' ایک بات پوچھوں؟"

"ہوں۔ پوچھو!"

"صاحب جی یعقوب کہاں گیا؟"

"آں۔ وہ' کہیں گیا ہے۔ شاید اپنی بیٹی کے گھر۔"

"اس کے تو کوئی بیٹی نہیں۔"

"اچھا۔ تو پھر شاید۔ بیٹے کے پاس گیا ہو۔"

"مگر اس نے تو کہا تھا کہ اس کے کوئی اولاد ہی نہیں ہے۔" وہ مسلسل بحث کر رہی تھی۔

میں جھنجلا گیا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا ہے۔ بس اپنے رشتے داروں میں ہی گیا ہے۔" میرے لہجے کو اس نے محسوس کر لیا تھا وہ جلدی سے پلٹ کر برآمدے کی طرف چلی گئی۔

کچھ دیر بعد فاریہ آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ شاید ابھی ابھی نہا کر نکلی تھی۔ اس کے

لمبے لمبے سیاہ بال اس کی کمر پر لہرا رہے تھے۔ اس کا وجود نکھرا نکھرا سا لگ رہا تھا۔

"ہیلو اقبال۔" اس نے قریب آ کر کہا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ "آج ٹوٹ کر نیند آئی ہے!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کے ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔

"آپ کے لیے بہت بہتر ہوا۔ فریش ہو گئی ہیں۔"

"انکل بھی آ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں تم مجھے قید کرنا چاہتی ہو۔"

میں مسکرایا۔ "اچھا ہے کچھ دیر فریش ہوا میں بیٹھیں تو خود کو بہتر محسوس کریں گے۔"

"مگر مجھے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ "جی فرمایئے۔"

"اقبال تم وہ جگہ تو جان گئے ہو نا جہاں یعقوب کو رکھا گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم وہاں جا کر اسے لے آؤ۔"

"میڈم۔ اگر آپ ساتھ ہوں گی تو.........."

"اچھا.......... تم.......... خیر چھوڑو ہم رات اس سلسلے میں بات کریں گے۔" اس نے برآمدے کی سیڑھیوں کو عبور کرتے ہوئے بیگ صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔

میں بھی سنبھل کر بیٹھ گیا۔ بیگ صاحب چھڑی تھامے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔

"ہاں بھئی بچو' اکیلے اکیلے چائے پی جا رہی ہے؟" انہوں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں انکل آپ کا انتظار کر رہے تھے۔" فاریہ نے جواب دیا۔

"اچھا اقبال.......... بیٹا تم ایک کام تو کرو۔ یہ.......... یہ دوا ختم ہو گئی ہے' یہ گولیاں ہیں' زبان کے نیچے رکھنے سے بڑا سکون ملتا ہے' درد کم ہو جاتا ہے۔" انہوں نے جیب سے پرچہ نکال کر میری طرف بڑھایا۔

میں نے چائے کا آخری گھونٹ لیا اور کھڑا ہو گیا۔

"کیا ابھی جا رہے ہو؟" بیگ صاحب نے پوچھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

"جی............ قریبی میڈیکل اسٹور سے لے آتا ہوں' بھول گیا تو پھر مشکل ہو جائے گی۔" میں نے جواب دیا اور فاریہ سے اجازت لے کر گاڑی کی طرف چل پڑا۔ چوکیدار نے گاڑی صاف کر دی تھی۔ چابیاں سلف میں لٹکی ہوئی تھیں۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور گیٹ سے نکالتا ہوا مین روڈ پر آ گیا۔ میڈیکل اسٹور زیادہ دور نہیں تھا۔ یہ میڈیکل اسٹور شاپنگ پلازہ کے کارنر پر تھا۔ شام کا وقت تھا اس لیے کافی رش تھا۔ میں گاڑی سے اتر کر میڈیکل اسٹور کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے گولیاں خریدیں۔ چیونگم کا پیکٹ خریدا' پیکٹ میں سے ایک چیونگم کھول کر منہ میں ڈال لی اور پیکٹ جیب میں رکھ لیا۔ میں نے دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے میں نے آگے بڑھا دی۔ اچانک مجھے لگا جیسے کوئی چیز میرے پاؤں سے ٹکرائی ہو۔ میں نے ایک دم گاڑی سائڈ پر کر کے روک دی۔ اندر کی لائٹ جلائی تو وہ لفافہ سامنے ہی نظر آ گیا جو میری سیٹ کے نیچے پیروں کے پاس پڑا تھا۔ میں نے جھک کر لفافہ اٹھا لیا۔ لفافہ بالکل سادہ تھا اور بند تھا۔ میں نے لفافہ یونہی جیب میں رکھ لیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے واپس کوٹھی چلا آیا۔

میں نے دوا بیگ صاحب کو دی اور فاریہ سے دو منٹ کی اجازت لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ میں نے جلدی سے لفافہ کھولا۔ اندر خط موجود تھا۔ میں نے خط کھولا اور تحریر کے نیچے نگاہ ڈالی جہاں بھیجنے والے کا نام لکھا تھا۔

نام دیکھ کر میرا دل دھڑک اٹھا۔ وہ عذرا کا خط تھا۔ مجھے حیرت اس بات پر ہوئی کہ یہ خط کب اور کیسے میری گاڑی میں پہنچ گیا۔ میں بہ مشکل چند منٹ میڈیکل اسٹور پر رکا ہوں گا۔

خط بہت جلدی میں لکھا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ رائٹنگ بہت خراب تھی اور صرف ایک جملہ لکھا تھا کہ۔ "ڈاکٹر زیدی ان کا آدمی ہے' زاریہ کا خیال رکھو۔"

تحریر پڑھتے ہی میں تیزی سے باہر نکلا اور تقریباً بھاگتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ ڈرائنگ روم خالی تھا۔ فاریہ غالباً اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ میں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی ڈائری کھولی اور اسپتال کا نمبر تلاش کرنے لگا۔ جلد ہی مجھے اسپتال کا نمبر مل گیا۔ میں نے نمبر ڈائل کیا' دوسری طرف سے فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا گیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آپریٹر کی آواز سنتے ہی میں بول اٹھا۔ "پلیز ڈاکٹر طارق سے ملائیے۔"

"پلیز ڈاکٹر طارق کا پورا نام بتائیے' یہاں اس نام کے تین ڈاکٹر ہیں۔"

"ڈاکٹر طارق رضوی۔" میں نے فوراً ہی جواب دیا۔ "وہ آئی سی یو میں ہوں گے۔ مجھے فوراً بات کرنا ہے' ایمرجنسی پلیز۔"

"اوکے ہولڈ آن پلیز۔" آپریٹر نے جواب دیا اور دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

یہ خاموشی میرے اضطراب کو بڑھا رہی تھی۔ نہ معلوم کیوں میرے اندر خوف پھیلتا جا رہا تھا۔ میں بے حد نروس تھا۔ اس کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب میری کنپٹیوں سے پسینا بہہ کر رخساروں پر آ گیا۔ میں نے ایک ہاتھ جیب میں ڈال کر رومال نکالا اور پسینہ پونچھنے لگا۔ عین اسی وقت فاریہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ ریسیور میرے ہاتھ میں لرز اٹھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ سے سوالات کرے گی' پوچھے گی کہ میں کسے فون کر رہا تھا' اور اگر نہ بھی پوچھا تو ڈاکٹر طارق کے لائن پر آتے ہیں میری گفتگو سن لے گی اور تب............ جانے کیا ہو گا؟ یہ سب کچھ میں نے لمحوں میں سوچ لیا۔

نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں استفہام تھا۔ میں نے لرزتے ہوئے ہاتھ سے عذرا کا خط اس کی جانب بڑھا دیا۔ میں نہیں جانتا کہ اسے پڑھ کر اس کی کیا حالت ہوئی۔ اس لیے کہ میں نے نگاہیں جھکا لیں تھیں اور اسی وقت ڈاکٹر طارق کی آواز آئی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

"ہیلو ڈاکٹر طارق اسپیکنگ!"

"ڈاکٹر............ ڈاکٹر زیدی سے ہوشیار رہیے۔ وہ زاریہ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔ کوئی سوال نہ کیجئے گا' میں وہیں آ کر بتاؤں گا۔" اتنا کہتے ہی میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور خود کھڑا ہو گیا۔

"جلدی۔ ہری اپ............" فاریہ نے کسی کمانڈر کی طرح مجھے حکم دیا اور تیزی سے ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر کمال ضبط کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کی آواز میں مضبوطی تھی اور قدم بھی نہیں لڑکھڑائے تھے۔

ہم تقریباً بھاگتے ہوئے گاڑی تک پہنچے۔ میں نے فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"ایک منٹ گیٹ پر روکنا۔" اس نے کہا۔

میں نے گاڑی گیٹ پر روکی۔ فاریہ نے چوکیدار کو بلایا اسے گیٹ کو تالا ڈال کر بیگ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

صاحب کے کمرے میں چلے جانے کو کہا اور مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔

میں نے سڑک پر آتے ہی ایکسی لیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ میں صرف بارہ منٹ میں اسپتال پہنچ گیا جبکہ گھر سے اسپتال عام طور پر بیس پچیس منٹ میں پہنچا کرتا تھا۔ راستے میں خاموشی رہی۔ میرا سارا دھیان ڈرائیونگ کی طرف تھا اور فاریہ کا غالباً زاریہ کی طرف۔ اسپتال میں داخل ہوتے ہی میں نے گاڑی پارک کی۔ میرے اترنے سے پہلے ہی فاریہ اتر کر اسپتال کے اندرونی حصے کی طرف دوڑتی چلی گئی تھی۔

گاڑی لاک کرکے میں بھی اس کے پیچھے لپکا۔ کوریڈور ہی میں ہمیں ڈاکٹر طارق مل گئے۔ فاریہ نے انہیں عذرا کا خط دکھایا اور انہیں بتایا کہ زاریہ شدید خطرے میں ہے۔ اس دوران ہم رکے نہیں تھے۔ بلکہ تیز قدموں سے آئی سی یو کی طرف بڑھتے رہے تھے۔ شاید ڈاکٹر طارق اس بارے میں کافی کچھ جانتے تھے۔ انہوں نے اس معاملے کو اتنی ہی سنجیدگی سے لیا تھا جتنا کہ فاریہ اور میں نے۔

"مس فاریہ آپ فکر نہ کریں۔ اقبال صاحب کے فون کے بعد میں نے اسٹاف کو خصوصی طور پر ہدایت کر دی تھی کہ میرے آنے تک کسی بھی حال میں کوئی بھی اندر داخل نہ ہونے پائے۔"

"ڈاکٹر۔ یہی وجہ تھی کہ میں اس کے پاس رہنا چاہتی تھی مگر آپ.........."

"آئی ایم سوری مس فاریہ وہاں کوئی بھی نہیں رک سکتا۔"

"میں باہر بیٹھی رہتی' شیشے کے اس پار سے اسے دیکھتی رہتی مگر.........."

فاریہ کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں زاریہ کو رکھا گیا تھا میں اور فاریہ باہر ہی رہ گئے۔ ڈاکٹر طارق نے ہمیں اندر آنے سے روک دیا۔ وہ خود اندر چلے گئے۔ چند منٹ بعد ہم سے چند قدم آگے ایک شیشے کے اندر کی جانب پڑا ہوا پردہ سرک گیا۔ دوسری جانب ڈاکٹر طارق تھے۔ میں اور فاریہ لپک کر اس شیشے کے پاس پہنچ گئے۔ ڈاکٹر طارق نے "سب ٹھیک ہے" کا اشارہ کیا اور خود ان مشینوں سے الجھ گئے جو زاریہ کے سرہانے اور دائیں جانب رکھی تھیں۔

زاریہ کا چہرہ بالکل سامنے تھا۔ وہ کسی لاش کی مانند بے حس و حرکت پڑی تھی۔ میں نے اپنی نگاہیں اس پر پڑی سفید چادر پر گاڑ دیں۔ میں اس کے تنفس کو محسوس کرنا چاہتا

تھا مگر اتنی دور سے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مُردہ ہو چکی ہو۔ میں نے کن انکھیوں سے فاریہ کی طرف دیکھا' اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا' آنکھوں میں کرب پھیلا ہوا تھا مگر پھر بھی اس کے چہرے سے سختی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے۔

میں نے پھر شیشے کے پار دیکھا جہاں ڈاکٹر طارق ایک کمپیوٹر جیسی کسی مشین سے الجھے ہوئے تھے پھر انہوں نے پلٹ کر ہماری طرف دیکھا۔ مسکرانے کی ناکام کوشش کی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔ میں اور فاریہ دم سادھے خاموش کھڑے تھے۔ چند لمحے بعد اندرونی دروازہ پھر کھلا۔ اس بار ڈاکٹر طارق کے ساتھ ایک نرس بھی تھی۔ ڈاکٹر طارق نرس کو کچھ سمجھاتے رہے' وہ سرہلاتی رہی پھر زاریہ کے بیڈ کے دائیں جانب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی اور ڈاکٹر طارق باہر چلے گئے۔

میں بہ غور اس نرس کو دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا جیسے میں اس نرس کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔ میں نے ذہن پر بہت زور ڈالا مگر کچھ یاد نہ آیا۔

"اقبال.......... میرا دل گھبرا رہا ہے۔" اچانک فاریہ کی آواز نے مجھے خیالوں کی دنیا سے چونکا دیا۔

"میڈم۔ سب کچھ ٹھیک ہے' شکر کیجئے کہ ہم بروقت پہنچ گئے ورنہ.........."

"پتا نہیں اقبال.......... مجھے نہیں لگتا کہ سب کچھ ٹھیک ہو گا۔ میری چھٹی حس کسی بہت بڑے خطرے کا احساس دلا رہی ہے۔"

"ممکن ہے کہ یہ آپ کا وہم ہو میڈم۔"

"یہ نرس کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا' لیکن وہ یقیناً ڈاکٹر طارق کی جاننے والی ہو گی ورنہ وہ اس پر اتنا اعتماد نہ کرتے کہ ایسے خطرے کے وقت اسے زاریہ کے کمرے میں تنہا چھوڑ دیں۔"

"یہاں کون اعتماد کے قابل ہے اقبال.........." یہاں تو خود اپنے سائے سے بھی ڈر لگتا ہے۔" فاریہ نے ٹوٹے لہجے میں جواب دیا۔

میں اسے تسلی دینے کے لیے الفاظ ہی تلاش کر رہا تھا کہ ڈاکٹر طارق آ گئے۔

"مس فاریہ' زاریہ بالکل ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ کو گھر واپس چلے جانا چاہیئے تاکہ میں اپنے فرائض کسی ٹینشن کے بغیر ادا کر سکوں۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"مگر ڈاکٹر.......... میں زاریہ کے پاس رکنا چاہتی ہوں۔ میں ایسے حالات میں اسے تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی۔"

"وہ تنہا نہیں ہے مس فاریہ' میں اور تبسم اس کے پاس ہیں۔ آپ اس سلسلے میں بے فکر رہیں۔ اس کی جان کی حفاظت کرنا ہم دونوں کا فرض ہے۔ آپ نے اچھا کیا کہ مجھے اس خطرے سے آگاہ کر دیا ورنہ ممکن ہے مجھ سے چُوک ہو جاتی' اب آپ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں ایک لمحے کے لیے بھی اسے تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔" ڈاکٹر طارق نے فاریہ کو سمجھانے کے سے انداز میں کہا۔

"تبسم کون ہے؟" فاریہ نے پوچھا۔

"وہ نرس!" ڈاکٹر طارق نے شیشے میں اس نرس کی طرف اشارہ کیا۔

"ڈاکٹر طارق کیا وہ.........."

"جی مس فاریہ!" ڈاکٹر طارق نے فاریہ کی بات کاٹ دی۔ "وہ قابلِ اعتماد لڑکی ہے' میں اسے سات سال سے جانتا ہوں۔ اس اسپتال کے بعد وہ میرے کلینک میں میری مدد کرتی ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔ یہ میری ذمے داری ہے۔ میں حالات کی نزاکت سے بھی واقف ہوں اور آپ لوگوں کی پریشانی سے بھی' آپ کو مجھ پر اعتماد کرنا چاہیے مس فاریہ' دوسری بات یہ کہ ڈاکٹر تجمل یہاں پہنچ گئے ہیں۔ وہ کل صبح زاریہ کا آپریشن کریں گے۔ مجھے نوے فیصد امید ہے کہ زاریہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو ڈاکٹر.......... ورنہ.........." فاریہ نے نڈھال لہجے میں کہا۔

"ڈونٹ وری مس فاریہ' آئی ایم شور کہ ایسا ہی ہو گا۔"

فاریہ نے لمحہ بھر کو مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ بھی نہ تھا' یوں جیسے وہ خلاؤں میں تک رہی ہو۔

"مسٹر اقبال' آپ مس فاریہ کو لے جائیں۔ میں فون پر آپ سے رابطہ رکھوں گا لیکن پلیز آپ فون نہ کیجئے گا کیوں کہ ممکن ہے اس وقت میں مصروف ہوں۔ میں خود ہی آپ کو فون کرکے اس کی خیریت بتاتا رہوں گا۔"

ٹھیک ہے ڈاکٹر مگر آپ نے ڈاکٹر زیدی کے لیے کیا کیا؟"

"میرے اور تبسم کے سوا اسپتال کا ایم ایس بھی اس کمرے میں داخل نہیں ہو

سکتا۔ میں نے ایسا انتظام کر دیا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔

"تھینک یو ڈاکٹر.......... تھینک یو۔"

"ویل کم.......... او کے' سی یو۔"

"او کے۔" میں نے جواباً کہا اور بیرونی گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ فاریہ بھی میرے ساتھ قدم سے قدم ملائے چل رہی تھی۔ ہم پارکنگ لاٹ میں آئے۔ میں نے گاڑی کا دروازہ کھول کر فاریہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا' وہ گم صم سی ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے دروازہ بند کیا اور گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ گیا۔

ہم خاموشی سے آگے بڑھتے رہے۔ شام گہری ہو گئی تھی۔

"اقبال' کسی پی سی او سے گھر فون کرکے انکل کی خیریت معلوم کرو۔" اچانک فاریہ نے کہا۔

میں نے سر ہلایا اور دونوں جانب پی سی او کی تلاش میں نظریں گھماتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ اچانک ہی میری نگاہ ایک پوسٹ آفس پر پڑی۔ میں نے وہاں سائیڈ پر گاڑی روک دی۔ فاریہ گاڑی ہی میں بیٹھی رہی۔ میں اتر کر پوسٹ آفس میں چلا گیا۔ وہاں میں نے گھر فون کیا۔ فون حمیدہ نے اٹھایا اور میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ بیگ صاحب سو رہے ہیں' چوکیدار انہی کے کمرے میں ہے اور سب خیریت ہے۔ میں نے اسے زاریہ کی خیریت بتائی اور اسے بیگ صاحب کا خیال رکھنے کی ہدایت کرنے کے بعد فون رکھ دیا۔

حمیدہ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ہم کب تک واپس آئیں گے مگر اس بارے میں' میں خود بھی نہیں جانتا تھا کہ فاریہ کا کیا پروگرام ہے۔ فون کرنے کا مطلب تو یہی تھا کہ ہم سیدھے گھر نہیں جائیں گے ورنہ وہ بیگ صاحب کی خیریت فون پر معلوم نہ کرواتی۔ میں نے حمیدہ سے کہہ دیا کہ ہم کچھ ضروری کام نمٹا کر ہی گھر آئیں گے' ممکن ہے ہمیں دیر ہو جائے اور ممکن ہے کہ ہم جلدی گھر پہنچ جائیں۔

میں واپس آیا تو فاریہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے اداس بیٹھی تھی۔ میری آہٹ پر اس نے چہرہ گھما کر میری طرف دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے' بیگ صاحب سو رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور فاریہ کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دیکھا۔

"کہیں چائے پئیں گے' کچھ باتیں کریں گے' کسی اچھے سے ریستوران میں چلو جہاں سکون ہو۔" فاریہ نے سر کو پھر سیٹ کی پشت سے ٹیکتے ہوئے کہا۔

"یس میڈم۔" میں نے مستعدی سے جواب دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

تقریباً پندرہ بیس منٹ کی رننگ کے بعد میں نے گاڑی جی ٹی روڈ پر ڈال دی۔ اس روڈ پر ایک ریستوران تھا جہاں میں ایک بار پہلے بھی گیا تھا۔ میں نے اس ریستوران کے سامنے گاڑی روک دی۔ ریستوران کے احاطے کے اندر لان تھا' جہاں کرسیاں ٹیبل پڑی ہوئی تھیں۔ ہر ٹیبل کے درمیان کافی فاصلہ تھا اور ہر ٹیبل پر ایک خوبصورت لیمپ روشن تھا۔ یہاں کا ماحول' بے حد پُرسکون اور خوبصورت تھا۔ فاریہ نے اندر داخل ہو کر چاروں طرف دیکھا اور مجھے دیکھ کر مسکرائی۔

"کافی باذوق ہو!"

"تھینک یو میڈم' مجھے اونچی دیواروں کے درمیان بیٹھنے سے کھلی فضا میں بیٹھنا پسند ہے۔ میں ایک ایک بار پہلے بھی آ چکا ہوں۔"

"تم نے یہ جگہ ڈھونڈی کیسے تھی۔ میں یہاں کی رہنے والی ہوں مگر اس جگہ سے ناواقف تھی۔"

"اتفاقاً لنچ کیا تھا۔" میں نے مختصر جواب دیا اور ایک گھنے درخت کے نیچے رکھی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے کرسی کھینچ کر فاریہ کو بٹھایا اور دوسری کرسی کھینچ کر خود بھی بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سفید براق وردی میں ملبوس ویٹر ہمارے قریب آ گیا۔ جس نے سر پر ہرے رنگ کی پگڑی باندھی ہوئی تھی اور کمر پر ہرے رنگ کی بیلٹ کسی ہوئی تھی جس کے کنارے سنہری تھے۔

"یس سر!"

"چائے......... اور سینڈوچز" فاریہ نے آرڈر دیا۔

وہ سر ہلا کر واپس چلا گیا۔

فاریہ کچھ دیر تک چاروں طرف دیکھتی رہی۔ ہمارے قریب کوئی نہ تھا۔ ایک دو ٹیبلز پر جو ہم سے کافی فاصلے پر تھیں' کچھ لوگ بیٹھے تھے۔

"اقبال' میں نے یعقوب کے سلسلے میں تم سے پہلے بھی بات کی تھی۔ میں اس پر اعتماد کر کے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"جی میڈم اور میں نے آپ کے اس فیصلے کی تائید کی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ ٹھیک کہتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے مقاصد سے ناواقف تھا۔ اسے نادانستگی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ میں نے اسے آپ کے لیے اور گھر کے دوسرے افراد کے لیے پریشان ہوتے بھی دیکھا ہے میڈم۔"

اس نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا۔ "میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمارے لیے یہ مشکل ہو گا کہ ہم کسی نئے آدمی پر اعتماد کریں ہاں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ میں گل جان کو کوٹھی میں لے آؤں' وہ بے تحاشا طاقت ور اور بے حد وفادار ہے۔ میں اسے ہزارہا موقعوں پر آزما چکی ہوں۔ وہ واقعی ان لوگوں میں سے ہے جو آنکھ بند کر کے مالک کے لیے جان دے دیتے ہیں اور لے بھی لیتے ہیں۔ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ جس کی وہ جان لے رہے ہیں وہ ان کا اپنا خون ہے۔ گل جان انکل بیگ کی وفاداری میں اپنے چچا کا خون کر چکا ہے۔ اس کے اسی وحشی پن کی وجہ سے میں نے اسے شہر سے باہر اس قلعے میں رکھا ہوا ہے۔"

"اگر وہ ایسا ہے میڈم تو اس سے بہتر کوئی بھی شخص نہ ہو گا جسے گھر پر چھوڑ کر ہم مطمئن ہو سکیں۔ ہمیں آج ہی اسے اور یعقوب کو گھر لے آنا چاہیے۔" میں نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"آج تو نہیں' البتہ ہم کل صبح ہی اسے لے آئیں گے۔ آج تم ایک کام کرو' ادریس کو تلاش کرو اور وصی صاحب سے معلوم کرو کہ آفس کا ریکارڈ تو محفوظ ہے نا' یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ادریس سے کوئی اور کام بھی لیا ہو۔"

"جی میڈم۔ میں ادریس کے متعلق آج ہی معلوم کر لوں گا۔ مجھے سلطان کی طرف جانا بھی ہے۔ میں نے کچھ سامان گاؤں بھیجا تھا۔ شاید سلطان آ گیا ہو۔ ماں' ماسی میراں اور سوہنی کی خیریت بھی معلوم کرنا ہے۔"

"میں بہت شرمندہ ہوں اقبال........."

"نہیں میڈم پلیز........." میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہ شرمندہ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہ گئی۔

میں نے چائے ختم کر کے چاروں طرف دیکھا پھر فاریہ سے مخاطب ہوا۔ ”چلیں میڈم!“

”ہاں.......... چلتے ہیں..........“ اس نے بجھے بجھے انداز میں جواب دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ یہاں مزید بیٹھنا چاہتی ہو۔

”اگر آپ بیٹھنا چاہتی ہیں تو..........“

”نہیں.......... ایسی بات نہیں' بس میری طبیعت کچھ عجیب سی ہو رہی ہے' میرا دل کسی بھی جگہ' کسی بھی کام میں نہیں لگ رہا۔ گھر جانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا۔“

”پھر آپ ایسا کریں کہ میرے ساتھ چلیں' کام بھی ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ آپ کا دل بھی بہل جائے۔“

”مگر کہاں؟“

”ہم یہاں سے سیدھے سلطان کے گھر چلیں گے' اسی سے ادریس کا ایڈریس بھی معلوم ہو جائے گا۔“

”ہاں چلو..........“ وہ فوراً ہی کھڑی ہو گئی۔ ہم کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے جو گیٹ کے قریب ایک گھنے درخت کے نیچے بنایا گیا تھا اور جہاں ایک خوب صورت نوجوان بیٹھا تھا جو ہمیں دیکھ کر مسکرایا اور بل ہماری طرف بڑھا دیا۔

میں نے بل ادا کیا اور ہم دونوں گیٹ سے نکل کر گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ چند ہی لمحوں بعد ہم کرشن نگر کی طرف جا رہے تھے۔ شام ڈھل چکی تھی اور بازار میں اچھا خاصا رش تھا۔ ہم کرشن نگر کی جس سڑک پر جا رہے تھے وہاں دکانیں ہی دکانیں تھیں۔ ان کے علاوہ ٹھیلے' تانگے' سائیکلیں اور پیدل چلنے والوں کا بے انتہا رش طبیعت کو خواہ مخواہ الجھا رہا تھا۔ مجھے گاڑی کی رفتار ہلکی کرنا پڑی۔ ہم اس رش سے گزرتے ہوئے اس گلی کے موڑ پر پہنچ گئے جو سلطان کے گھر کی طرف جاتی تھی۔

”توبہ ہے.......... میرا دل گھبرا گیا اس جگہ سے' لوگ یہاں کیسے رہتے ہوں گے اقبال؟“

”یہ لوگ آپ کے علاقوں میں جا کر اسی طرح گھبرا جاتے ہیں میڈم کہ ہم کہاں آ

گئے' جہاں بندہ نہ بندے کی ذات' صرف اونچی اونچی دیواریں ہیں جو پورے پورے خاندانوں کو یوں ہڑپ کیے بیٹھی ہیں جیسے وہاں زندہ لوگ رہتے ہی نہ ہوں۔ زندگی کا یہ ڈھنگ زندگی کو بھرپور بناتا ہے میڈم' یہاں سب ایک دوسرے کے دکھ سکھ سے واقف ہوتے ہیں' مگر وہ علاقے.......... معاف کیجئے گا جہاں آپ لوگ رہتے ہیں' کسی قبرستان کی طرح محسوس ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے اتنی بیگانگی ہوتی ہے کہ دیوار کے اُس طرف اگر کوئی ذبح بھی کر دیا جائے تو دیوار کے اِس طرف رہنے والوں کو پتا بھی نہیں چلتا۔“

”سچ کہتے ہو اقبال' ہم لوگوں نے منفرد ہونے کے لیے اپنے گرد کیسے اَن دیکھے دائرے کھینچ لیے ہیں کہ ہم اپنے بنائے ہوئے دائروں میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہم نے خود ہی زندگی کی رفتار کو کسی قدر سست اور بے جان سا بنا دیا ہے کہ ارتقاء کی منزلیں بہت دور محسوس ہوتی ہیں۔“ اس نے لمبا سانس لے کر جواب دیا۔

اس کی بات ختم ہوتے ہی سلطان کا گھر آ گیا۔ میں نے گاڑی روکی۔ ”آیئے میڈم!“

”یہاں؟“

”جی!“

”سلطان اتنے بڑے مکان میں رہتا ہے؟“

”جی نہیں میڈم' اس مکان کا صحن اور سیڑھیاں اگرچہ ایک ہی ہیں مگر یہاں چار پانچ خاندان آباد ہیں' ذات' رنگ اور نسل میں ایک دوسرے سے بہت مختلف مگر لگتا ہے جیسے سب ایک ہی خاندان' ذات اور رنگ کے ہوں۔“ میں نے دروازہ کھولتے ہوئے جواب دیا۔ ”سلطان اسی مکان کے اوپر بنے ہوئے ایک کمرے میں رہتا ہے۔“

فاریہ دوسری جانب کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ میں نے گاڑی کے دروازے لاک کیے اور فاریہ کی رہنمائی کرتا ہوا ان تاریک سیڑھیوں تک آ گیا جو اوپر جا رہی تھیں۔

ہم آگے پیچھے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر پہنچ گئے۔ سلطان کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا مگر اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد دروازے کو پھر بجایا۔ میرا خیال تھا کہ اگر سلطان اندر موجود ہے تو یقیناً سو رہا ہو گا ورنہ پہلی دستک پر ہی دروازہ کھول دیتا۔ اس بار میں نے دروازے کو زور سے بجایا تھا جس کی آواز سے ساتھ والا دروازہ کھل گیا اور ایک لڑکی کا چہرہ نظر آیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"کیا بات ہے جی؟" اس نے اکھڑ لہجے میں پوچھا۔

"وہ جی سلطان سے ملے آئے تھے ہم۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ تو ہفتے بھر سے نہیں آئے۔"

"ہفتے بھر سے نہیں آئے؟"

"جی........... آتے تو ہمیں معلوم ہو جاتا۔" اس نے میرے برابر کھڑی فاریہ کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے مجھے جواب دیا۔ "یہ تمہاری زنانی ہے؟" اس کے آخری جملے نے مجھے بوکھلا دیا۔ فاریہ بھی خجل سی ہو گئی۔

"اچھا........... ابھی سگائی نہیں ہوئی شاید۔" اس نے ایسے انداز میں کہا جیسے اچانک کوئی بڑا فلسفہ اس کی سمجھ میں آ گیا ہو۔ اس کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔

"نہیں۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔" میں نے جلدی سے جواب دیا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ فاریہ میرے پیچھے تھی۔ ہم سیڑھیاں اتر کر باہر آئے۔ میں نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بوکھلاہٹ میں' میں فاریہ کی سیٹ کا دروازہ کھولنا بھی بھول گیا بلکہ خود فاریہ کی موجودگی ہی کو فراموش کر بیٹھا۔ میں نے چابی سیلف میں ڈال کر گھمائی اسی وقت شیشے پر ہونے والی ٹک ٹک نے مجھے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ میں نے نگاہ اٹھائی۔ فاریہ مجھے دروازے کا لاک کھولنے کو کہہ رہی تھی۔ میں نے گھبرا کر لاک کھولا اور دروازے کو دھکا دے کر کھول دیا۔

"سوری میڈم..........."

"سو آل رائٹ!" اس نے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔ شاید اس نے میری بوکھلاہٹ کو محسوس کر لیا تھا۔

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"کہاں جانا ہے میڈم؟"

"گھر........... ہمیں اسپتال سے نکلے بہت دیر ہو گئی ہے' معلوم نہیں زاریہ کیسی ہے؟ اقبال' میں اس مسلسل ٹینشن سے اکتا گئی ہوں۔ تھک گئی ہوں بری طرح۔ اگر زاریہ ٹھیک ہوتی تو میں کم از کم اپنے مشن میں مصروف رہتی۔"

"مشن؟" میں نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں........... ہیروئن کے ان سمگلروں کو نیست و نابود کر دینے کا مشن' میں نے عہد کیا تھا کہ میں تمام زندگی چین سے نہ بیٹھوں گی۔ اگر انہیں ختم نہ کیا تو..........."

"میڈم آپ اس سلسلے میں حکومت سے مدد کیوں نہیں لیتیں؟"

"حکومت؟ اونہہ' حکومت کے سرکردہ افراد ہی تو ان اسمگلروں کی پشت پناہی کرتے ہیں' وہ بھلا میرا ساتھ کیوں دیں گے۔"

"نہیں میڈم' ایسا نہیں ہے' سب لوگ کرپٹ نہیں' یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو مخلص ہیں' دیانت دار ہیں اور اس لعنت کو ختم کرنے میں آپ کا پورا پورا ساتھ دیں گے۔"

وہ چونک اٹھی۔ اس نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا۔ میں نے لمحہ بھر اس کی طرف دیکھا اور پھر نگاہیں سڑک پر جما دیں۔

"کون ہیں وہ؟ کیا تم انہیں جانتے ہو؟"

"نہیں میڈم میں تو یہاں سوائے آپ لوگوں کے کسی کو بھی نہیں جانتا........... میرا مطلب یہ تھا کہ پوری کائنات کے تمام لوگ یا کسی ملک کے تمام باشندے خراب نہیں ہوتے' خرابیوں میں کہیں کہیں اچھائیاں بھی چھپی ہوتی ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو ایسے مخلص لوگوں تک پہنچ سکتی ہیں۔"

"ہوں۔" اس نے گہرا سانس لیا۔ "ہاں یہ ممکن ہے مگر مخلص کے چہرے پر تو نہیں لکھا ہوتا کہ وہ واقعی مخلص ہے۔"

"میڈم ایک بات میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔ اگر اجازت دیں تو میں پوچھ لوں...........!"

وہ مسکرائی۔ "پوچھو' ذہن میں کسی چبھن کو چھوڑا نہیں کرو اقبال' کانٹا اگر چبھا رہ جائے تو زخم کو بڑھا دیتا ہے۔"

"تھینک یو میڈم' بات یہ ہے کہ آپ کے گھر میں ایک عورت داخل ہوئی' جو سراسر غیر قانونی طریقہ تھا۔ دوسرا یہ کہ یعقوب نے زاریہ کی زندگی لینے کی کوشش کی' جس میں وہ عورت بھی ملوث تھی۔ یہ دونوں کام ایسے تھے کہ آپ فوراً پولیس کو مطلع کر سکتی تھیں۔ وہ یعقوب کو پکڑ لیتے اور اس سے اگلوا لیتے کہ وہ عورت کون تھی۔ عورت

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی تلاش پولیس کا دردِ سر تھا نہ کہ آپ کا' اس طریقے پر عمل کرنے سے نہ صرف یہ کہ ہم بہت سی پریشانیوں سے بچ جاتے بلکہ وہ پوری چین کی چین گرفتار ہو سکتی تھی۔ پھر آپ کا موجودہ طریقہ کار میرے لیے سوالیہ نشان بن کر رہ گیا ہے۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے پولیس پر اعتماد نہیں' وہ ہزار دو ہزار یا زیادہ سے زیادہ پانچ سات ہزار روپے لے کر یعقوب کو چھوڑ دیتے۔ دوسری بات یہ کہ وہ زاریہ کے لیے کچھ بھی نہ کر پاتے' تیسری بات یہ کہ میں اپنے دشمنوں سے خود ہی نمٹنا چاہتی ہوں.......... اور کوئی بات؟" اس کے سپاٹ لہجے اور آخری جملے نے میری ہمت پست کر دی اور میں نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔

ہم گھر کے قریب پہنچ چکے تھے۔ گیٹ تک کا راستہ خاموشی سے گزرا۔ گیٹ بند تھا۔ چوکیدار گیٹ پر نہیں تھا۔ میں نے کئی بار ہارن دیا۔ سکندر خان فاریہ کی ہدایت کے مطابق بیگ صاحب کے کمرے میں تھا۔ ہارن کی آواز سن کر آیا اور جیب سے چابیاں نکال کر گیٹ کھول دیا۔ میں گاڑی کو پورچ میں لیتا چلا گیا۔

گاڑی پارک کر کے میں اور فاریہ دونوں ہی کوٹھی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئے۔ ہم پہلے بیگ صاحب کے کمرے میں گئے۔ میں نے اور فاریہ نے ان کی خیریت دریافت کی پھر ہم دونوں ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔ فاریہ نے فوراً اسپتال کا نمبر ڈائل کیا' چند لمحوں بعد ہی نمبر مل گیا۔ فاریہ نے ڈاکٹر طارق کو بلانے کی بجائے وہاں کے کاؤنٹر کا نمبر لیا اور وہاں سے روم نمبر ۲۱ کے مریض کی خیریت دریافت کر لی۔ ڈاکٹر طارق کہہ چکے تھے کہ انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ شاید اس لیے فاریہ نے انہیں نہیں بلوایا تھا۔

ہم کچھ دیر وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر اچانک فاریہ نے کہا۔ "اقبال' وصی صاحب کو فون کر کے آفس کی صورتِ حال معلوم کر لینا۔ کل میں ضرور آفس جاؤں گی۔"

"اوکے میڈم ایز یو لائیک!"

"کھانا کھائیں؟" فاریہ نے مجھ سے پوچھا۔

"ضرور.......... مجھے تو بھوک محسوس ہو رہی ہے۔"

ہم دونوں ڈرائنگ روم سے باہر آ گئے۔ حمیدہ ہمیں برآمدے ہی میں مل گئی۔ وہ ہمیں یہی اطلاع دینے آ رہی تھی کہ کھانا لگ گیا ہے۔ میں اور فاریہ ڈائننگ روم میں

داخل ہوئے۔ بیگ صاحب وہاں موجود تھے۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ ہم قریب پہنچے تو انہیں ہماری آمد کا علم ہوا۔

"آؤ بچو.......... مجھے بھوک تو نہیں ہے مگر تم لوگوں کے ساتھ کچھ دیر بیٹھنے کے لیے یہاں آ گیا۔"

میں نے محسوس کیا کہ بیگ صاحب بہت پریشان اور بے چین ہیں۔ ان کے لہجے میں لرزش تھی اور چہرے کا رنگ پیلا ہو رہا تھا۔

"بیگ صاحب! آپ.......... ٹھیک تو ہیں نا؟" میں نے انہیں گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میرے پوچھنے پر فاریہ نے بھی چونک کر بیگ صاحب کو دیکھا۔ "انکل.......... آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہاں بیٹا.......... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے مگر میں.......... میں کچھ بہت ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں تم لوگوں سے۔"

"یہاں بیٹھے بیٹھے تو آپ تھک جائیں گے۔ اگر ایسی بات تھی تو ہمیں اپنے کمرے میں بلوا لیا ہوتا۔ چلئے آپ کے کمرے میں چلتے ہیں' وہیں باتیں بھی ہو جائیں گی۔" میں نے اٹھ کر ان کے ہاتھ تھامے اور انہیں سہارا دے کر باہر لے آیا۔

"مگر تم لوگ کھانا تو کھا لو۔"

"کھا لیں گے کھانا.......... آپ فکر نہ کریں۔" فاریہ نے جواب دیا۔

"نہیں۔ پہلے تم لوگ کھانا کھاؤ گے پھر میں باتیں کروں گا۔" انہوں نے ضدی انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے کھانا وہیں منگوا لیتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

ہم بیگ صاحب کے کمرے میں آ گئے۔ سکندر خان گیٹ کے قریب بنی کوٹھری میں جا چکا تھا۔ حمیدہ غالباً کچن میں تھی۔ فاریہ نے بیل بجا کر اسے وہیں بلوا لیا اور ہدایت کی کہ کھانا ٹرالی میں رکھ کر بیگ صاحب کے کمرے میں لے آئے۔ میں نے بیگ صاحب کو بستر پر لٹا دیا۔ ان کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ میں نے بیڈ کو سرہانے سے اونچا کر دیا تاکہ وہ آرام سے لیٹ سکیں۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"آپ نے دوا لی تھی؟"

"ہاں لی تو تھی مگر تم یہ چھوٹی گولی دے دو' میں زبان کے نیچے رکھ لوں گا' درد میں کچھ کمی ہو جائے گی۔" انہوں نے گہری سانسوں کے درمیان کہا۔

میں نے جلدی سے ایک شیشی کھول کر گولی نکالی اور ان کے ہاتھ پر رکھ دی جسے انہوں نے فوراً ہی زبان کے نیچے رکھ لیا۔

"انکل ڈاکٹر کو بلواؤں؟"

"نہیں بیٹا' ایسی کوئی تکلیف نہیں ہے' دوا لی ہے نا میں نے' ٹھیک ہو جائے گا۔ ویسے بھی ڈاکٹر طارق کو ڈسٹرب کرنا بہتر نہیں ہے۔ وہ بے چارے وقت بے وقت تو آ جاتے ہیں' انہیں اپنا کاروبار بھی چلانے دو۔"

فاریہ خاموش ہو گئی۔ حمیدہ کھانے کی ٹرالی وہیں لے آئی۔ میں اور فاریہ کھانا کھانے لگے۔ بیگ صاحب اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ جبکہ میں اور فاریہ منتظر تھے کہ وہ کوئی خاص بات کریں گے مگر انہوں نے ایسی کوئی بات نہ کی جو کسی بھی اعتبار سے اہم ہو۔ ہم کھانا کھاتے رہے کھانا ختم کیا تو حمیدہ چائے لے آئی۔ وہ بیگ صاحب کے لیے دودھ میں کمپلان بھی ملا لائی تھی۔ چائے پینے کے دوران ہی فاریہ نے بیگ صاحب سے کہا۔

"انکل آپ کچھ اہم باتیں کرنے والے تھے۔"

"ہاں بیٹا........... میں بہت دنوں سے بتانا چاہ رہا تھا مگر ہمت نہیں پڑتی تھی لیکن فاریہ' پہلے تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم مجھے معاف کر دو گی۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں انکل........... آپ نے کبھی ایسا کچھ نہیں کیا جس کے لیے آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت پڑے۔"

"ایسا نہ کہو بیٹا' تمہارے اس اعتماد ہی نے تو مجھے موت کے کنارے پہنچا دیا ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں بیٹا...........۔ اگر تم مجھ پر اتنا اعتماد نہ کرتیں تو........... تو شاید میں اس دلدل میں کبھی نہ دھنستا۔" بیگ صاحب کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار تھے۔

میں اور فاریہ ان کی باتوں پر بہت حیران تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ان کا ذہنی توازن بگڑ

گیا ہو۔

"بیٹا۔ جو کچھ بہادر کرتا ہے........... وہی........... میں بھی کرتا رہا ہوں۔" انہوں نے اٹکتے ہوئے کہا۔ ان کی نگاہیں فاریہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں شدید خوف تھا۔

میں اور فاریہ ان کے اس جملے پر اچھل پڑے۔

"انکل........... آپ........... آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں' کیا آپ جانتے ہیں........... کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ چیخ اٹھی۔

"ہاں........... میں جانتا ہوں۔ مجھے تکلیف ضرور ہے فاریہ مگر میں بقید ہوش و حواس تمہیں یہ سب کچھ بتا رہا ہوں۔ میں بھی وہی کچھ کر رہا تھا جو بہادر کرتا ہے۔ تمہاری فیکٹری میں چمڑے کی جیکٹس کی خفیہ جیبوں میں ہیروئن بھر کر جرمنی جاتی رہی ہے۔ میں اس گناہ کا ذمے دار ہوں فاریہ' مگر جب سے زاریہ کی حالت دیکھی ہے میں نے توبہ کر لی ہے۔ پھر بھی........... جو آرڈرز پہلے سے آ چکے تھے ان پر ابھی تک کام ہو رہا ہے۔ میں اس کام کو رکوانا چاہتا ہوں فاریہ لیکن میرے اس گناہ میں جو دوسرے لوگ ملوث ہیں ان کا مفاد بھی ان آرڈر سے وابستہ ہے۔ وہ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا........... اب وہ لوگ الٹا مجھے بلیک میل کر رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ میں نے ان پر زیادہ دباؤ ڈالا تو........... تو نہ صرف یہ کہ فیکٹری بند ہو جائے گی بلکہ براہ راست تم پر حرف آئے گا۔ مجھے معاف کر دو فاریہ اور میری مدد کرو۔ پلیز........... فاریہ..........."

وہ بولے جا رہے تھے اور میں اور فاریہ دونوں پتھر کے بتوں کی طرح ساکت و جامد بیٹھے انہیں دیکھ رہے تھے۔ مجھے تو ان کی باتوں پر بالکل یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ نہ معلوم فاریہ کی کیا حالت تھی؟ چہرے سے تو کچھ بھی پتا نہیں چلتا تھا۔ اس کی نگاہیں گویا منجمد ہو چکی تھیں۔ وہ سیدھی' بالکل پتھر کی مورتی کی طرح بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ بے جان تھا۔ میں نے خود پر جلد ہی قابو پا لیا اور میں فاریہ کی طرف متوجہ ہوا۔ بیگ صاحب بھی خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"میڈم...........!"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ہوں!" وہ ایک دم چونک اٹھی۔ "کیا...... کیا ہے؟"

"میڈم...... آپ ٹھیک ہیں نا؟"

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ بلکہ وہ بیگ صاحب سے مخاطب ہوئی۔ "وہ کون لوگ ہیں؟" اس کا انداز ٹھہرا ہوا مگر زہریلا تھا۔

"وہ...... وصی صاحب ہیں۔ باقی جو لوگ ان کے انڈر میں کام کرتے ہیں ان میں کون اس معاملے میں ملوث ہے۔ اس کے بارے میں وہی زیادہ جانتے ہیں۔ میں نے اس ڈیٹ میں صرف وصی کو شامل کیا تھا۔" بیگ صاحب نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

وہ بیگ صاحب کے منہ سے وصی صاحب کا نام سنتے ہی کھڑی ہو گئی۔ "اقبال، گاڑی نکالو۔"

"فاریہ...... ایسے نہیں بیٹے...... ٹھنڈے دماغ سے سوچ لو پھر کوئی پلاننگ کرو ورنہ......"

"ورنہ کیا ہو گا انکل...... میں تباہ ہو جاؤں گی؟ سو وہ تو ہو ہی رہی ہوں۔ فیکٹری بند ہو جائے گی تو اس کی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ آپ نے...... آپ نے مجھے توڑ کر رکھ دیا انکل...... تباہ کر دیا مجھے۔" وہ اچانک بری طرح رونے لگی۔

مجھ پر اور بیگ صاحب پر تو سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ کمرے میں صرف فاریہ کے رونے کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ بے طرح رو رہی تھی۔ نہ ہی بیگ صاحب کی ہمت ہوئی کہ اسے دلاسا دے پاتے اور نہ ہی میری۔ ویسے بھی اس کے لیے جی بھر کر رونا بہتر ہی تھا۔ اس کے اندر جو طوفان اتنے دنوں سے ٹھاٹیں مار رہا تھا اس کا نکل جانا ہی اس کے لیے بہتر تھا ورنہ مجھے تو ڈر تھا کہ پے در پے ہونے والے صدمات اسے پاگل نہ کر دیں۔ میں نے یہی سوچ کر اسے رونے دیا اور خود اٹھ کر دبے پاؤں باہر آ گیا۔

آسمان پر گہری سیاہی چھائی ہوئی تھی۔ فضاؤں پر سناٹا طاری تھا یوں لگتا تھا جیسے پوری کائنات ساکت ہو گئی ہو۔ میں بے دم سا ہو کر باہر لگے ستون سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ سلطان نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ۔ "بالے یہاں کچھ ہو رہا ہے، کچھ گڑ بڑ ہے۔"

مگر اس وقت مجھے گمان بھی نہ تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ شروع شروع میں تو میں

خود بھی یہاں کے ماحول سے گھبرا گیا تھا بلکہ خوف زدہ ہو گیا تھا مگر پھر رفتہ رفتہ فاریہ اور بیگ صاحب پر میرا اعتماد بحال ہو گیا تھا اور اب تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فیکٹری میں یہ ڈراما بھی کھیلا جا رہا ہو گا۔ مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ بیگ صاحب بہت کم فیکٹری جاتے تھے بلکہ جب سے میں آیا تھا وہ زیادہ تر گھر پر ہی رہتے تھے۔ ممکن ہے وصی صاحب سے ان کا رابطہ فون پر قائم رہا ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا، یہ بہت خطرناک بات تھی۔ اتنی خطرناک کہ فاریہ گرفتار بھی ہو سکتی تھی۔

میں کانپ کر رہ گیا۔ نہ معلوم اس گھر پر اور گھر والوں پر کون سا عذاب نازل ہوا تھا جو ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک پریشانی ختم ہوئی نہیں تھی کہ دوسری پریشانی منہ پھاڑے کھڑی ہوئی تھی۔

"اقبال!" اچانک فاریہ کی آواز سن کر میں چونک اٹھا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ فاریہ بیگ صاحب کے کمرے کی کھڑکی کھولے کھڑے تھی۔

میں جلدی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اندر کا بوجھل پن کچھ کم محسوس ہو رہا تھا۔ بیگ صاحب خاموش لیٹے چھت کو تک رہے تھے مگر ان کے چہرے کی پیلاہٹ کچھ کم ہو چکی تھی۔ فاریہ نارمل تھی بلکہ رونے کے بعد نکھری نکھری سی لگ رہی تھی گو اس کے چہرے پر پھیلی اداسی اور دکھ کا سایہ اب بھی گہرا تھا۔

"اقبال بیٹھو۔" اس نے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"میں انسپکٹر قدیر کو جانتی ہوں۔ وہ پچھلے تیس برس سے پولیس کی سروس میں ہے اور میں اسے تقریباً بارہ پندرہ برس سے جانتی ہوں۔ وہ لوگ ہمارے محلے میں رہتے تھے۔ قدیر کے والد اور میرے والد گہرے دوست تھے۔ گویا ہم بچپن ہی سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ اس جان پہچان کے باوجود میں نے اسے اپنے مشن کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہ میرا اندازہ ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ میری سرگرمیوں کے بارے میں جانتا ہے۔ اس نے دبے لفظوں میں میری مدد کرنے کی پیشکش بھی کی تھی جسے میں نے شکریہ کہہ کر ٹھکرا دیا تھا۔ وجہ وہی تھی کہ میں اپنے دشمنوں سے خود ہی نمٹنا چاہتی تھی۔ بہرحال تمہیں یہ سب کچھ بتانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اب اس کی مدد ناگزیر ہو گئی ہے۔ آج نہیں تو کل یہ بات کھل جائے گی اور جو کچھ کل ہو گا وہی آج بھی ہو گا۔ عرصے کو طویل کرنے سے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

معاملے کی سنگینی پر کچھ اثر نہ پڑے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ معاملات اور زیادہ الجھ جائیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے تمام صورتِ حال بتا کر اس سے قانونی مدد حاصل کی جائے' تم صرف اتنا کرو کہ صبح سویرے ہی آفس جا کر تمام شپنگ رکوا دو' تمام آرڈر کینسل کرا دو اور سامان کو اسی جگہ سیل کر دو۔ وجہ صرف یہی بتانا کہ زاریہ کی حالت خراب ہونے کے بعد بیگ صاحب پر بھی دل کا دورہ پڑا ہے اور ان کی حالت خراب ہو گئی ہے۔ میں بہت زیادہ مصروفیت کی وجہ سے فیکٹری کو بند کر رہی ہوں۔"

"ایک منٹ میڈم! اس طرح قانونی پیچیدگیاں پیدا نہیں ہو جائیں گی؟"

"نہیں تم کل ہی ملازمین کو دو دو ماہ کی ایڈوانس تنخواہ دے دو اور انہیں کہہ دو کہ دو ماہ بعد انہیں بائی پوسٹ فیکٹری میں آنے یا نہ آنے کی اطلاع کر دی جائے گی یا اخبار میں اشتہار دے دیا جائے گا۔ تم کہہ سکتے ہو کہ حالات خراب ہونے کی وجہ سے فیکٹری کو بند کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ فی الحال اتنا ہی کرو بعد میں سوچیں گے کہ کیا کیا جائے؟"

"جی میڈم ہر کام آپ کی ہدایت کے مطابق ہو جائے گا۔"

"اوکے' ڈرائنگ روم میں سائیڈ کارنر پر ایک گرین کلر کی ڈائری رکھی ہے اس میں انسپکٹر قدیر کا فون نمبر ہے۔ اسے فون کر کے پیغام دو کہ وہ پہلی فرصت میں مجھ سے میری کوٹھی پر ملاقات کرے۔"

"جی بہتر میڈم!" میں یہ کہہ کر بیگ صاحب کے کمرے سے نکل آیا۔ سیدھا ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد ہی مجھے انسپکٹر قدیر کا نمبر بھی مل گیا۔ میں نے نمبر ڈائل کیا۔ چند لمحوں کے بعد ہی دوسری جانب سے ایک بھاری سی آواز سنائی دی۔

"میں انسپکٹر قدیر سے بات کر سکتا ہوں؟"

"وہ اس وقت ڈیوٹی پر نہیں ہیں۔ آپ کون صاحب؟"

"جی مجھے اقبال کہتے ہیں' میں مس فاریہ کی کوٹھی سے بات کر رہا ہوں۔ آپ بتا سکیں گے کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گے؟"

جی نہیں اقبال صاحب' یہ بتانا تو بہت مشکل ہے' مس فاریہ کیسی ہیں' میں قدیر کا بھائی نذیر بات کر رہا ہوں۔ آپ پیغام دے دیں۔ وہ جیسے ہی آئیں گے میں پیغام انہیں

دے دوں گا۔ دوسری طرف بات کرنے والے کا انداز نہایت شستہ تھا۔

"بس آپ ان سے.........."

"ایک منٹ وہ آ گئے!" دوسری جانب سے کہا گیا۔ پھر چند لمحے بعد ہی ایک دوسری آواز آئی۔ "ہیلو انسپکٹر قدیر۔"

"قدیر صاحب میں اقبال بول رہا ہوں مس فاریہ کا ملازم ہوں۔ انہوں نے آپ کے لیے پیغام دیا ہے۔ اگر ہو سکے تو آپ ان سے کوٹھی پر مل لیں۔"

"خیریت؟" اس نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا۔

"آپ آ جائیں تو آپ کو پوری صورتِ حال کا پتا چل جائے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"فاریہ اور زاریہ دونوں ٹھیک ہیں نا؟" اس نے میرے جواب کو نظر انداز کر کے دوبارہ پوچھا۔

"جی ہاں! دونوں خیریت سے ہیں۔"

"ٹھیک ہے مسٹر اقبال میں پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔"

"اوکے!" میں نے ریسیور رکھ دیا۔

پھر میں سیدھا بیگ صاحب کے کمرے میں چلا آیا۔ میں نے انسپکٹر قدیر سے ہونے والی گفتگو فاریہ کو بتائی۔ بیگ صاحب اب بھی بالکل خاموش تھے۔

"انکل .... یہ سب کچھ میں آپ کے حق میں کر رہی ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو........... تو آپ خود بھی گرفتار ہو جائیں گے۔" فاریہ نے گمبھیر لہجے میں کہا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں باہر جا رہی ہوں' قدیر پہنچنے میں دیر نہیں لگائے گا۔ آپ اچھی طرح اونچ نیچ سوچ لیجئے۔ آپ کو ہر بات بتانا ہو گی۔ ان تمام لوگوں کے نام بھی جو اس معاملے میں ملوث ہیں۔"

"کیا تم بہادر والا معاملہ بھی اس سے ڈسکس کرو گی؟" بیگ صاحب نے پوچھا۔

"نہیں" وہ معاملہ اگر میں نے قدیر سے ڈسکس کیا تو وہ کبھی بھی مجھے اجازت نہیں دے گا اور ممکن ہے کہ میرے کاموں میں مداخلت کرے' حالانکہ میرا اندازہ ہے کہ وہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کافی کچھ جانتا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ چلتے چلتے اس نے مجھے اشارہ کیا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی باہر آ گیا۔ ہم بیگ صاحب کے کمرے سے نکل کر کوٹھی کے سامنے والے برآمدے میں آ گئے جہاں کرسیاں پڑی تھیں اور بلب روشن تھا۔

"میڈم میں چوکیدار کو بتا دوں کہ قدیر صاحب آنے والے ہیں۔"

"ہاں ویسے وہ قدیر کو پہچانتا ہے۔"

"یعنی اسے بتانا ضروری نہیں؟"

"ہاں بتا دو وہ ہماری اجازت کے بغیر گیٹ نہیں کھولے گا۔" فاریہ نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

میں سر ہلا کر گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ سکندر خان الرٹ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسے انسپکٹر قدیر کی آمد کے بارے میں بتایا اور پلٹ کر برآمدے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ عین اسی وقت گیٹ کے باہر گاڑی رکنے کی آواز سے رک گیا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ انسپکٹر قدیر ہی تھا۔ میں نے سکندر کو چھوٹی سی کھڑکی سے اس سے بات کرتے دیکھا پھر سکندر جیب سے چابی نکالتا ہوا گیٹ کی طرف آیا۔

"صاحب انسپکٹر قدیر آ گئے ہیں!" اس نے مجھے اطلاع دی۔

"ہاں، میں جانتا ہوں۔"

سکندر گیٹ کی طرف بڑھا اور اس نے گیٹ کھول دیا۔ انسپکٹر قدیر گاڑی اندر لے آیا۔ میں اس کی گاڑی کے پیچھے چلتا ہوا برآمدے میں آ گیا۔ اس نے شاید فاریہ کو وہاں بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں سے بہت قریب اس نے گاڑی روکی اور فوراً ہی اتر کر فاریہ کی طرف بڑھا جو اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"فاریہ سب ٹھیک ہے نا؟" اس نے پوچھا۔

میں آ گیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کو چونکا پھر استفہامیہ انداز میں فاریہ کو دیکھا۔

فاریہ نے مختصر الفاظ میں میرا تعارف کرایا۔

اس دوران میں میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ چھ فٹ کا لمبا چوڑا اور خوب صورت جوان تھا۔ اس کے شانے چوڑے اور جسم کسرتی تھا۔ وہ اب بھی پولیس کی وردی میں تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ لمحہ بھر کو بھی گھر پر نہیں رکا اور فون سنتے ہی سیدھا

چلا آیا ہے۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا فاریہ، کیا تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں قدیر.......... اگر ٹھیک ہونا محض زندہ رہنے کو کہتے ہیں تو میں ٹھیک ہوں۔"

"اور زاریہ، انکل..........؟"

"میں سب کچھ بتا دوں گی تم بیٹھو تو۔"

اس نے غور سے فاریہ کو اور پھر مجھے دیکھا۔ "سم تھنگ رونگ!" وہ زیر لب بڑبڑایا اور ایک کرسی کھینچ کر فاریہ کے قریب بیٹھ گیا۔

"فاریہ تم بہت ٹھنڈے دماغ کی عورت ہو۔ مگر میرے ساتھ معاملہ کچھ مختلف ہے۔ مجھے جلدی جلدی سب کچھ بتا دو تاکہ میری پریشانی کم ہو سکے۔ تمہیں شاید اندازہ نہ ہو کہ گھر سے یہاں تک کا سفر میں نے محض سات منٹ میں طے کیا ہے۔ جبکہ یہ سفر بیس یا پچیس منٹ پر محیط ہے۔"

"میں جانتی ہوں!" فاریہ دھیرے سے مسکرائی۔ پھر اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بیٹھو اقبال!"

میں بھی بیٹھ گیا۔ قدیر بہت بے چین طبیعت کا مالک تھا۔ اتنی سی دیر میں اس نے کئی بار پہلو بدلا۔ پھر جیب سے گولڈ لیف کا پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگایا اور لمبا کش لے کر فاریہ کو دیکھنے لگا۔

فاریہ جو اس کی بے چینی کو محسوس کر رہی تھی دھیرے دھیرے بولنے لگی اور پھر اس نے زاریہ کے زخمی ہونے سے لے کر انکل کے اس نئے انکشاف تک کی ساری کہانی اسے سنا دی۔ اس نے زاریہ کے بارے میں بتا دیا کہ وہ ہیروئن کی عادی ہو گئی تھی مگر یہ بات گول کر گئی کہ یعقوب نے اسے ہیروئن دی تھی یا یہ کہ وہ بہادر اور سیماں کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ اس نے یعقوب، بہادر اور سیماں کا نام سرے سے گول کر دیا۔

"زاریہ کو کس نے زخمی کیا؟" انسپکٹر قدیر نے پوچھا۔

"معلوم نہیں، اس روز ہم گھر پر نہیں تھے، واپس آئے تو وہ بے ہوش تھی اور.......... آج تک ہوش میں نہیں آئی۔"

"تمہیں کس پر شک ہے؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"کسی پر نہیں، ہو سکتا ہے یہ ان لوگوں کی انکل کو دھمکی ہو جو انکل کو بلیک میل کر رہے ہیں۔"

"ہوں۔ اس کا آپریشن کب ہے؟"

"کل صبح کراچی کے ایک برین اسپیشلسٹ ڈاکٹر تجمل اس کا آپریشن کریں گے۔"

"تم نے اس واقعہ کی رپورٹ کی تھی؟"

"نہیں.........."

"ایک تو تم پولیس کو جانے کیا سمجھتی ہو۔ یہ واقعہ ایسا تھا کہ خاموشی سے برداشت کر لیا جاتا؟ کم از کم مجھے ہی اطلاع کر دی ہوتی۔ اب اگر یہ بات پولیس کے علم میں آئی تو معاملے کی نوعیت ہی بدل جائے گی' وہ پہلا سوال یہی کرے گی کہ آپ نے اس واقعے کی فوری رپورٹ کیوں نہیں کی؟"

"اوہ قدیر! میں نے تمہیں انکل والے معاملے کو سلجھانے کے لیے بلایا ہے۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"کہاں ہیں انکل؟"

"اپنے کمرے میں' چلو وہیں چلتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم نے انکل سے بات کی تھی؟"

"ہاں میں بتا چکی ہوں کہ تمہیں بلانے کا مشورہ بھی انہوں نے ہی دیا تھا۔"

اتنا کہہ کر فاریہ ڈرائنگ روم سے باہر آ گئی۔ میں اور قدیر اس کے پیچھے تھے۔ ہم بیگ صاحب کے کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ فاریہ نے بڑھ کر ہلکی سی دستک دی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

قدیر کو دیکھتے ہی بیگ صاحب کا چہرہ سفید ہو گیا۔ آنکھوں میں شرمندگی کے ساتھ ساتھ کرب پھیل رہا تھا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگے۔

"نہیں انکل آپ لیٹے رہیے۔" قدیر نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر وہ فاریہ کی جانب مڑا۔ "فاریہ پلیز آپ لوگ باہر چلے جائیں' میں انکل سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

یہ بات سنتے ہی میں کمرے سے باہر آ گیا چند منٹ بعد ہی فاریہ بھی باہر آ گئی۔ ہم

دونوں وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔

"میڈم.......... اس طرح تو پولیس بیگ صاحب کو بھی گرفتار کر لے گی!"

"نہیں' اگر انکل پاکستان نارکوٹکس بورڈ کے ریجنل ڈائریکٹر کو اسٹیٹمنٹ دے دیں تو نہ صرف یہ کہ وہ انکل کو تحفظ فراہم کرے گی بلکہ اس کیس میں ملوث افراد کو بھنک بھی نہ پڑنے دے گی کہ یہ اطلاع انکل نے دی ہے۔ انکل کی حیثیت ایک طرح سے سلطانی گواہ کی سی ہو جائے گی۔ ممکن ہے کہ انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنا پڑے مگر وہ بہرحال اتنی سخت نہیں ہو گی۔"

"مجھے حیرت ہے!" میں بڑبڑایا۔

"تمہیں صرف حیرت ہے مگر مجھے تو دکھ نے نڈھال کر دیا ہے۔ میں نے کبھی انکل کو کسی چیز کی کمی نہ ہونے دی۔ میرے باپ کا جتنا کاروبار تھا انہی کی سرپرستی میں چلتا رہا۔ میں نے کبھی ان کے اخراجات پر اعتراض نہ کیا حالانکہ بعض مرتبہ بڑی بڑی رقمیں بنک سے نکالی گئیں مگر نہ وہ فیکٹری کے کسی کام پر خرچ ہوئیں نہ گھر کے' پھر بھی میں نے کبھی نہیں پوچھا کہ انہوں نے یہ رقم کیوں اور کس لیے نکالی۔ انکل کا ہمارے سوا دنیا میں کوئی بھی تو نہیں کہ وہ پیسا جمع کرتے وہ بھی مجھ سے چھپا کر۔ ہم نے انہیں ہمیشہ باپ کا درجہ دیا تھا۔ اقبال' تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ اس انکشاف نے مجھے ذہنی طور پر کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

"مجھے اندازہ ہے میڈم' آپ کی تو بات ہی اور ہے خود مجھے ہی اتنا صدمہ پہنچا ہے۔"

"ہمارے سارے کام دھرے رہ گئے۔ ویسے اب ادریس کی تلاش بیکار ہے' ہمیں بھی اپنے مشن کو کچھ روز کے لیے دبانا پڑے گا۔ قدیر کو بھنک بھی مل گئی تو وہ پیچھے لگ جائے گا۔"

"میڈم آپ قدیر صاحب کو بتا کیوں نہیں دیتیں' اس طرح ہمیں بہت آسانیاں ہو جائیں گی۔"

"نہیں اقبال' ابھی ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بہادر اور سیماں کے خلاف ثبوت حاصل کرنے کے بعد میں خود ہی اس معاملے کو قانون کے حوالے کر دوں گی مگرنی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

الحال یہ ممکن نہیں' عذرا کے وہاں جانے سے ممکن ہے ثبوت بھی مل جائیں اور ہم آگے بھی بڑھ سکیں۔" فاریہ نے جواب دیا۔

میں خاموش ہو گیا۔ یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھی کہ فاریہ یہ جنگ تنہا لڑنے پر کیوں بضد ہے جبکہ قدیر نہ صرف اسے تحفظ فراہم کر سکتا ہے بلکہ قانونی مدد بھی کر سکتا ہے۔ کچھ بھی ہو فاریہ کو یہ بات اعلیٰ حکام کے علم میں لانا چاہیے تھی جس سے وہ گریز کر رہی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ بہادر اور سیماں نے ذاتی طور پر اسے نقصان پہنچایا تھا مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ سارے معاملے کو ذاتی طور پر ہی حل کرنا شروع کر دے۔ اس طرح وہ خود بھی غیرقانونی حرکات کی مرتکب ہو رہی تھی مثلاً یعقوب کو قید کرنا اور زدو کوب کرنا' اس انگریز کا قتل اور جانے ایسی کتنی ہی باتیں ہوئی ہوں گی یہ سراسر غیر قانونی ہوں گی۔

میرے دل و دماغ میں کانٹا سا چبھ رہا تھا۔ البتہ بیگ صاحب کے سلسلے میں مجھے کچھ اطمینان محسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے اس معاملے سے نمٹنے کے لیے قانونی طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ معلوم نہیں کہ اس معاملے کو قانونی طور سے حل کرنے پر فاریہ کیسے تیار ہو گئی ورنہ اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اس معاملے کو بھی خود ہی حل کرنے کی کوشش کرتی۔ بیگ صاحب کے اس انکشاف کے بعد سے میرا دل بھی گھبرانے لگا تھا۔ یہاں وہ سب کچھ ہو رہا تھا جس کی امید نہیں ہوتی تھی۔ فاریہ پر البتہ میرا اعتماد اب بھی بحال تھا۔

میں جانے کب تک انہی خوف ناک سوچوں میں گم رہا۔ اچانک دروازہ کھلنے اور قدیر کے بھاری بوٹوں کی دھمک کی آواز نے مجھے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ میں اور فاریہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"فاریہ' معاملات بہت گہرے ہیں۔ میں کل صبح انکل کو لینے آؤں گا۔ دیکھیں گے کہ کیا کیا جا سکتا ہے اور تم کن چکروں میں ہو؟" اس نے آخری جملہ بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"مجھے تو زاریہ اور پھر فیکٹری سے نجات نہیں ملتی۔" اس نے مختصر جواب دیا۔ اس کے لہجے میں بیزاری تھی۔

"چائے نہیں پلواؤ گی؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

"ہاں کیوں نہیں؟" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی۔

"آپ ٹھہریں میڈم' میں حمیدہ سے کہہ دیتا ہوں۔" میں جلدی سے آگے بڑھا۔

"نہیں' تم قدیر صاحب کو لے کر ڈرائنگ روم میں جاؤ' میں خود ہی کہہ دوں گی۔"

اس نے جواب دیا اور آگے بڑھتی چلی گئی۔

میں نے محسوس کیا کہ فاریہ انسپکٹر قدیر سے کترا رہی ہے۔ وہ اس کے قریب زیادہ دیر نہیں رکنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کے حکم کی تعمیل میں انسپکٹر قدیر کو ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا۔

"تشریف رکھیے!" میں نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ بھی بیٹھیں' مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

میرا دل دھڑک اٹھا کہ اسے مجھ سے کیا باتیں کرنا ہیں اور میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے اس کی باتوں کا جواب کس انداز میں دینا ہو گا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گیا۔

"آپ یہاں کتنے عرصے سے ہیں؟" اس کا انداز خالص پولیس والوں جیسا تھا۔

میں نے ابھی جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ فاریہ اندر داخل ہوئی' میں نے شکر ادا کیا۔

"اقبال تم آرام کر لو' بہت تھک گئے ہو گے۔" فاریہ نے مجھے کہا۔

"سوری انسپکٹر صاحب' آپ میرے بارے میں مس فاریہ سے تفصیل سے پوچھ سکتے ہیں۔ اگر مجھے اجازت دیں تو کچھ دیر آرام کر لوں۔"

"ضرور ضرور۔" اس نے سرہلایا اور میں کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں سیدھا اپنے کمرے میں آیا۔ میں واقعی بہت تھک گیا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی نیند آ گئی۔

علی الصبح میری آنکھ دروازے پر ہونے والی دستک سے کھلی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ میں اتنا بے خبر سو گیا تھا کہ پوری رات گزر گئی اور پتا بھی نہ چلا۔ جانے قدیر صاحب کب گئے۔ دوبارہ ہونے والی دستک نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے بڑھ کر دروازہ کھولا' سامنے سکندر خان کھڑا تھا۔

"بیگم صاحب بلاتا ہے آپ کو!"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ٹھیک ہے تم چلو' میں آتا ہوں۔"

اس کے جاتے ہی میں باتھ روم گھس گیا۔ پندرہ منٹ بعد نہا دھو کر تیار ہو گیا تھا۔ میں پہلے ڈرائنگ روم میں پہنچا' وہ خالی تھا۔ میں نے بیگ صاحب کے کمرے کی طرف رخ کیا ہی تھا کہ پیچھے سے حمیدہ کی آواز آئی۔ "صاحب وہ لوگ ڈائننگ روم میں ہیں۔"

"اوہ' تھینک یو۔" میں پلٹ کر ڈائننگ روم میں داخل ہو گیا۔

"آؤ اقبال!" فاریہ نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سوری میڈم رات میں بستر پر لیٹتے ہی غافل ہو گیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں' تم تھک بھی تو بہت گئے تھے نا؟"

"بس احساس ہی نہیں ہوا کہ کب نیند آ گئی۔ قدیر صاحب کب گئے؟"

"چائے پیتے ہی چلے گئے تھے اب آنے والے ہوں گے۔" اس نے چائے کے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے جواب دیا۔

"میڈم آج آفس جانا ہے۔" میں نے کپ میں چمچہ ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں چلے جاؤ مگر.......... بلکہ میں بھی چلتی ہوں۔ دراصل انسپکٹر قدیر نے مجھے منع کر دیا ہے کہ ابھی میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤں جس سے مسٹر وصی اور ان کے گرگے ہوشیار ہو جائیں۔ ہم آفس جائیں گے اور معمول کے مطابق کام کریں گے۔ ان لوگوں پر بالکل ظاہر نہیں ہونے دیں گے کہ ہم کچھ جانتے ہیں۔"

"اس طرح تو ممکن ہے کہ وہ نئی کھیپ بھیج دیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں ہو سکتا ہے۔ اگر شپنگ کرائی گئی تو بھی ہم کچھ نہیں کریں گے۔ انسپکٹر قدیر اس سلسلے میں فوری انتظامات کر لیں گے بلکہ انہوں نے نارکوٹکس کنٹرول بورڈ کے سرکردہ افراد کو اطلاع بھی دے دی ہو گی۔ آج وہ انکل کو کنٹرول بورڈ کے ریجنل ڈائریکٹر کے پاس لے جا رہے ہیں۔ اب یہ تمام معاملہ وہ لوگ دیکھیں گے' ہماری ذمے داری ختم ہو گئی ہے۔"

میں سرہلا کر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بیگ صاحب بہت خاموش اور اداس تھے۔ وہ نگاہیں جھکائے چائے پی رہے تھے۔ مجھے ان کی صورت دیکھ کر ترس آ رہا تھا مگر یہ معاملہ ایسا تھا کہ میں اس سلسلے میں ان کی کوئی مدد بھی نہیں کر سکتا تھا۔ خود فاریہ کے

چہرے پر گہری اداسی چھائی ہوئی تھی۔

ڈائننگ روم میں خاموشی طاری تھی کبھی کبھی چائے کے برتنوں کی آواز گونج اٹھتی تھی یا دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک کمرے میں زندگی کا احساس پھیلا رہی تھی۔

ہم ابھی ناشتے سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ گیٹ پر ہارن کی آواز سے چونک اٹھے۔

"شاید انسپکٹر قدیر آ گئے۔" فاریہ نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

بیگ صاحب کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے دم بھر کو ان کا سانس رکا ہو۔ میں پیالی ہاتھ سے رکھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"انہیں یہیں لے آؤ۔" فاریہ کی آواز آئی اور میں "اچھا" کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔ انسپکٹر قدیر نے گاڑی برآمدے کے سامنے ہی روک دی۔ وہ اس وقت بھی وردی میں تھے اور خاصے اسمارٹ لگ رہے تھے۔ میں نے سلام کیا اور انہیں لیے ہوئے ڈائننگ روم میں آ گیا۔

انسپکٹر قدیر نے بڑے پرجوش انداز میں سلام کیا اور کیپ اتار کر ایک طرف رکھی پھر دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔ "بڑے اچھے موقع پر آیا ہوں۔"

مجھے لگا جیسے وہ فضا کے بوجھل پن کو ختم کرنے کے لیے اس انداز سے بات کر رہے ہیں ورنہ ان کی آنکھوں میں بھرپور سنجیدگی صاف نظر آ رہی تھی۔

"ناشتا کریں گے؟" فاریہ نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ........... جناب میں رات سے بھوکا ہوں' رات گھر میں داخل ہوتے ہی رکے بغیر یہاں چلا آیا تھا' یہاں سے بھی آپ نے بھوکا بھیج دیا۔ رات زیادہ ہو گئی تھی' سب سو چکے تھے' کسی کو اٹھانا بہتر نہ سمجھ کر چپ چاپ دبے قدموں اپنے کمرے میں جا کر سو گیا اور دس منٹ پہلے آنکھ کھلی' سیدھا یہاں چلا آیا۔"

"اقبال' تم حمیدہ سے کہو ناشتا اور لے آئے۔" فاریہ نے اس کے شوخ انداز کو نظرانداز کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

میں کمرے سے باہر آ گیا۔ حمیدہ غالباً چوکیدار کو ناشتا دے کر واپس آ رہی تھی۔ میں نے اسے ناشتے کے لیے کہا اور خود وہیں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میری ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ میں اتنے بوجھل اور تکلیف دہ ماحول میں دوبارہ جا کر روح میں اتر جانے والی خاموشی اور اداسی کا مقابلہ کروں۔ پندرہ بیس منٹ بعد حمیدہ ناشتے کی ٹرے لیے آ گئی۔ میں نے ٹرے اس سے لے لی اور خود ناشتا لے کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرے میں اب بھی خاموشی طاری تھی۔ میں وہاں ناشتا رکھ کر خود باہر چلا آیا۔ صبح کے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ میں نے حمیدہ سے ایک کپ چائے منگوائی اور لان میں پڑی کرسیوں پر آ بیٹھا۔ نہ معلوم کیوں اچانک ہی مجھے ماں یاد آ گئی۔ کاش وہ میرے قریب ہوتی تو میں کچھ دیر سر اس کی گود میں رکھ کر سو جاتا' وہ لمحہ بھر کی نیند کتنی پُرسکون ہوتی! یہ خیال آتے ہی مجھے سلطان کا خیال بھی آ گیا۔ سلطان کو گاؤں گئے اتنے روز ہو گئے تھے مگر وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ خدا خیر کرے سب خیریت ہو' میرے دل سے دعا نکلی۔ کاش میں خود ہی گاؤں چلا گیا ہوتا۔ میں یہ سب کچھ چھوڑ کیوں نہیں دیتا۔ یہ شہر جس میں قدم قدم پر بداعتمادیاں پھیلی ہوئی تھیں' جہاں سب کچھ آدمی کی توقع کے خلاف ہوتا تھا۔ جہاں جسمانی تکلیف نہ تھی مگر روح پر پڑنے والے پے درپے گھاؤ اس بری طرح زخمی کر دیتے تھے کہ آدمی ٹوٹ کر رہ جاتا تھا۔

میں بکھر رہا تھا۔ ایک جنگ تھی جو میرے اندر لڑی جا رہی تھی۔ دل کہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے گاؤں میں جاؤں اور دماغ ایک آہنی دیوار کی طرح سامنے کھڑا تھا۔

"وہاں بھی غلامی کے سوا کیا رکھا ہے؟" دماغ کے اس سوال نے مجھے شکستہ کر دیا تھا۔ اگر ماں کا وجود نہ ہوتا تو شاید میں کسی بہت ہی بڑی طاقت سے ٹکرا کر خود کو پاش پاش کر لیتا مگر اب مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا تھا۔ محض اس لیے کہ میری ماں عذابوں میں قید' ماسی میراں اور سوہنی میرا انتظار کر رہی تھیں۔

میں خود کو کسی ایسے اندھے کنویں میں گرتا ہوا محسوس کر رہا تھا جس کی انتہا نہ تھی' زندگی کی امنگ اور روشنی کی کرن دور ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ راجہ کا کچھ پتا نہ تھا۔ میرا مقصدِ حیات یعنی چوہدری سے انتقام کا جذبہ حالات کی تہہ در تہہ گرد کے نیچے کہیں پڑا سسک سسک کر دم توڑ رہا تھا۔ میں خود کو مٹی کا ایک تودہ محسوس کر رہا تھا جو اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ سرک سکتا ہو۔ یہ حالات مجھے کہاں لے جائیں گے کچھ پتا نہ چلتا تھا۔

اچانک سوچتے سوچتے میرا جی الجھ گیا' دم گھٹنے لگا۔ میں گھبرا کر گیٹ کی طرف بڑھ گیا جہاں سکندر خان کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ میں اس کے قریب جا کر خواہ مخواہ اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ ان باتوں کا مقصد خود کو ان خوف ناک سوچوں سے آزاد کرانا تھا۔

ابھی مجھے وہاں کھڑے دو تین منٹ ہی ہوئے تھے کہ فاریہ کی آواز آئی۔ فاریہ' انسپکٹر قدیر اور بیگ صاحب برآمدے میں کھڑے تھے۔ میں تیزی سے پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ اتنی دیر میں بیگ صاحب' انسپکٹر قدیر کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ میں گاڑی برآمدے کے قریب لے آیا اور انسپکٹر قدیر کی گاڑی کے پیچھے کھڑی کر دی۔

فاریہ غالباً بیگ صاحب کو تسلی دے رہی تھی۔ چند لمحوں بعد انسپکٹر قدیر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ گاڑی کو گیٹ کی طرف لے گیا۔ سکندر خان گیٹ کھول چکا تھا۔ میں نے گاڑی فاریہ کے قریب روکی۔ وہ فوراً ہی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ میں نے بھی انسپکٹر قدیر کے پیچھے ہی گاڑی گیٹ سے باہر نکال لی۔

"جی میڈم............ کہاں چلوں؟"

"آفس............" اس نے مختصر جواب دیا اور شیشے سے باہر کہیں دور دیکھنے لگی۔

میں نے مزید کوئی سوال کیے بغیر گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔ ہم خاموشی سے سفر کرتے ہوئے آفس پہنچ گئے۔ میں نے گاڑی پارکنگ لاٹ پر کھڑی کی اور فاریہ اتر کر لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے تھا۔ ہم سیدھے ففتھ فلور پر پہنچے جہاں فاریہ کا آفس تھا۔ کوریڈور میں ہی ہماری ملاقات مسٹر وصی سے ہو گئی جو ہاتھوں میں فائل اٹھائے' ناک پر چشمہ جمائے اپنے کچھ حواریوں کے ساتھ ساتھ بڑی تیزی میں ایک طرف جا رہے تھے۔ فاریہ کو دیکھتے ہی وہ گھبرا کر رک گئے۔

"اسلام علیکم میڈم!"

"وعلیکم السلام مسٹر وصی' بڑی جلدی میں ہیں' خیریت؟"

"جی میڈم............ آج جرمنی کی شپنگ ہے۔ ابھی تک پیکنگ مکمل نہیں ہوئی۔"

"تو کینسل کر دیجیے پھر کرا لیجیے گا۔"

"بہت نقصان ہو جائے گا میڈم۔"

"کوئی بات نہیں نفع نقصان تو ہوتا ہی رہتا ہے۔" فاریہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اچھا..........!" انہوں نے ذرا حیرت سے کہا۔

شپنگ کینسل کرانے میں کافی نقصان ہوتا تھا اور ایک لمبا پروسیجر طے کرنا پڑتا تھا شاید اسی لیے انہیں حیرت ہوئی تھی۔ ان کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے مگر پھر بھی وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہے۔ فاریہ نے ان پر دھیان نہ دیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

میں بھی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گیا۔

فاریہ نے کرسی پر بیٹھتے ہی ٹیبل کے نیچے لگی بیل بجائی۔ چند لمحوں بعد ہی چپراسی اندر داخل ہوا۔

"مسٹر شاہد بیگ کو بلاؤ۔" فاریہ نے چپراسی سے کہا اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

چپراسی دوبارہ باہر چلا گیا۔ میں خاموشی سے سامنے والی کرسی پر جا بیٹھا۔ فاریہ دراز سے مختلف فائلیں نکال کر ان کا بغور مطالعہ کرتی رہی جبکہ میں مختلف اندیشوں میں گھرا بے شمار باتیں سوچتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ فاریہ کے شپنگ سے منع کرنے نے انہیں شک میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کے چہرے کی الجھن اور آنکھوں کی حیرت بار بار میرے سامنے آ رہی تھی۔ میں یہ بات فاریہ کو بتانا چاہتا تھا مگر وہ اتنے انہماک سے فائلیں دیکھ رہی تھی کہ میں نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ فاریہ نے فائلوں پر جھکا سر اس وقت اٹھایا جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"کم اِن!" فاریہ نے زور سے کہا۔

اس کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور پینتیس چالیس برس کا بہت اسمارٹ سا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس میں ایک عجیب سا وقار تھا۔ خوب صورت چہرہ، روشن اور بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن سے ذہانت چھلک رہی تھی اور کنپٹیوں پر چمکنے والے سفید بالوں نے اسے بے پناہ پُرکشش بنا دیا تھا۔ اس کی شخصیت ایسی تھی کہ انسان اسے دیکھ کر چند لمحوں کے لیے ساکت ہو جائے، یہی میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔

"بیٹھیے مسٹر شاہد۔" فاریہ نے بڑے اخلاق مگر بے حد سنجیدگی سے کہا۔

وہ میرے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ فاریہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ بھی جھجکے بغیر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اس کے بولنے کا منتظر رہا۔ اس دوران

میں، میں ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ نہ معلوم کیوں مجھے ان دنوں کی نگاہوں میں ایک دوسرے کے لیے عجیب سی بات محسوس ہوئی، کیا؟ اسے میں کوئی معنی نہ دے پایا مگر میرے ذہن میں ایک چبھن سی ہونے لگی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ شاہد بیگ کی فیکٹری میں کیا حیثیت ہے اور آج سے پہلے میں نے اسے یہاں دیکھا بھی نہیں تھا جبکہ فاریہ کے بلانے اور چپراسی کے سرہلا کر چلے جانے اور پھر شاہد بیگ کی آمد نے کم از کم یہ بات ثابت کر دی تھی کہ وہ یہیں فیکٹری میں تھا اور یہاں کے لوگ اسے جانتے بھی ہیں۔

"ہوں.........." اچانک فاریہ نے گہرا سانس لیا۔

میں چونک کر اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"تو گویا تمہارا خیال صحیح تھا۔" اس نے اپنے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان جماتے ہوئے کہا۔

"خیال نہیں میڈم، اندازہ۔" اس نے اتنی ہی سنجیدگی سے جواب دیا۔

گو کہ اس نے فاریہ کو میڈم کہا تھا مگر اس کے لہجے میں وہ بات نہ تھی جو فیکٹری کے کسی دوسرے ملازم کے لہجے میں یا خود میرے لہجے میں ہوتی تھی۔

"ہوں، ایک ہی بات ہے۔" فاریہ نے جواب دیا۔

"نہیں محترمہ، آپ مختلف باتوں کو گڈ مڈ کر دیتی ہیں۔ بہرحال، تو میرا اندازہ صحیح تھا؟"

"ہاں شاہد صاحب، میں معذرت خواہ ہوں کہ میں نے آپ کی بات پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا بلکہ اس طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ بہرحال اب مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔"

"موسٹ ویل کم میڈم۔" وہ ذرا سا جھکا۔ "فائلیں میرے پاس ہیں اور میں جانتا ہوں کہ کہاں کیا اور کب کتنا مال بھیجا گیا۔ آپ نے دھیان نہیں دیا تھا مگر میں اس طرف سے غافل نہیں رہا۔ میں کسی طرف سے بھی غافل نہیں رہا مس فاریہ۔" آخری جملہ اس نے بڑے معنی خیز انداز میں کہا اور تب میں نے اس کی آنکھوں میں محبت کا دریا موجزن پایا۔ بے پناہ اپنائیت اور لگاؤ۔ تبھی میرے ذہن میں ہونے والی چبھن ختم ہو گئی، میں نے فاریہ کی طرف دیکھا، اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ٹھیک ہے مسٹر شاہد میں آپ کی ممنون ہوں۔ میں چاہتی ہوں اس سلسلے میں آپ کبھی غافل نہ ہوں۔ میں نے کچھ اقدامات کیے ہیں۔ میں آپ کو بعد میں تفصیل بتاؤں گی۔ اس وقت مجھے کچھ ضروری کام ہیں۔ اوکے...........؟"

"اوکے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔"

"نو تھینک یو..........." فاریہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

میں بھی کھڑا ہو گیا۔ مسٹر شاہد بیگ مجھ سے ہاتھ ملا کر چلے گئے۔ فاریہ نے دراز سے نکالی ہوئی کچھ فائلیں اٹھائیں اور کمرے سے باہر آ گئی۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ ہم بغیر کسی سے ملے لفٹ تک آ گئے۔ لفٹ مین کوئی نیا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھتے ہی سر خم کیا اور اسٹول سے کھڑا ہو گیا۔ میں اور فاریہ لفٹ میں داخل ہو گئے۔ لفٹ مین نے بٹن دبایا اور ایک کونے میں مؤدب کھڑا ہو گیا۔ وہ تقریباً پچاس برس کے لگ بھگ تھا۔

"تم نئے آئے ہو؟" فاریہ نے پوچھا۔

MALIK ABDUL RAOOF

"جی میڈم!"

میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنی عمر کا ہونے کے باوجود کافی مضبوط جسم کا مالک تھا۔ اس کے دائیں کان کے نیچے ایک گہرے زخم کا نشان تھا جو غالباً صرف مجھے ہی نظر آ رہا تھا کیوں کہ میں اس کی دائیں جانب کھڑا تھا۔

"کس کے تھرو آئے ہو؟"

"جی وصی صاحب نے نوکری دلائی ہے۔ وہ میرے محلے کے قریب ہی رہتے ہیں۔"

"محلے کے قریب؟"

"جی میڈم' نالے کے اس طرف کوٹھیاں ہیں اور دوسری طرف کچے پکے چھوٹے مکان' میں وہیں رہتا ہوں۔"

"اوہ........... آئی سی..........." فاریہ نے سر ہلایا اور لفٹ کے دروازے کے اوپر دیکھا جہاں فرسٹ فلور کا نمبر روشن تھا۔

چند لمحوں میں لفٹ گراؤنڈ پر آ گئی۔ میں اور فاریہ پارکنگ لاٹ پر چلے آئے۔

"تم نے غور کیا!" فاریہ نے دروازہ کھولتے ہی مجھ سے پوچھا۔

"کیا میڈم؟"

"یہ کافی پڑھا لکھا لگتا ہے۔" اس نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

میں بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"کیسے؟" میں نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"میں نے انگلش لفظ استعمال کیا تھا "تھرو" وہ سمجھ گیا۔"

"اوہ.......... ہاں سچ........... میں نے تو غور ہی نہیں کیا۔"

اب تمہیں ہر چھوٹی بڑی بات پر غور کرنا چاہیئے"

"ویسے وہ آدمی مجھے پسند نہیں آیا' کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا اسے دیکھ کر۔"

"ہاں.......... مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے گاڑی ریورس کی اور گیٹ سے باہر نکال لی۔

"کہاں جائیں گی میڈم؟"

"اسپتال.......... کیا تم بھول گئے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے میڈم؟ مجھے یاد ہے اور یہ بھی یاد ہے کہ آج گیارہ بجے زاریہ کا آپریشن ہے۔ ابھی گیارہ بجنے میں بہت وقت تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید آپ اس دوران میں کوئی اور کام نمٹانا چاہتی ہوں۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

"نہیں فی الحال میں کام نہیں کرنا چاہتی۔ فیکٹری کے تمام معاملات انسپکٹر قدیر' انکل اور شاہد بیگ سنبھال لیں گے۔"

www.pdfbooksfree.pk

"میڈم یہ شاہد صاحب..........."

"ہاں اقبال' میں خود بھی تمہیں بتانا چاہتی تھی۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "شاہد بیگ اس پوری فیکٹری میں وہ واحد شخص ہے جو میرے لیے پُر خلوص ہو سکتا ہے۔ اسے میں نے مینجر کی حیثیت سے جاب دی۔ وہ بہت شارپ ہے مگر وہ بنیادی طور پر نیک آدمی ہے۔ اس کے یہاں آنے کے بعد مسٹر وصی کو اپائنٹ کیا گیا تھا مگر مسٹر وصی دھیرے دھیرے تمام شعبوں پر چھاتے چلے گئے۔ انہوں نے وہ کام بھی اپنے ذمے لے لیے جو شاہد بیگ کرتا تھا۔ مسٹر وصی بے حد چالاک آدمی ہیں۔ ان کا طریقہ کار اتنا غیر محسوس تھا کہ مجھے احساس بھی نہ ہو سکا اور نہ ہی انہوں نے کسی کو شکایت کا موقع دیا۔ شاہد کو انہوں نے زیادہ تر ایسے کام دے دیئے جو واقعی چمڑے اور اس کی تجارت کے متعلق تھے' جن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ممالک کو وہ ہیروئن بھیج رہے ہیں ان کا تمام کام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جہاں خالص چمڑے کی اشیاء جاتی ہیں وہ کام اور آرڈرز انہوں نے شاہد کے پاس چھوڑ دیے۔ شاہد نے دو ماہ پہلے میری توجہ اس جانب دلائی تھی۔ مجھے دبے لفظوں میں کہا تھا کہ یہاں کچھ گڑ بڑ ہو رہی ہے مگر میں نے دھیان نہ دیا۔ آج اس کی بات سچ ہو گئی۔ اگر میں اس وقت اس کی بات کو سنجیدہ لیتی تو شاید سنبھلنے کا موقع مل جاتا۔ بہرحال وہ نہ صرف مخلص ہے بلکہ ذہین اور حب الوطن بھی ہے۔ مجھے اس سے کافی مدد مل جائے گی۔"

فاریہ کی یہ تمام باتیں سن کر میری سمجھ میں سب کچھ آ گیا۔ میرا ذاتی خیال تھا کہ وہ فاریہ کو پسند کرتا ہے شاید اسی لیے اس سے بے حد پُرخلوص بھی ہے مگر فاریہ نے اس جانب کوئی اشارہ نہیں کیا۔

چند لمحوں بعد ہم اسپتال پہنچ گئے۔ زاریہ ابھی تک بے ہوش تھی۔ ڈاکٹر طارق ہمیں اس کے وارڈ کے باہر ہی مل گئے۔ انہوں نے بتایا کہ آپریشن کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور ٹھیک گیارہ بجے اسے آپریشن تھیٹر میں لے جائیں گے۔

انہوں نے پہلے فاریہ کو اور پھر مجھے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ ہم صرف چند لمحوں کے لیے اس کے پاس رہے۔ اسے بے سُدھ پڑا دیکھتے رہے۔ پھر فاریہ آنکھوں میں امنڈ آنے والے آنسو رومال میں سموتی ہوئی باہر چلی گئی۔ میں نے پل بھر کو زاریہ کے چہرے کی طرف دیکھا جس پر بے حد سکون چھایا ہوا تھا۔ پھر خدا سے اس کی زندگی کی دعا کی اور کمرے سے باہر آ گیا۔

"مس فاریہ آپ لوگ چاہیں تو جا سکتے ہیں' اس لیے کہ تین گھنٹے خواہ مخواہ آپریشن تھیٹر کے باہر کھڑا رہنا بے حد اذیت ناک ہوتا ہے۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ ڈاکٹر تجمل اس کی طرف سے خاصے مطمئن ہیں۔"

"مگر ڈاکٹر اس کی طویل بے ہوشی.........." فاریہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"اوہ مس فاریہ سوری' میں آپ کو یہ بتانا بھول گیا کہ رات انہیں چند لمحوں کے لیے ہوش آ گیا تھا اور اسی وجہ سے ہم اتنے مطمئن ہیں۔"

"ڈاکٹر.......... سچ.......... مگر آپ نے بتایا کیوں نہیں.........."

"یہ واقعہ رات پونے تین بجے کا ہے مس فاریہ' میں نے رات گئے بتانا مناسب نہ

سمجھا اور سچ پوچھیں تو زاریہ کے ہوش میں آ جانے کے بعد میں اتنا ریلیکس ہو گیا تھا کہ گھنٹا بھر تک بے خبر سوتا رہا۔ بہرحال اب تو پتا چل گیا نا..........!"

"ڈاکٹر.......... وہ ٹھیک تھی..........؟ اس نے آپ کو پہچانا؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا مس فاریہ.......... اس لیے کہ وہ ہوش میں آنے اور آنکھیں کھولنے کے باوجود گم صم تھی۔ بہرحال ہمارے لیے یہی بہت تھا۔ ڈاکٹر تجمل کو میں نے اسی وقت بلوا لیا تھا۔ انہوں نے خود ان کا تفصیلی چیک اپ کیا تھا اور ہمیں خوشخبری سنائی تھی۔"

"اوہ.......... اوہ تھینکس گاڈ.........." فاریہ بے حد خوش تھی۔ میں بھی خود کو ایک دم ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا بوجھ تھا جو سر سے اتر گیا تھا۔

زاریہ جو موت سے چند لمحے کے فاصلے پر پڑی تھی' اب زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی۔ "ڈاکٹر ٹھیک کہتے ہیں مس فاریہ' تین چار گھنٹے یہاں کھڑے رہنے سے کچھ نہ ہو گا۔ آپ نے جہاں اتنی بہت سی باتوں کو حقیقت پسندانہ انداز میں قبول کیا ہے وہاں اس معاملے پر بھی محض جذبات سے کام نہ لیں۔ آپ یہاں رہ کر کچھ بھی نہ کر سکیں گی۔" میں نے بھی ڈاکٹر کی حمایت کی۔

"پھر..........؟" اس نے استفہامیہ انداز سے مجھے دیکھا۔

"ہم کوئی اور کام کر لیتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"مثلاً!"

"مثلاً یہ کہ .... یعقوب کو لے آتے ہیں.......... یا .... سلطان کو دیکھ لیتے ہیں یا.........."

"ٹھیک ہے ہم سلطان کو دیکھ لیتے ہیں میں جانتی ہوں کہ تمہیں اس کا بہت شدت سے انتظار ہے" وہ فوراً تیار ہو گئی۔ ہم نے ڈاکٹر طارق سے اجازت لی اور باہر آ گئے۔ فاریہ اس وقت بہت خوش لگ رہی تھی پھر بھی کبھی کبھی اس کا چہرہ اداس ہو جاتا تھا۔

ہم گاڑی میں بیٹھے اور میں نے گاڑی اسپتال کے گیٹ سے باہر نکال لی۔ باہر آتے ہی فاریہ بولنے لگی۔ وہ مسلسل زاریہ کی باتیں کر رہی تھی۔ اس کے ہوش میں آ جانے کی اسے بے پناہ خوشی تھی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اقبال' انکل سنیں گے تو کتنا خوش..........." اچانک وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔ شاید اسے یاد آگیا تھا کہ انکل گھر پر نہیں ہوں گے بلکہ وہ انسپکٹر قدیر کے ساتھ اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے گئے ہوئے ہیں۔ ان گناہوں کے اعتراف کے بعد ان کے ساتھ کیا ہو گا اس کا کسی کو بھی اندازہ نہ تھا۔ ممکن ہے انسپکٹر کے کہنے کے مطابق بیگ صاحب کو واقعی چھوڑ دیا جاتا یا ممکن ہے کہ انہیں گرفتار کر لیا جائے۔

میں نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

"ایک خوشی ملتی ہے اقبال تو دوسرا غم منہ پھاڑے سامنے آ جاتا ہے' یہ کیسی آنکھ مچولی ہے؟"

"صبر کریں میڈم........... مجھے دیکھیں' کوئی خوشی ملتی ہی نہیں پھر بھی حالات کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہوں۔"

اس نے گردن موڑ کر مجھے غور سے دیکھا' شاید میرے بھرائے ہوئے لہجے نے اسے چونکا دیا تھا۔ اس نے آنکھیں صاف کر لیں مگر پھر کچھ نہ بولی۔

تمام راستہ خاموشی سے طے ہو گیا۔ ہم کرشن نگر میں داخل ہو گئے۔ میں نے سلطان کے مکان کے سامنے گاڑی روکی۔

"میڈم' آپ آئیں گی یا..........."

"تم دیکھ آؤ اگر سلطان ہے تو مجھے بلا لینا اور نہ ہو تو واپس آ جانا۔"

میں سر ہلا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اندھیری سیڑھیوں کو عبور کر کے میں سلطان کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ پہلے کی طرح اب بھی دروازے پر تالا نہ تھا۔ میں نے ہلکے سے دروازے پر دستک دی۔ میرا خیال تھا کہ شاید وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ اگر واپس آ گیا ہوتا تو میرے پاس ضرور آتا۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دروازہ کھل گیا مگر سلطان سامنے نہ آیا اور نہ دروازہ پورا کھلا۔

"سلطان!" میں نے آواز دی۔

"وہ باہر گئے ہیں..........." اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ آواز جانی پہچانی سی لگی' نہ معلوم کیوں میرا دل دھڑک اٹھا۔

بولنے والی خاموش ہو چکی تھی مگر اس کی آواز کی بازگشت اب بھی میرے پورے

وجود میں جھنجنا رہی تھی۔ میرا جی چاہا کہ وہ ایک بار پھر بولے تاکہ میں جان سکوں کہ وہ کون ہے........... مگر وہ پھر نہ بولی۔

"اسے........... اسے کہئے گا کہ........... بالا آیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

عین اسی لمحے دروازہ دھڑ کی آواز سے پورا کھل گیا اور وہ سامنے آ گئی۔

سامنے ایک لڑکی کا ڈھانچہ کھڑا تھا۔ لاغر' کمزور اور لڑکھڑاتا ہوا۔ اسے دیکھ کر میں خود بھی لڑکھڑا گیا۔ "سوہنی!" بے اختیار میرے منہ سے نکلا اور میں بے دھڑک اندر داخل ہو گیا۔ "یہ........... یہ تو ہے۔ مگر تُو تو ایسی نہ تھی۔"

"ہاں بالے........... تُو تو مجھے چھوڑ آیا تھا نا........... پھر........... پتا نہیں کیا ہوا؟ میں ایسی ہو گئی۔" اس نے عجیب سے انداز میں مجھے جواب دیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی زبان سوجی ہوئی ہو یا اس کا ذہن سویا ہوا ہو۔

"سوہنی........... ماں کہاں ہے........... اور ماسی؟" میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ جہاں بھی ہیں اور جیسی بھی ہیں تجھے اس سے کیا؟" دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا' سلطان ہاتھوں میں تھیلے لیے کھڑا تھا۔

"سلطان..........." میں سے دیکھ کر لپکا۔

"تُو تو بھول چکا ہے نا سب کو' بابو ہو گیا ہے تُو' انگریزی بولتا ہے' گاڑی چلاتا ہے اونچے اونچے ہوٹلوں میں بیٹھتا ہے' بہت بڑی کوٹھی میں رہتا ہے' یہ جو ڈھانچہ کھڑا ہے تیرے سامنے' اسے پہچانتا ہے؟ یہ سوہنی ہے' وہی سوہنی جس کے وجود میں پھول کھلتے دیکھے تھے تُو نے........... جس کی آنکھوں میں پہلا سپنا تُو نے سجایا تھا۔ وہ سوہنی جسے تُو پیار کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے تُو پریشان تھا بالے' سچ بتا بالے' کیا یہ وہی سوہنی ہے........... کیا تُو نے اسی ڈھانچے سے پیار کیا تھا کیا اسی کے وجود میں پھول کھلتے تھے........... کیا انہی وحشت زدہ آنکھوں میں خواب اگائے تھے تُو نے...........؟ نہیں بالے نہیں' یہ وہ سوہنی نہیں ہے' یہ تو وہ سوہنی ہے جس کے جسم اور دل کو کھنڈر بنا دیا گیا' تجھ سے پیار کرنے کی پاداش میں جسے تباہ کر دیا گیا' اور تُو........... تُو یہاں عیش کرتا رہا۔ اپنوں کو جہنم کی بھٹی میں چھوڑ کر دوسروں کے لیے جنت تلاش کرتا رہا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

”بس.......... بس کر سلطان۔ تُو جانتا ہے.......... سب جانتا ہے تُو۔“ میں چیخ اٹھا۔

”نہیں بالے.......... میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ تُو اگر چاہتا تو ان سب کو عذابوں سے نکال سکتا تھا۔ تجھے پتا ہے سوہنی کو کیا ہوا ہے؟ یہ.......... یہ نشہ کرتی ہے‘ راجو نے اسے نشے کی عادت ڈال دی تاکہ یہ ساری زندگی بھیک مانگتی رہے‘ اپنی موت کی بھیک۔“

”نہیں.......... نہیں سلطان.......... بکتا ہے تُو۔ جھوٹ بولتا ہے..........“ میں نے لپک کر اس کے شانے پکڑ لیے‘ پھر میں پلٹ کر سوہنی کے قریب آ گیا‘ جو دیوار سے ٹیک لگائے نڈھال سی کھڑی تھی۔ ”سوہنی.......... یہ جھوٹ ہے نا؟“

”نہیں بالے‘ یہ جھوٹ نہیں ہے‘ تُو بیٹھ جا‘ میں تجھے سب کچھ بتاتی ہوں۔“ سوہنی نے پلنگ کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے کہا اور خود سامنے بچھی دری پر بیٹھ گئی۔

میں کسی روبوٹ کی طرح اس کے سامنے پلنگ پر بیٹھ گیا۔

”بالے‘ تُو تو چلا آیا پر تیرے ہاتھ نہ آنے پر راجو اور تھانیدار دونوں ہی پاگل ہو رہے تھے پھر تیری گولی سے زخمی ہونے والے دو سپاہی اور راجو کا ایک جگری دوست مر گیا۔ تیرے خلاف قتل کا مقدمہ بھی بن گیا‘ تیرے چلے جانے کے تیسرے دن تیری ماں گلی میں تجھے اور صغرا کو پکارتی ہوئی مل گئی۔ وہ پاگل ہو چکی تھی۔ جانے ان تین دنوں میں اس پر کیا گزری تھی کہ وہ سب کچھ بھول گئی۔ بس اسے یہ یاد رہ گیا کہ تُو صغرا کو لینے گیا ہے‘ ماں کو اس حال میں دیکھ کر میں اور اماں برداشت نہ کر پائے اور اسے اپنے ساتھ لے آئے محلے کے سارے لوگ اسے دیکھ کر پریشان تھے۔ چوہدری اور راجو اب بھی ہمارے اور تیری ماں کے ہمدرد بنے ہوئے تھے.......... وہ دونوں دن کی روشنی میں آتے‘ سارے گاؤں والوں کو اکٹھا کرتے‘ تیرے تھانے سے فرار ہونے اور قتل کر کے بھاگنے کی کہانی سناتے صغرا کے لیے بھی انہوں نے ‘سارے گاؤں والوں کو یہی بتایا تھا کہ وہ اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ گئی ہے اور اسی صدمے سے صغرا کی ماں پاگل ہو گئی ہے۔ گاؤں کے لوگ سب کچھ جانتے ہوئے بھی خاموش تھے‘ تیرے سوا کون تھا جو چوہدری اور راجو کے سامنے زبان کھول سکتا۔

”بالے‘ میں اور اماں‘ ماسی کو اپنے گھر لے آئے۔ وہ سارا سارا دن ہر آتے جاتے سے تیرے لیے پوچھتی تھی‘ راجو جب بھی آتا اسے یہ بتانے کی کوشش کرتا تھا کہ تُو اب

کبھی واپس نہیں آئے گا مگر وہ جھلی کچھ بھی نہ مانتی تھی۔ ہمیں تیرے بارے میں کچھ پتا نہ تھا مگر جانے کیوں مجھے ایک عجیب سا اطمینان تھا یوں جیسے تُو قریب ہی کہیں موجود ہے۔ پھر ایک روز راجو آیا اس نے ہمیں بتایا کہ تجھے ڈاکوؤں نے مار دیا ہے‘ انہوں نے صغرا کی لاش بھی وہاں سے نکلوا لی بالے‘ اور پورے گاؤں کو جمع کر کے لاش دکھائی‘ وہ لاش کیا تھی بالے‘ نچے ہوئے گوشت اور بدبوؤں سے بھری ہوئی ایک گٹھڑی تھی بالے.......... صغرا کی لاش کی اس بے حرمتی پر پورا گاؤں رویا تھا بالے.......... پورا گاؤں‘ مگر صرف ایک تیری ماں تھی جو ہنس رہی تھی۔ کہتی تھی۔ ”دیکھو لوگو.......... کیا میری صغرا ایسی تھی.......... کیا کوئی پھول سی بچی ایسی ہو سکتی ہے..........“

تب راجو نے کہا تھا۔ ”بڑھیا‘ یہ تیری بیٹی صغرا ہے‘ اسے خدا نے ایسا کر دیا اور کسی کھائی میں تیرے بیٹے کی لاش بھی پڑی ہو گی۔“

اور تب بالے.......... بالے ماسی بہت ہنسی تھی۔ بولی۔ ”دیکھو یہ کتا‘ خدا پر الزام رکھتا ہے.......... خدا ایسا ظالم کب ہے کہ پھول جیسی صغرا کو ایسا کر دے۔“

”بس کر سوہنی۔ بس کر۔“ میں تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔ ”اب راجو کے حساب میں میرا ایک گناہ اور بڑھ گیا سوہنی‘ اب میں بھی اس کی سڑی ہوئی لاش کو نکال کر سارے گاؤں میں پھراؤں گا۔ میں اس کے خاندان کے ایک ایک بچے کی لاش گرا دوں گا سوہنی‘ اس کے باپ دادا کی لاشیں نکال لوں گا۔“ میں پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ مجھے کچھ ہوش نہ تھا۔

”اقبال‘ ہوش میں آؤ..........“ یہ فاریہ کی آواز تھی۔ یہ آواز مجھے ہوش میں لے آئی۔ میں تو اسے نیچے گاڑی میں بٹھا کر بھول گیا تھا۔ وہ جانے کب اوپر چلی آئی۔

”میں ہوش میں آ گیا ہوں مس فاریہ.......... سنا آپ نے.......... انہوں نے کیا کیا‘ میرے پیچھے میری ماں پر کیا عذاب آئے‘ مگر آپ کو کیا.......... آپ کو تو صرف اپنی فکر تھی‘ زاریہ کی فکر تھی‘ بیگ صاحب کی فکر تھی۔ آپ کو بھلا میری ماں کی فکر کیوں ہوتی‘ آپ کے تو اپنے بڑے مشن تھے‘ آپ میرے مشن پر سنجیدگی سے کیوں سوچتیں؟“

”آئی ایم سوری اقبال.......... یہ سچ ہے کہ میں.......... میں سیلفش ہو گئی تھی‘ مجھے معاف کر دو!“

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اوہ .... کتنا آسان ہے معافی مانگ لینا۔ آئی ایم سوری.......... اور بس۔"

"اقبال پلیز' میں بہت شرمندہ ہوں' مجھے احساس ہے کہ تم نے میرا بے پناہ خیال رکھا مگر میں.......... میں کم ظرف تھی کہ.........."

"بالے.......... تُو اس سے کیوں جھگڑا کر رہا ہے۔ جو کچھ ہم نے بھگتا ہے وہ تو ہماری قسمت تھی بالے۔"

"ماں کہاں ہے سوہنی؟"

"ہم نے بہت کوشش کی بالے کہ وہ ہمارے ساتھ شہر آ جائے' میں نے اسے بتایا تھا کہ بالا شہر میں ہے مگر.......... وہ کہتی ہے کہ میں کہیں چلی گئی تو بالا مجھے ڈھونڈے گا اور نہ پا کر پھر کہیں چلا جائے گا۔" سلطان نے جواب دیا۔

"اور ماسی میراں؟"

"وہ ہمارے ساتھ آئی ہے بالے' بہت بیمار ہے وہ' میں نے سرکاری اسپتال میں داخل کرا دیا ہے اور آج سوہنی کو بھی ہسپتال میں داخل کرا دوں گا۔"

"سوہنی.......... تُو یہ زہر کیوں اور کیسے پینے لگی.......... میرے گاؤں میں یہ زہر نہیں تھا۔"

"ہاں بالے' مگر اب یہ زہر گاؤں بھر میں پھیل رہا ہے۔ ایک روز راجو کا ایک دوست شہر سے گاؤں گیا تھا' تمام رات ایک سفید کار راجو کی حویلی کے آگے کھڑی رہی' راجو اپنے اس دوست کو لیے گاؤں بھر میں گھومتا پھرا پھر اگلے روز میں نے گاؤں کے گھنے درختوں کے نیچے لوگوں کو سر جھکائے نشہ کرتے دیکھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ بالے کہ وہ کیا چیز پی رہے ہیں۔ ایک روز میں بیمار ہو گئی۔ تپ چڑھ گیا تھا مجھے۔ راجو کا وہ دوست اس روز بھی گاؤں آیا تھا۔ راجو اسے لیے میرے گھر آیا۔ تیرے جانے کے بعد وہ اکثر گھر میں آ جاتا تھا۔ اماں اس سے بہت خوف زدہ تھی مگر اسے گھر آنے سے روکنا اس کے بس میں نہ تھا۔ مجھے بیمار دیکھ کر راجو کے دوست نے ایک انجکشن لگا دیا کہ ابھی ٹھیک ہو جائے گی' اور وہ انجکشن نشے کا تھا بالے.......... وہ ہر دوسرے روز مجھے یہ انجکشن لگا دیتا تھا پھر یوں ہونے لگا کہ میں خود راجو کے گھر پہنچ جاتی تھی۔ اس سے منتیں کرتی کہ مجھے انجکشن لگا دے' راجو کا دوست واپس شہر چلا آیا تھا۔ راجو نے کہا کہ اسے انجکشن لگانا

نہیں آتا پھر اس نے مجھے سفید رنگ کا پوڈر دیا اور اسے پینے کا طریقہ بتایا' بالے وہ پی کر میری بے چینی دور ہو جاتی تھی اور اس طرح میں اس زہر کی عادی ہو گئی..........' مگر اب میں نے سلطان بھائی سے وعدہ کیا ہے کہ چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے میں اس نشے کو ہاتھ نہ لگاؤں گی اور دیکھ لو بالے میرے بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے مگر میں نے تین روز سے نشہ نہیں کیا۔"

"سوہنی' اماں کہاں ہے؟"

"اسے غلام رسول سپاہی کی بیوی لے گئی تھی۔ غلام رسول سپاہی اور اس کی بیوی آتے رہتے تھے بالے! جب انہیں معلوم ہوا کہ ہم شہر آ رہے ہیں تو انہوں نے بھی بہت کوشش کی تھی کہ ماسی ہمارے ساتھ چلے مگر.......... جب وہ نہ مانی تو اسے اپنے ساتھ لے گئے۔"

"راجو نے تم لوگوں کو شہر کیسے آنے دیا؟" فاریہ نے سوال کیا۔

"وہ نہیں جانتا۔ ہم سب سے چھپ کر آئے ہیں۔ ہمارے لیے لاری کا بندوبست غلام رسول سپاہی نے کیا تھا۔" اس نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بڑھ کر رخساروں کی ہڈیوں تک آ گئے تھے۔ دھیرے دھیرے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور اس نے دیوار سے سر ٹیک دیا۔

"لیٹ جاؤ سوہنی.......... اب تم کسی بات کی فکر نہ کرو' سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اور اقبال جلد ہی گاؤں جا کر ماں کو بھی لے آئیں گے' تمہارا علاج میں کراؤں گی۔"

فاریہ نے اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ میں پلنگ پر سے اٹھ گیا۔ اس نے سوہنی کو وہاں لٹا دیا۔

"ہاں سوہنی۔ فاریہ ٹھیک کہتی ہیں۔ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پر تھپکی دی۔

اس لمحے سوہنی نے آنکھیں کھولیں' اس کی آنکھوں میں دکھوں کے گہرے سائے تھے اور کوئی ایسی بات تھی جس نے مجھے تڑپا کر رکھ دیا تھا۔ "تم.......... سو جاؤ سوہنی میں شام کو ڈاکٹر کو لے کر آؤں گا۔" میں نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"تُو جا رہا ہے بالے؟" اس نے حسرت ناک انداز میں کہا۔

"آں.......... ہاں۔" میں نے فاریہ کو دیکھ کر جواب دیا۔ "میں جلد واپس آؤں گا سوہنی، مجھے کچھ کام ہے، وہ کام کر کے فوراً واپس آ جاؤں گا۔" میں نے فوراً ہی کہا۔

اس نے تھکے تھکے انداز میں مجھے دیکھا اور کروٹ لے کر لیٹ گئی۔ میرا دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ اسے یوں بے آسرا چھوڑ کر چلا جاؤں مگر میں جانتا تھا کہ زاریہ کا آپریشن ہو رہا ہے۔ بیگ صاحب نارکوٹکس کے ڈائریکٹر کے پاس گئے ہوئے ہیں، نہ معلوم ان دونوں کا کیا ہوا ہو گا۔ پتا نہیں بیگ صاحب واپس آئے ہوں گے یا نہیں، نہ جانے زاریہ کا آپریشن کامیاب ہوا ہو گا یا نہیں.......... میں جانتا تھا کہ فاریہ بہت اکیلی ہے اور یہاں سوہنی بھی اکیلی تھی۔ اگر سوہنی کے پاس سلطان نہ ہوتا تو میں کبھی اسے چھوڑ کر نہ جاتا یا فاریہ کے پاس کوئی بھی ہوتا تو بھی میں سوہنی کو چھوڑ کر نہ جاتا۔ میری حالت عجیب سی ہو گئی تھی۔ میری قوتِ فیصلہ بھی جواب دیتی جا رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ فاریہ سے کہہ دوں کہ وہ چلی جائے اور کبھی دل کہتا تھا کہ اسے اس مقام پر تنہا چھوڑنا انسانیت نہیں۔

"سلطان صاحب، ہم جلدی ہی واپس آئیں گے، آپ سوہنی کا ہر طرح خیال رکھئے گا۔ یہ ہماری امانت ہے آپ کے پاس پلیز، اور یہ.........." اتنا کہہ کر فاریہ نے پرس کھول کر نوٹوں کی گڈی نکال لی۔ "یہ رکھ لیجئے۔ ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"شکریہ فاریہ صاحبہ، پیسے میرے پاس ہیں، اتنے تو نہیں جتنے آپ کے پاس ہیں مگر ہماری ضرورتوں کے لیے کافی ہیں۔" سلطان نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔

"نہیں سلطان.......... ایسا نہ بولو۔ یہ.......... یہ میرے ہیں، سمجھو کہ میرے ہیں۔" میں سچویشن سے گھبرا گیا۔

"تیرے پیسے بھی نہیں چاہئیں مجھے، سوہنی کو اور ماسی میراں کو میں لایا ہوں۔ یہ میرے گھر پر ہیں، جب تُو انہیں اپنے ساتھ لے جائے گا تو یہ امیری دکھانا اپنی۔" اس نے غصے میں جواب دیا۔ "میری غریبی کا مذاق اڑاتا ہے!"

فاریہ نے گھبرا کر پیسے واپس پرس میں رکھ لیے۔ "نہیں سلطان.......... تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں تو.........." وہ بوکھلا گئی تھی۔

"ٹھیک ہے سلطان.......... میں بعد میں آؤں گا۔" میں نے جلدی سے کہا اور فاریہ

کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔

اس دوران میں سوہنی یونہی منہ پھیرے لیٹی رہی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ جاگ رہی تھی مگر نہ تو وہ اس معاملے میں کچھ بولی اور نہ ہی اس نے گردن موڑ کر ہمیں دیکھا۔

☆==========☆==========☆

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk